خُطباتِ الٰہیہ

نواز رومانی

ملنے کا پتہ

مکتبہ نبویہ ○ گنج بخش روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حبیب فی سنة ۱۴۱۰
(۱۹۸۹ء)

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

خطباتِ الٰہیہ

نواز رومانی

ملنے کا پتہ

مکتبہ نبویہ ○ گنج بخش روڈ لاہور

نام کتاب .... **خطابات الٰہیہ**

نام مولف .... نواز رومانی

سال طباعت .... ۱۴۲۱ھ ..... مطابق ۲۰۰۰ء

تعداد .... گیارہ سو (۱۱۰۰)

کمپوزنگ .... ایم یو' کمپوزنگ سنٹر' سمن آباد' لاہور۔

ناشر .... چوہدری عبدالمجید۔

قیمت مجلد .... 120 روپے

ملنے کے پتے .... مکتبہ نبویہ' گنج بخش روڈ' لاہور۔

ضیاء القرآن پبلی کیشنز' گنج بخش روڈ' لاہور۔

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔

14۔انفال پلازہ، اردو بازار، کراچی

نوری کتب خانہ' دربار مارکیٹ' لاہور۔

مسلم کتابوی' دربار مارکیٹ' لاہور۔

اسلام بک ڈپو' گنج بخش روڈ' لاہور۔

پراگریسو بکس' اردو بازار' لاہور۔

مکتبہ نبویہ : گنج بخش روڈ' لاہور

بسم اللہ

صاحب دل وہ لوگ ہوتے ہیں جن کا حال اچھا ہو۔ وہ نہ تو ماضی کی یاد میں الجھتے ہیں اور نہ ہی مستقبل کے لئے خستہ و پریشان۔ الحمدللہ یہ عظیم نعمت مجھے بزرگان دین کے ساتھ میل جول' ان کے ساتھ خالص محبت اور ان کی معیت سے حاصل ہوئی ہے۔

ہمارے گرد پھیلے ہوئے واقعات و حالات اس امر پر صاد ہیں کہ سختی یا غیر دانشمندانہ انداز سے پند و نصائح کا اثر نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ تلخ کلامی کی حدت کی نذر ہو جاتے ہیں۔ آج کل کے اس سائنسی اور میکانکی دور میں لوگ ہر بات کی سند طلب کرتے ہیں۔ فرقان حمید' حدیث محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم' حیات طیبہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور احوال و آثار بزرگان دین رحمہ اللہ سے بڑھ کو کوئی بات مستند نہیں ہو سکتی کہ یہ سب شاہدین اور صاحبان حال کی صورتیں ہیں۔ لیکن اس سے استفادہ کی صرف یہی صورت ہے کہ سامع میں حق بات کی قبولیت کا مادہ ہو۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ وہ لغو سوالات سے اجتناب کرتا ہے۔ اس میں زندگی ہو' اس کے زندہ ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ وہ عمل کے جذبے سے سرشار ہوتا ہے اور تکبر سے گریزاں رہتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کے اندر صداقت بھی ہو۔ اس کی شناخت یہ ہے کہ وہ اپنے مخلص اسلاف کے فرمان و اعمال کے مقابل کسی غیر کی بات کو تسلیم نہیں کرتا۔

بزرگان دین کا قول ہے کہ جو شخص اپنے حال پر نظر رکھتا ہے وہ باخبر ہے اور جو اپنے حال پر نگاہ نہیں رکھتا وہ بے خبر ہوتا ہے۔ بے خبری ہمیشہ اندھیروں' ذلتوں' رسوائیوں اور پستیوں کی طرف لے جاتی ہے۔ خطابات الہیہ ایسا آئینہ ہے

جس میں اپنے حال و اعمال کا عکس بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ اللہ کرے ہم سب اپنے حال سے باخبر ہوں اور ہمارا حال درست ہو۔ لیکن اگر ہمارا حال قابل اصلاح ہو تو کتاب و سنت کی روشنی اور صاحبان حال کے حال میں اپنا حال رنگنے کے لئے فوراً سعی کرنی چاہئے کہ رنگ شہودی مفلحین کی نشانی ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اور مومنین سے لے کر عام لوگوں اور کفار تک کو یا کہہ کر خطاب فرمایا ہے۔ وہ تمام آیات مبارکہ جن میں اللہ کریم نے خطاب فرمایا ہے ان کے اندر پھیلی ہوئی بیکراں روشنیوں' حکمتوں' عبرتوں اور رموز و اسرار کو اجاگر کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ استفادہ کی صرف یہی صورت ہے کہ ان پر غور و تدبر کرنے کے بعد صراط مستقیم پر قدم بڑھایا جائے۔

بعض آیات قرآنی میں ایک ہی بات مختلف انداز سے ارشاد فرمائی گئی ہے۔ ایسی صورت میں کسی ایک مقام پر بات مکمل کر دی گئی' لیکن جہاں ضرورت محسوس ہوئی ہے نئے حال اور نئی روشنیوں کے تحت مزید وضاحت کی گئی ہے۔ کچھ سوالات ایسے ہیں جو اکثر انسانی ذہن میں الجھن بن کر گردش کرتے رہتے ہیں ان کے متعلق تفصیلاً" گفتگو کی گئی ہے تاکہ کسی نوع کا شک و ابہام باقی نہ رہے

خطابات الہیہ میں قرآنی آیات کا ترجمہ تفسیر ابن کثیر سے لیا گیا ہے اور ان کو ترتیب وار نمبر دے دیا ہے۔

میں علامہ قاری الٰہی بخش نوری مدظلہ العالی سرپرست اعلیٰ تنظیم دعوت القرآن و السنتہ لاہور کا بہ صمیم قلب شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے کتاب کے مسودہ پر نظر ثانی کی اور رہنمائی فرمائی۔

نواز رومانی

پیش لفظ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر دور میں اور ہر قوم کی راہنمائی کے لئے انبیاء و رسل علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا نیز ہر قوم کو جادہ ہدایت پر چلنے کے لئے صحائف اور الہامی کتب کی صورت میں دساتیر العمل عطا فرمائے۔ اسلام اس سلسلے کی آخری کڑی ہے' قرآن حکیم آخری اور مکمل دستور العمل ہے' جو بنی نوع انسان کی راہنمائی کے لئے نازل فرمایا۔ آسمانی صحائف اور الہامی کتب میں سے صرف قرآن حکیم ہی وہ واحد کتاب ہے جو بغیر کسی لفظی و معنوی تحریف کے اپنی اصلی شکل و صورت میں موجود ہے۔ یہ وہ مکمل اور واحد کتاب ہے جس میں انسانی مسائل' طرز معاشرت' اخلاق و آداب اور کائنات کے رموز و حقائق جامعیت و قطعیت کے ساتھ سادہ مگر دلنشین پیرائے میں بیان ہوئے ہیں۔ یہ وہ انعام الٰہی ہے جس کے بغیر انسانیت ادھوری اور ناقص تھی' اس عطیہ ایزدی نے انسان کو عظمت و تکمیل کی راہ سمجھائی۔

قرآن حکیم بنیادی طور پر بندے کو حق شناسی کا درس دیتا ہے۔ جب تک انسان عبدیت کا صحیح تصور اور عبد شناسی کا حق ادا نہ کر لے حق شناسی کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں ہر مقام پر حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا ذکر موجود ہے۔ گویا قرآن حکیم بنی نوع انسان کو صرف عبادات کا حکم نہیں دیتا بلکہ ایک بہترین معاشرے کی تشکیل کے لئے آداب معاشرت کی پوری پوری راہنمائی کرتا ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات کو پڑھے' سمجھے اور ان پر عمل کیے بغیر کوئی مسلمان مسلمان کہلانے کا حقدار نہیں اور نہ ہی کوئی معاشرہ فلاح پا سکتا ہے۔

قرآن حکیم کا انداز بیانیہ نہیں بلکہ خطابیہ ہے یعنی قرآن حکیم میں رموز و حقائق کہانی یا داستان کی طرح بیان نہیں کیے گئے' بلکہ تقریر کی صورت میں بنی نوع انسان سے خطاب خداوندی ہے۔ یہی وجہ ہے قرآن مجید میں جگہ جگہ رب ذوالجلال نے اے لوگو! ' اے ایمان والو! اے بنی اسرائیل! وغیرہ کے الفاظ سے خطاب فرمایا ہے۔ یوں تو قرآن حکیم کا ایک ایک لفظ حکمت و معرفت کے بے بہا خزانوں سے معمور ہے لیکن نواز رومانی نے اپنی کتاب خطابات الٰہیہ میں قرآن حکیم کی صرف ان آیات کریمہ کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی ہے جن کا آغاز اے لوگو!' اے ایمان والو! ' یا اے بنی اسرائیل! وغیرہ سے ہوا ہے۔

مکی دور کی آیات میں زیادہ تر خطاب اے لوگو! یعنی عامتہ الناس سے تھا کیونکہ یہ تبلیغ اسلام کا ابتدائی دور تھا۔ جہالت و تاریکی کے اس دور میں اسلامی معاشرت کی بنیادیں ڈالی جا رہی تھیں۔ مسلمانوں کی تعداد کم تھی اس دور میں اسلامی آداب معاشرت' عبادات اور اوامر و نواہی کی بجائے ایمان عقائد اور توحید جیسے مہتم بالشان موضوعات زیر بحث تھے انسان کو ذلت و گمراہی کی گہرائیوں سے نکال کر معبود حقیقی کے سامنے لایا جارہا تھا۔ لات و ہبل کی بجائے اللہ جل شانہ کی ذات واحدہ لاشریک کے سامنے جھکنے کا درس دیا جا رہا تھا۔ لیکن مدنی دور میں چونکہ اسلامی معاشرہ تشکیل پا چکا تھا۔ مسلمان من حیث القوم جانے پہچانے جا چکے تھے۔ یہاں تک کہ اسلامی ریاست کی بنیاد ڈالی جا چکی تھی۔ اس لئے اب ضرورت اس امر کی تھی کہ مسلمانوں کو زندگی گزارنے کے آداب سے روشناس کرایا جائے' دین متین تکمیل کے مراحل سے گزر رہا تھا۔ اس لئے اس دور میں عامتہ الناس کے ساتھ ساتھ اہل ایمان سے بھی خطاب فرمایا جا رہا ہے۔ چونکہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل یثرب میں یہودیوں کے تین قبائل

بھی آباد تھے اور یہودی اہل کتاب تھے۔ اس لئے مدنی دور میں اے بنی اسرائیل ! یعنی یہودیوں سے خطاب فرما کر سابقہ امتوں کا احوال بھی بیان کرنا مقصود تھا۔

خطابات الہیہ میں نواز رومانی صاحب نے انہی خطابات سے متعلق آیات کریمہ کو یکجا کر کے ان کی تفسیر و توضیع کی تدوین کی ہے۔

ان آیات کریمہ میں مومن کی پہچان' اہل ایمان کا طرز زندگی' اسلامی آداب معاشرت' عبادات الہیہ' جہاد فی سبیل اللہ' صدق مقال' مشرکین' علم کی اصلیت' عدل و احسان' فضائل درود شریف' مقربین ذات باری تعالیٰ' پردے کے احکام' طہارت امہات المومنین' کفر و شرک اور تاریخ بنی اسرائیل جیسے اہم موضوعات زیر بحث آئے ہیں۔

نواز رومانی کا انداز بیان سادہ اور موثر ہے' انہوں نے فلسفے اور علم کلام سے مدد لیے بغیر تفسیر و فقہ کی دقیق اصطلاحات سے بچتے ہوئے سیدھے سادے الفاظ میں اپنی بات قارئین تک پہنچانے کی سعی بلیغ کی ہے۔ وہ اپنی اس کوشش میں کس قدر کامیاب ہوئے ہیں اس کا فیصلہ تو قارئین بہتر طور پر کر سکتے ہیں اس موقع پر صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اس ضمن میں یہ ان کی پہلی کوشش ہے جو یقیناً سودمند ثابت ہو گی۔ تفسیری مباحث میں ان سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن اس سے ان کی دیانت دارانہ سعی پر کوئی حرف نہیں آتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی اس کوشش کو شرف قبولیت بخشے اور جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

پروفیسر ڈاکٹر ثناء اللہ جمیل

۸/۳ حبیب اللہ روڈ لاہور ۔ ۵

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ

باب نمبر ۱

باب نمبر ۲

باب نمبر ۳

نمبر شمار	عنوان	صفحہ

باب نمبر ۴

باب نمبر ۵

صفحہ	عنوان	نمبر شمار

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۷۶	حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول	۱۱۷
۷۷	حصہ اول : آیات متعلقہ شان و عظمت اسلام	۱۱۷
۷۸	خلاصہ آیات	۱۱۸
۷۹	اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ	۱۱۸
۸۰	حصہ دوئم : آیات متعلقہ مخالفین اسلام اور دشمنان خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوستیاں اور قربتیں رکھنا	۱۲۰
۸۱	خلاصہ آیات	۱۲۲
۸۲	دشمنان اسلام سے دوستی نہ کرو	۱۲۲
۸۳	ظلم کا راستہ	۱۲۴
۸۴	اللہ تبارک و تعالیٰ کے دشمن مومنین کے دشمن ہیں	۱۲۵
۸۵	حصہ سوئم : آیات متعلقہ آداب و اطاعت و اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم	
۸۶	خلاصہ آیات	۱۲۸
۸۷	ذو معنی الفاظ کہنے سے پرہیز کرو	۱۲۹
۸۸	باادب بامراد ہے بے ادب بے مراد	۱۳۰
۸۹	ایک واقعہ	۱۳۱
۹۰	اتباع قول و اعمال	۱۳۱
۹۱	مجلسی آداب	۱۳۳
۹۲	مسلوب الفہم لوگ	۱۳۴
۹۳	اللہ تبارک و تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت میں نہ خلل ڈالو نہ ایذاء دو	۱۳۵
۹۴	محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقدم میں اعمال کی بربادی ہے	
۹۵	حصہ چہارم : آیات متعلقہ عبادات	۱۳۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۱۸	خلاصہ آیات	۱۷۳
۱۱۹	مصائب و آلام کی حقیقت	۱۷۴
۱۲۰	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا	۱۷۶
۱۲۱	خود احتسابی نہ کی جائے تو انسان راہ سے بھٹک جاتا ہے	۱۷۶
۱۲۲	اللہ تعالیٰ رخ کا بھی امتحان لیتا ہے	۱۷۷
۱۲۳	عورتوں کے ایمان کی پڑتال	۱۷۸
۱۲۴	حصہ ہشتم : آیات متعلقہ گھریلو زندگی اور طرز معاشرت	۱۷۹
۱۲۵	خلاصہ آیات	۱۸۱
۱۲۶	ازدواجی زندگی کے روشن اور تاریک پہلو	۱۸۱
۱۲۷	اسلام میں باندی کی حیثیت	۱۸۴
۱۲۸	دشمن ازدواج و اولاد	۱۸۵
۱۲۹	بچے کی تعلیم و تربیت	۱۸۷
۱۳۰	اہل خانہ کو آگ سے بچاؤ	۱۸۸
۱۳۱	تعلقات کی ڈوریاں محبتوں کے رشتے	۱۸۹
۱۳۲	آداب دعوت	۱۹۲
۱۳۳	موت و وصی	۱۹۲
۱۳۴	حصہ نہم : آیات متعلقہ معاشرتی و سماجی زندگی	۱۹۳
۱۳۵	خلاصہ آیات	۱۹۶
۱۳۶	تمسخر اڑانا	۱۹۶
۱۳۷	عیب لگانا	۱۹۸
۱۳۸	برے القاب دینا	۱۹۹
۱۳۹	ظن	۱۹۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۴۰	تجسس	۲۰۰
۱۴۱	غیبت	۲۰۱
۱۴۲	سرگوشی	۲۰۲
۱۴۳	قرض	۲۰۳
۱۴۴	سود	۲۰۵
۱۴۵	عہد و پیمان	۲۰۶
۱۴۶	عدل و انصاف	۲۰۷
۱۴۷	حصہ دہم : آیات متعلقہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر	۲۱۰
۱۴۸	خلاصہ آیات	۲۱۲
۱۴۹	شراب، جوا، بت اور قرعہ اندازی	۲۱۲
۱۵۰	اتباع شیطان	۲۱۵
۱۵۱	مشرک نجس ہیں	۲۱۶
۱۵۲	اللہ تعالیٰ کی شان	۲۱۷
۱۵۳	نیکی میں ساتھ دو اور ظلم میں مدد نہ کرو	۲۱۸
۱۵۴	غیر ضروری سوالات اور قول بلا عمل سے اجتناب کرو	۲۲۰
۱۵۵	بلا تحقیق فاسق کی بات پر یقین نہ کرو	۲۲۴
۱۵۶	اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو	۲۲۵
۱۵۷	صلوۃ و سلام پڑھو	۲۲۷
۱۵۸	حاصل بیان	۲۳۲

باب نمبر ۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۵۹	یاایھا الرسول (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم !)	۲۳۶

صفحہ	عنوان	نمبر شمار

باب نمبر ۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۱۸	کافر کا صرف دین جاتا ہے لیکن دنیا مل جاتی ہے	۳۲۳
۲۱۹	کافر کا سفر	۳۲۴
۲۲۰	کافر کی فطرت و پرواز	۳۲۵
۲۲۱	کافر کی اصلیت	۳۲۷
۲۲۲	کافر کا انجام	۳۲۸
۲۲۳	کافر کے دوست و احباب	۳۳۱
۲۲۴	کفار کی عادات و خصائل	۳۳۲
۲۲۵	اللہ تعالیٰ اور محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کفر کرنے کی مختلف صورتیں	۳۳۵
۲۲۶	حاصل بیان	۳۳۹

باب نمبر ۱۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۲۷	یاایھا الانسان (اے انسان!)	۳۴۱
۲۲۸	خلاصہ آیات	۳۴۱
۲۲۹	انسان کے تین مدعی	۳۴۲
۲۳۰	تین روپ دو چنگاریں	۳۴۵
۲۳۱	اسفل و گھٹیا عادات	۳۴۶
۲۳۲	انسان کو پرکھنے کا طریقہ	۳۴۸
۲۳۳	حاصل بیان	۳۴۹
۲۳۴	فہرست مراجع کتاب ہذا	۳۵۱

باب نمبر ۔۱

نور و ظلمت کے کثیر مسافر

بعثت انبیاء و رسل کا مقصد وحید

رب وددو نے اس کرہ ارضی پر آغاز نبوت سے لے کر ختم نبوت تک جتنے بھی انبیاء و رسل مبعوث فرمائے ہیں اور جتنی آسمانی کتب و صحیفے نازل کئے ہیں ان سب کا منشاء و مقصود انسانوں کو گمراہی و ذلالت سے نکالنے اور طاغوتی قوت سے نجات دلا کر واصل باللہ کرنا تھا۔ برگزیدہ و محبوب ہستیاں اپنے اپنے حال پر معیار مطلق تھیں تاکہ لوگوں کو ان کی اتباع میں صراط مستقیم پر چلتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ کے مقرب بندے بننے میں کسی نوع کی دشواری و مشکل پیش نہ آئے۔ لیکن جن افراد نے ان پاک و مطہر ہستیوں کی باتوں پر جو کہ اللہ کی باتیں تھیں دھیان نہ دیا۔ دعوت حق سے روگردانی کی اور اپنے رخ کو غیر کی جانب سے ہٹا کر خیر کی جانب نہ کیا انہیں باعث عبرت بنا دیا گیا۔ خدائے وحدہ لاشریک فرماتا ہے :

(۱) پھر ہم نے لگا تار رسول بھیجے۔ جس امت کے پاس اس کا رسول آیا اس نے اسے جھٹلایا۔ پس ہم نے ایک کو دوسرے کے پیچھے لگا دیا اور انہیں کہانی کر دیا اور لوگوں کو دوری ہے جو ایمان قبول نہیں کرتے۔ (سورۃ مومنون آیت ۴۴)

(۲) اے اہل کتاب ! جو کچھ ہم نے نازل فرمایا ہے جو اس کی بھی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے' اس پر اس سے پہلے ایمان لاؤ کہ ہم چہرے بگاڑ دیں اور انہیں پھیر کر پیٹھ کی طرف کر دیں۔ یا ان پر لعنت بھیج دیں جیسے ہم نے ہفتے کے دن والوں پر لعنت کر دی۔ اللہ کا امر ہو کر رہتا ہے۔ (سورۃ النساء آیت ۴۷)

اعلان نبوت سے کفر و الحاد کے ایوانوں میں زلزلہ

معبود حقیقی نے آخر میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو آنے والے تمام وقتوں کے لئے رحمتہ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم بنا کر معبوث فرمایا۔ اس وقت دنیا میں چہار اکناف ظلمتوں کے پہرے تھے۔ گناہوں کے عفریت اور ذلتوں کی اژدہا ہر سو پھنکار رہے تھے۔ نفسا نفسی کے تاریک سمندروں میں لوگ خس و خاشاک کی طرح بہتے چلے جا رہے تھے۔ کئی خداؤں کی پرستش کی جاتی تھی۔ سابقہ آسمانی کتب میں انسانی خواہشات کی روشنی میں دل پسند تحریروں کی شمولیت سے تحریف کی جا چکی تھی اور جلیل القدر انبیاء حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی تعلیمات کے منافی وحدانیت کی بجائے تین خدا بنا لیے گئے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو کفر و الحاد اور شرک و ابطال کے ایوانوں میں زلزلہ آ گیا۔ خواہشات کے بتوں پر ضرب کاری لگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے محبین رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر ایذاء رسانی کے دروازے کھول دیئے گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ کیا غزوہ احد سے زیادہ سخت دن کوئی آپ پر گزرا ہے ؟ ارشاد فرمایا کہ وہ تکلیف بڑی تھی جو مجھے عقبہ (طائف) کے روز پیش آئی۔ جب میں نے ابن عبدیالیل بن عبد کلال کو ساتھ کے لئے کہا تو اس نے میری بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ میں وہاں سے چل دیا اور آثار تکلیف میرے چہرے پر نمایاں تھے۔ جب قرن ثعالب پر پہنچا تو میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا۔ "بے شک اللہ پاک نے وہ سب کچھ سنا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا۔ اور جس طرح انہوں نے جواب دیا۔ اب اللہ پاک نے پہاڑوں کے فرشتہ کو بھیجا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف والوں کے بارے میں جو چاہیں انہیں حکم دیں" پھر مجھے اس فرشتہ نے آواز

دی۔ پہلے مجھے سلام کیا اس کے بعد وہی کہا جو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا تھا۔ اس کے بعد بولا "اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہیں تو میں ان کے اوپر دونوں پہاڑوں ابوقبیس اور احمر کو ایک دوسرے سے ملا دوں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "نہیں۔ بلکہ میں اس بات کی امید کرتا ہوں کہ اللہ پاک انہیں ہدایت دے گا۔ اگر انہوں نے انکار کیا تو ان سے ایسی اولادیں پیدا کرے گا جو فقط تنہا اللہ عزوجل کی عبادت کریں گی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گی۔"

ختم نبوت کیوں ؟

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت اس امر کی مقتضی تھی کہ پیغام حق کے تسلیم نہ کرنے کو بھی دھتکارا نہ جائے۔ یہ مقام حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام تک خالی چلا آرہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے تمام انبیاء و مرسلین نے صرف انہیں لوگوں کو اپنا سمجھا تھا جنہوں نے دعوت حق پر لبیک کہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ مقام پر کر دیا لہٰذا نبوت ختم ہو گئی۔ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منکرین حق کی ایذا رسانیوں اور تکالیف پر فرمایا کرتے تھے کہ یہ جانتے نہیں ہیں کہ میرا ان کے ساتھ کیا تعلق ہے ؟ چنانچہ اس تعلق اور رحمت کے صدقے میں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصف تھا تمام مخالفین رسالت و توحید کی رکاوٹیں ریت کی دیوار ثابت ہوئیں۔ ان کا کوئی حربہ ..... کوئی چال اور کوئی سازش کارگر ثابت نہ ہوئی۔ کفار، منافق اور فاسق اپنی ہی آگ میں خود جلتے رہے لیکن اس کے ہم آہنگ کفر سے مخلص تاریک سینوں میں نور ایمان جلوہ گری کرنے لگا۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو کافر کسی غیر صفت میں دل و جان سے لگا ہوا ہو صرف وہی ایمان لا سکتا ہے۔ لیکن جو کافر کفر میں پکا نہ ہو وہ کبھی ایمان نہیں لاتا۔ وہ کافر بھی نہیں رہ سکتا البتہ منافق ہو سکتا ہے۔ اسلام کی شعاعیں آفتاب و ماہتاب کو ماند کرنے لگیں ..... توحید کے روح

پرور گیت فضاؤں میں لہرانے لگے ___ رسالت کی نعمتیں اور رحمتیں اطمینان و سکینہ کی بارش برسانے لگیں اور شمع رسالت کے پراونوں کی محبتوں کے دائرے وسیع سے وسیع تر ہوتے چلے گئے۔

جب نور خدا کفر کی پھونکوں سے نہ بجھ سکا تو اسلام کے قلعے میں نقب لگانے کے لئے نئے جال بنے گئے۔ دام ہمرنگ زمین بچھایا گیا۔ عبداللہ بن ابی امیر المنافقین اور اس جیسے روسیاہ مومنین کی صفوں میں شامل ہو گئے جن کی جلوت مسلمانوں جیسی اور خلوت کفار جیسی تھی۔ اسلام پر یہ یلغار آج تک جاری ہے۔ علام الغیوب ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔ ارشاد ربانی ہے۔

(۳) یقیناً اللہ تعالیٰ کسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرماتا خواہ مچھر کی ہو یا اس سے بھی ہلکی چیز کی۔ ایماندار تو اسے اپنے رب کی جانب سے صحیح سمجھتے ہیں۔ اور کفار کہتے ہیں کہ اس مثال سے خدا نے کیا مراد لی ہے ؟ اسی کی ساتھ کثیر کو گمراہ کرتا ہے اور کثیر کو راہ راست پر لاتا ہے۔ اور گمراہ تو صرف فاسقوں کو ہی کرتا ہے۔
(سورۃ البقرہ آیت ۲۶)

(۴) اور جب کوئی سورۃ نازل کی جاتی ہے تو بعض منافقین کہتے ہیں کہ اس سورۃ نے تم میں سے کس کے ایمان میں ترقی دی۔ سو جو لوگ ایماندار ہیں اس سورۃ نے ان کی ایمان میں ترقی دی ہے اور وہ خوش ہو رہے ہیں اور جن کے دلوں میں مرض ہے اس سورۃ نے ان میں ان کی گندگی کے ساتھ اور گندگی بڑھا دی اور وہ حالت کفر ہی میں مر گئے۔ (سورۃ توبہ آیت ۱۲۵ - ۱۲۴)

کافر و فاسق میں فرق

کافر وہ ہوتا ہے جو حق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے اور فاسق وہ شخص ہوتا ہے جو اطاعت و فرمانبرداری سے نکل جائے۔ جو فاسق ہو تو اس کا منافق ہونا بھی لازمی ہے۔ لہٰذا جب فاسق کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو یہ ہر کافر و نافرمان پر محیط ہے۔ ایک

کریلہ دوسرا نیم چڑھا کے مصداق، جب کوئی کافر فسق و منافقت کرتا ہے تو وہ ان میں سب سے زیادہ شدید ہوتا ہے. اس لئے جب قرآن پاک میں کوئی مثال بیان کی جاتی ہے تو بیمار دل اور کفار پکار اٹھتے ہیں کہ اس مثال سے کیا مراد ہے ؟ پھر ایسی حقیر چیز کے بیان کی قرآن جیسی آسمانی کتاب میں کیا ضرورت تھی ؟

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مروی ہے کہ اس سے منافق گمراہ ہوتے ہیں اور وہ اپنی گمراہی میں بڑھ جاتے ہیں. ان کے سینوں اور ذہنوں میں کفر و فسق و منافقت کی جو گندگی موجود ہے اس میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ باوجود اس علم کے کہ مثال حق ہے ..... درست اور صحیح ہے پھر بھی اسے جھٹلاتے ہیں لیکن ان کے برعکس مومن راہ پاتے ہیں۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مثالیں خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی ایماندار ان پر ایمان لاتے ہیں انہیں حق جانتے ہیں اور ان سے ہدایت پاتے ہیں۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں مومنین کے محکم ایمان اور کفار و منافقین کے کفر و منافقت کی گندگی میں اضافہ کی مثال ایسے ہے جیسے آسمان سے پاک و صاف پانی کسی گلستان پر برستا ہے. تو وہاں لگے ہوئے پھولوں کی مہکار و خوشبو میں اضافہ کر دیتا ہے لیکن جب وہی پانی گندگی پر پڑتا ہے تو وہاں تعفن اور سڑاند کو بڑھا دیتا ہے حالانکہ پانی ایک ہے۔ بعینہ اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس پاک کلام سے کثیر ہدایت پاتے ہیں اور کثیر گمراہ ہوتے ہیں اور وہ چیز جو دلوں کو ہدایت دینے کی صلاحیت رکھتی ہے وہ کفار و منافقین کی ذلالت و ہلاکت کا سبب بن جاتی ہے بالکل ایسے ہی جیسے اگر کسی بیمار کو اچھی اور مقوی غذا دی جائے تو اسے نقصان پہنچتا ہے۔ خدائے قدوس کا فرمان ہے۔

(۵) اور فرما دیں کہ یہ سرا سر برحق قرآن تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ اب جو چاہے ایمان لائے۔ جو چاہے کفر کرے۔ ظالموں کے لئے ہم نے وہ آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں انہیں گھیر لیں گی۔ (سورۃ کہف آیت ۲۹)

مومن بنو یا کافر

اللہ تبارک و تعالیٰ نے سب کو خلق کیا ہے۔ لیکن کسی کو پہلے سے ہی کافر یا مومن بنا کر نہیں بھیجا۔ یہ انسان پر ہے۔ کہ وہ کیا رخ اختیار کرتا ہے۔ اگر کوئی کفر کے ساتھ لگ جائے تو اس کو غیر کی طرف متوجہ کر دیا جاتا ہے۔ اور اگر کوئی اللہ کے محبوب کو اپنا محبوب بنا لے تو اس کا رخ خیر کی طرف ہو جاتا ہے۔

اس حقیقت کو کبھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کہ مومن یا کافر۔ جنتی یا اہل نار عمل سے بنتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہئے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہئے گمراہ کر دیتا ہے۔ اور اس کے لئے کسی کا حال کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ یہ بات ماورائے عقل و دانش ہے۔ بعید از امکان ہے۔ ناقابل یقین ہے۔ خدائے عزوجل نہیں چاہتا بلکہ حضرت انسان ہی چاہتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہوں یا گمراہ لوگوں کے ٹولے میں شمولیت اختیار کریں۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ "اے لوگو" کے بیان میں آئے گی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ لوح محفوظ پر مرقوم ہے کہ کون دوزخی ہو گا اور کون جنتی ہو گا ؟ اگر یہ بات ہو تو پھر جزا کا مفہوم ہی فوت ہو جاتا ہے۔ حالانکہ قرآن حکیم میں ہے کہ روز منشور اعمال کی جزا دی جائے گے۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوح محفوظ پر صرف یہ رقم ہے کہ جن کا رخ درست ہے وہ اصحاب یمین ہیں اور جن کا رخ غلط ہے وہ اصحاب شمال ہیں۔ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جو ارشاد عالیہ فرمایا تھا کہ میرے دائیں ہاتھ میں جنتیوں کی کتاب ہے اور بائیں ہاتھ میں دوزخیوں کی کتاب ہے۔ اس کا یہی مطلب ہے۔

اس کی تصدیق میں کہ انسان اپنے لئے ہدایت و گمراہی کا راستہ بذات خود منتخب کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(٦) جو شخص باوجود راہ ہدایت کی وضاحت ہو جانے کے بھی رسول (صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم) کے خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے ہم اس ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہوا ہے۔ اور اسے دوزخ میں ڈال دیں گے۔ وہ بہت ہی بری جگہ ہے پہنچنے کی۔ (سورۃ النساء آیت ۱۱۵)

راہ خیر و غیر کے مسافر

قرآن پاک میں ہر امر کی وضاحت بالصراحت موجود ہے۔ جو اہل حق ہیں ان کے لئے یہ مکمل ضابطہ حیات ہے۔ جو شخص خلاف شریعت طریق پر چلے۔ شرع ایک طرف ہو اور اس کی راہ دوسری طرف ہو۔ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ ہو اور اس کا منتہائے نظر اور ہو' حالانکہ اس پر حق واضح ہو چکا ہو۔ لیکن پھر بھی مخالفت رسولؐ کر کے مومنین کی روش سے ہٹ جائے تو اللہ تعالیٰ اسے ٹیڑھی اور بری راہ پر گامزن کر دیتے ہیں۔ اسے پھر وہی راہ اچھی اور بھلی معلوم ہونے لگتی ہے یہاں تک کہ وہ جہنم رسید ہو جاتا ہے یہ لوگ ہیں جن کی آنکھیں ہیں لیکن اندھے ہیں ...... ان کے کان ہیں لیکن بہرے ہیں۔ سینوں کے اندر دل رکھتے ہیں لیکن ان پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ جن کے نتیجہ میں نہ تو وہ حق کو دیکھ سکتے ہیں۔ نہ حق کی بات سنتے ہیں۔ اور نہ ہی ان کے دل ایمان کی روشنی اور حلاوت سے آشنا ہیں۔ ان پر حزن و ملال کے بادل ہر لحظہ چھائے رہتے ہیں۔ سکینہ و طمانیت ان کی زندگیوں میں عنقا ہوتی ہے۔ ان کے برعکس مومنین ہیں جن کے بارے میں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "انا من نور اللہ و المومن من نوری" (میں اللہ کے نور سے ہوں اور تمام مومن میرے نور سے ہیں) ایک اور مقام پر ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ کا آئینہ ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "میں نے اپنے دل سے اللہ کے محبوب کو دیکھا" مومنین کی آنکھوں میں ہر وقت مستی چھائی رہتی ہے ان کے کان ہر لحظہ آواز حق پر لگے رہتے ہیں۔ ان کے قلوب رب ودود اور محبوب ودود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق سے منور و آباد ہوتے ہیں۔ اور ان کے لبوں پر میاں محمد

اور سرائیکی کے ایک عارف کے اشعار مچلتے رہتے ہیں جن میں عظمت کا باعث محض عشق کو قرار دیا ہے کیونکہ عشق کے بغیر انسان میں صرف حیوانیت ہی رہ جاتی ہے۔

جھناں عشق خرید نہ کیتا اینویں آن بگتے
عشقے باجھ محمد بخشا کی آدم کی کتے
جس دل اندر عشق نہ رچیا کتے اس تھیں چنگے
خاوند دے در راکھی کر دے عاجز بھکے ننگے

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عشق کا مقام ہر آواز کو اپنے لئے آواز حق سمجھنے سے اور اپنی صورت سے گزر جانے والے کو حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ خطاب فرماتا ہے

قرآن پاک کے بعد کوئی کتاب نہیں اور حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں' اس لئے قیامت تک کے لئے رشد وہدایت کے چراغ اسی کتاب اور سنت سے ہی روشن ہوں گے۔ اس کے علاوہ اور کوئی صورت ممکن نہیں ہے۔ قرآن پاک میں رب العالمین نے عام' خاص اور خاص الخاص بندوں کو خطاب فرمانے کے علاوہ اہل کتاب اور کفار کو بھی مخاطب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خطاب جس انداز اور ترتیب سے کیا ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ اے لوگو ۱۵ مرتبہ
۲۔ اے بنی اسرائیل ۴ مرتبہ
۳۔ اے اہل کتاب ۶ مرتبہ
۴۔ اے ایمان والو ۸۹ مرتبہ
۵۔ اے رسول ۲ مرتبہ
۶۔ اے بنی آدم ۴ مرتبہ

۷۔ اے نبیؐ ۱۳ مرتبہ

۸۔ اے نبیؐ کی بیویو ۲ مرتبہ

۹۔ اے کافرو ۱ مرتبہ

۱۰۔ اے انسانو ۲ مرتبہ

ان کے علاوہ چند ایک مقامات پر "یا" کی بجائے "قل یا" کہہ کر خطاب کیا ہے۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اے لوگو ۴ مرتبہ

اے اہل کتاب ۳ مرتبہ

اے کافرو ۱ مرتبہ

قرآن پاک چونکہ ہدایت و نصیحت ہے متقیوں کے لئے اور عام لوگوں کے لئے صرف بیان ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **"ھذا بیان للناس و موعظۃ للمتقین"** (سورۃ آل عمران آیت ۱۳۸) ان خطابات میں رب جلیل نے اپنے مقبول و محبوب بندوں کی شان و عظمت۔ عام لوگوں اور انسانوں کے احوال و آثار اور مخالفین حق و صداقت کی مذمت و خصلت بیان فرمائی ہے۔

حاصل بیان

☆ جو لوگ اپنا رخ غیر سے ہٹا کر خیر کی طرف نہیں کرتے انہیں داستان عبرت بنا دیا جاتا ہے۔

☆ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سب سے آخر میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمتہ للعالمینؐ بنا کر بھیجا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماننے اور نہ ماننے والے دونوں کو قبول کیا لہٰذا یہ مقام جو حضرت آدم علیہ السلام سے خالی چلا آرہا تھا پر ہو گیا لہٰذا تاقیامت نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

☆ وہ لوگ جن کے قلوب پر قفل لگ چکے ہیں وہ راہ حق کو پا نہیں سکتے۔ بلکہ

قرآنی آیات و امثال سے استہزا کرتے ہیں۔ لیکن مومنین کے ایمان کو ان سے تقویت و فروغ ملتا ہے۔ اسی لئے قرآن پاک سے کثیر لوگ ہدایت پاتے ہیں اور کثیر لوگ گمراہی کی دلدل میں جا پھنستے ہیں۔ لوگ اپنا راستہ خود متعین کرتے ہیں کہ خیر کے راستے کے مسافر بنیں یا غیر کی راہ اختیار کریں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے کسی کو مومن یا کافر بنا کر نہیں بھیجا۔

مقام فکر ہے کہ ہمارا رخ کدھر ہے؟ خیر کی جانب یا سوئے غیر۔ ہمارے افکار و افعال میں صنم کدے آباد ہیں یا معبود حقیقی اور محبوب دو جہاں صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محبت کے ٹھنڈے اور راحت افزا آبشار رواں ہیں۔ ہمارے قلوب آوازہ حق پر منور ہوتے ہیں یا تاریک و مقفل ہی رہتے ہیں۔ اور ہمارا حال صاحبان حال کے ساتھ ہے یا ان کے ساتھ جن کا حال بد حال ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر ۲

یَآیُّھَا النَّاسُ

اے لوگو !

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بحیثیت کل

انبیاء و مرسلین (علیہم السلام) سابقون پر جو کتب اور صحیفے نازل فرمائے گئے تھے ان کی حیثیت جز یا جزو اعظم کی تھی۔ اور جن مکرم و معظم ہستیوں پر ان کا نزول ہوا تھا ان کی بھی یہی صورت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض زمانوں میں ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ انبیاء و رسل موجود تھے۔ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خدائے لم یزل نے کل کی حیثیت سے مبعوث فرمایا لہٰذا نبوت ختم کر دی گئی۔ اور قرآن کریم آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نازل کیا گیا جو اپنی جامعیت کے لحاظ سے مکمل ہے اور قیامت تک کے لئے ہے اس لئے شریعت محمدیؐ کی موجودگی میں کسی اور سابقہ نبی کی شریعت کو جاری و قائم رکھنے کی ضرورت نہیں ہے چونکہ جز اور جزو اعظم کل کا حصہ ہوتا ہے اسی لئے امم سابقہ کے انبیاء و مرسلینؑ علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں کو ہدایت کر دی تھی کہ جب نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تشریف لائیں تو ان پر ایمان لے آنا۔ بعض انبیاء علیہم السلام نے تو یہاں تک بارگاہ رب العزت میں استدعا کی تھی کہ اے الہ العالمین ! تو ہم سے نبوت لے لے اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے امتی ہونے کا شرف عطا فرما دے۔ علاوہ ازیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی دین کے مکمل ہونے کی شہادت دے دی ہے۔

(۷) آج میں نے تمہارے لئے دین مکمل کر دیا ہے۔ اور تم پر اپنا انعام پورا کر دیا ہے اور تمہارے لئے اسلام دین ہونے پر رضامند ہو گیا ہوں۔ (سورۃ المائدہ آیت ۳)

دین کی تکمیل سے مراد ہے کہ یہ زندگی کے ہر شعبے' ہر مسئلے اور ہر حال میں رہنمائی و ہدایت کا شرف رکھتا ہے۔ یہ رہنمائی دنیا کے آخری دن تک پیش آنے والے انفرادی و اجتماعی حالات و مسائل کے حل کرنے کے لئے کافی ہے۔

دعائے ابراہیمی اور شان محبوبی

حضور مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے لئے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ عرض کیا تھا۔ "اے ہمارے رب! ان میں انہیں میں سے رسول بھیج جو ان کے پاس تیری آیات پڑھے۔ انہیں کتاب و حکمت سکھائے اور انہیں پاک کرے۔ یقیناً تو عزیز اور حکیم ہے" (البقرہ آیت ۱۲۹)

خدائے رحمٰن نے اپنے خلیل (علیہ السلام) کی دعا کو شرف قبولیت بخشا ارشاد ہوتا ہے۔

"کما ارسلنا فیکم رسولا" منکم یتلوا علیکم ایتنا ویزکیکم و یعلمکم الکتب و الحکمتہ و یعلمکم مالم تکونو تعلمون ○ (سورۃ البقرہ آیت ۱۵۱)

چنانچہ جمیع صفات کے ساتھ صاحب قاب قوسین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سارے جہانوں کے لئے رحمت اور رؤف الرحیم بنا کر بھیجا گیا تا کہ لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لائیں۔ کٹھن منزلوں کو آسان بنا دیں۔ نفرت' بغض اور عداوت کے کانٹوں کی جگہ مودت و محبت کے مشکبار گلہائے رنگارنگ کھلا دیں۔ جہنم کے دہانے پر پہنچے ہوئے افراد کا رخ موڑ کر جنت کے طرب آگیں اور روح پرو نظاروں کی طرف کر دیں۔ گمراہی و ضلات کی دلدل سے نکال کر انعام یافتہ لوگوں کی صف میں لاکر کھڑا کر

دیں۔ تاکہ ان پر عنایات ربانی اور لطف و کرم کی بارش ہو جس سے انہیں طمانیت و سکینہ میسر آئے۔ اس وقت لوگوں کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی تعلیمات کو یکسر بھول چکے تھے۔ ان دنوں دین موسوی و دین مسیحی خدائی دین نہیں رہا تھا بلکہ انسانی خواہشات کا ملغوبہ بن کر رہ گیا تھا۔ زبور' تورات اور انجیل وغیرہ میں تحریف کی جا چکی تھی۔ میرے شیخ فرماتے ہیں کہ قانون میں تحریف اس وقت ہوتی ہے جب اہل ثروت اور بااثر افراد پر قانون کی گرفت ڈھیلی ہو۔ ان پر قانون اثرانداز نہ ہو۔ اور جو شخص بااثر نہ ہو اس پر قانون پوری قوت سے نافذ کیا جائے توریت و انجیل میں بھی تحریف کی یہی وجہ تھی۔ اہل کتاب تثلیث کے دعویدار تھے اور غیر اہل کتاب اصنام باطل کے پرستار و محبین بنے ہوئے تھے۔ خانہ خدا میں تین سو ساٹھ بت پوجے جاتے تھے۔ لوگوں کی زندگیاں کفر و شرک کے ناپاک سیاہ جالوں میں جکڑی ہوئی تھیں۔ معاشرتی برائیاں انتہا کو پہنچی ہوئی تھیں۔ معاشی حالت دگرگوں تھی' قبائلی عصبیت عروج پر تھی اور جانوروں سے کم تر مقام عورت کو حاصل تھا۔

شانِ الٰہ اور بھولنے کے خوگر لوگ

قادر مطلق کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ براہ راست عام لوگوں' اہل کتاب یا کفار وغیرہ سے خطاب فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے مخصوص انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہی حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے ذریعے یا براہ راست خطاب فرمایا تھا۔ قرآن پاک میں بعض مقامات پر اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ہی فرمایا جا رہا ہے کہ انہیں کہہ دیں کیونکہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی تھی لیکن حسن کلام کے پیش نظر بعض جگہوں پر یا سے پہلے قل کا لفظ نہیں اترا مگر بعض جگہوں پر یا سے قبل قل کا لفظ ہے۔

فی الناس میں ناس نسیان سے مخصوص ہے۔ چونکہ لوگ بھولنے چوکنے اور فراموش کرنے کے خوگر ہیں اور اس دور کے لوگ جب کہ رحمتہ اللعالمین صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے خدائے واحد کو بھول چکے تھے اور اپنے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی اتباع و سنت سے کنارہ کش ہو چکے تھے اس لئے قرآن پاک میں سب سے پہلے عام لوگوں کو خطاب کیا گیا ہے۔ اللہ عزیز الجبار ارشاد فرماتا ہے۔

(۸) اے لوگو ! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے سب کو پیدا کیا' یہی تمہارا بچاؤ ہے۔ جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت' اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی۔ خبردار باوجود جاننے کے خدا کے شریک مقرر نہ کرو (سورۃ البقرہ آیت ۲۲۔ ۲۱)

(۹) اے لوگو ! زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ پیو۔ اور شیطان کی راہ نہ چلو۔ وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے (سورۃ البقرہ آیت ۱۶۸)

(۱۰) اے لوگو ! اپنے رب سے ڈرو۔ جس نے تمہیں ایک شخص سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کیا' ان دنوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔ اس اللہ سے ڈرو جس کے نام ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے (سورۃ النساء آیت ۱)

(۱۱) اے لوگو ! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آگئے ہیں پس تم ایمان لاؤ تاکہ تمہارے لئے بہتری ہو۔ اور اگر تم کافر ہو گئے' تو اللہ ہی کی ہے' ہر وہ چیز جو آسمان اور زمین میں ہے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔ (سورۃ النساء آیت ۱۷۰)

(۱۲) اے لوگو ! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے سند اور دلیل آپہنچی۔ اور ہم نے تمہاری جانب واضح اور صاف نور اتار دیا۔ (سورۃ النساء آیت ۱۷۵)

(۱۳) اے لوگو ! یہ تمہاری سرکشی تمہارے لئے وبال ہونے والی ہے دنیوی زندگی میں حظ اٹھا رہے ہو۔ پھر ہمارے پاس تم کو آنا ہے۔ پھر ہم سب تمہارا کیا ہوا

تم کو بتلا دیں گے۔ (سورۃ یونس آیت ۲۳)

(۱۴) اے لوگو ! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے اور دلوں میں جو روگ ہیں ان کے لئے شفا ہے اور رہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے لئے۔ (سورۃ یونس آیت ۵۷)

(۱۵) اے لوگو ! اپنے رب سے ڈرتے رہا کرو قیامت کا زلزلہ ہی بڑی چیز ہے۔ (سورۃ حج آیت ۱)

(۱۶) اے لوگو ! اگر تمہیں مرنے کے بعد جی اٹھنے میں کوئی شک ہے تو سوچو تو کہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفے سے۔ پھر خون بستہ سے۔ پھر گوشت کے لوتھڑے سے جو صورت دیا گیا تھا اور بے نقشہ تھا یہ ہم تم پر ظاہر کر دیتے ہیں اور ہم جسے چاہیں ایک ٹھہرائے ہوئے وقت تک رحم مادر میں رکھتے ہیں۔ پھر تمہیں بچپن کی حالت میں دنیا میں لاتے ہیں پھر تاکہ تم اپنی پوری جوانی کو پہنچو۔ تم میں سے بعض تو وہ ہیں جو فوت کر لئے جاتے ہیں اور بعض ناکارہ عمر کی طرف پھر سے لوٹا دیئے جاتے ہیں کہ ▪ ایک چیز سے باخبر ہونے کے بعد پھر بے خبر ہو جائے' تم دیکھتے ہو کہ زمین بنجر اور خشک ہے۔ پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی رونق دار نباتات اگاتی ہے۔ (سورۃ حج آیت ۵)

(۱۷) اے لوگو ! ایک مثال بیان کی جا رہی ہے ذرا کان لگا کر سنو۔ اللہ کے مقابل جن کو تم پکار رہے ہو وہ ایک مکھی بھی تو پیدا نہیں کر سکتے کہ سارے کے سارے ہی جمع ہو جائیں۔ بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز لے بھاگے تو یہ تو اسے بھی اس سے چھین نہیں سکتے۔ بڑے ہی ضعیف طالب و مطلوب ہیں۔ (سورۃ حج آیت ۷۳)

(۱۸) اے لوگو ! اپنے رب کا لحاظ رکھو اور اس دن کا خوف کرو جس دن باپ بیٹے کو کوئی نفع نہ پہنچا سکے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کا ذرا سا بھی نفع کرنے والا ہو گا۔

یاد رکھو اللہ کا وعدہ سچا ہے دیکھو تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ دھوکے باز شیطان تمہیں دھوکے میں ڈال دے۔ (سورۃ لقمان آیت ۳۳)

(۱۹) اے لوگو ! جو انعام اللہ نے کیے ہیں انہیں یاد رکھو۔ کیا اللہ کے سوا اور کوئی بھی خالق ہے جو تمہیں آسمان و زمین سے روزی پہنچائے' اس کی سوا کوئی معبود نہیں تم کہاں الٹے جاتے ہو۔ (سورۃ فاطر آیت ۳)

(۲۰) اے لوگو ! اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔ تمہیں حیات دنیا دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ دھوکے باز شیطان تمہیں غفلت میں ڈالے۔ (سورۃ فاطر آیت ۵)

(۲۱) اے لوگو ! تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز خوبیوں والا ہے۔ (سورۃ فاطر آیت ۱۵)

(۲۲) اے لوگو ! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد عورت سے پیدا کیا ہے اور اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو' تو تمہاری جماعتیں اور قبیلے بنا دیئے ہیں' اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ بے شک اللہ علیم اور خبیر ہے۔ (سورۃ حجرات آیت ۱۳)

ان آیات کے علاوہ خدائے رؤف الرحیم نے لوگوں کو چار اور جگہوں پر خطاب فرمایا ہے لیکن لفظ یا کی بجائے قل یا کے لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ لہٰذا ان کو یہاں علیحدہ درج کیا جاتا ہے۔ اللہ غفور الرحیم ارشاد فرماتا ہے۔

(۲۳) فرما دیں اے لوگو ! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔ جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی امی پر جو کہ اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کا اتباع کرو۔ تاکہ راہ پر آجاؤ۔ (سورۃ اعراف آیت ۱۵۸)

(۲۴) فرما دیں اے لوگو ! اگر تم میرے دین کی طرف سے شک میں ہو تو میں

ان معبودوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کے مقابل عبادت کرتے ہو۔ لیکن ہاں اس معبود کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہوں۔ اور یہ کہ اپنے آپ کو اس دین کی طرف اس طرح متوجہ رکھنا کہ یہ سب طریقوں سے علیحدہ ہو جائے اور کبھی مشرک مت بننا۔ (سورۃ یونس آیت ۱۰۵۔۱۰۴)

(۲۵) فرما دیں اے لوگو ! تمہارے پاس حق تمہارے رب کی طرف سے پہنچ چکا ہے۔ جو شخص راہ راست پر آجائے گا وہ اپنے واسطے راہ راست پر آئے گا اور جو شخص بے راہ رہے گا تو اس کا بے راہ رہنا اس پر پڑے گا۔ اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا۔ (سورۃ یونس آیت ۱۰۸)

(۲۶) فرما دیں اے لوگو ! میں تمہیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہی ہوں۔ (سورۃ حج آیت ۴۹)

خلاصہ آیات

ان آیات مبارکہ میں رب کریم الحکیم نے لوگوں کو بعض چیزوں کے کرنے کا حکم فرمایا ہے اور بعض امور سے دور رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ اس کے ہم آہنگ اس نے اپنے احسانات و انعامات کا بھی ذکر کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں پر کیے ہیں۔ اور اپنی عظمت و برتری کے اظہار کے ساتھ معبود حقیقی اور قادر مطلق ہونے کی وجہ سے لوگوں کو ان کی کم مائیگی اور محتاجی کی نشاندہی امثال سے واضح فرما دی ہے تاکہ وہ غیراللہ کے طوق اپنے گلوں سے اتار کر پھینک دیں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا تمغہ بیش بہا اپنے سینوں پر سجا کر اللہ غفور الودود سے اپنا تعلق قائم کر لیں۔ اور وہ لوگ جو شیطان کی غلامی میں ہی رہنا باعث فخر خیال کریں گے وہ اس سرکشی و بغاوت کی پاداش میں خود اپنے ہی غیر صالح اعمال کی بوجھل زنجیروں میں اس طرح جکڑ جائیں گے کہ پھر دنیا و آخرت میں ان کا کوئی بھی پرسان

حال نہ ہو گا۔ یوم آخرت ان کے اعمال بد آگ کی صورت میں نمودار ہوں گے جو انہیں اپنے لپیٹ میں لے لیں گے جن میں وہ جلنے لگیں گے۔

اولین حکم الٰہی

معبود حقیقی نے لوگوں کو سب سے پہلے خطاب میں انہیں اس کی عبادت کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ تمام مذاہب میں عبادت کا تصور موجود ہے لیکن خدائے واحد کو صرف وہ عبادت پسندیدہ و مقبول ہے جس کی تعلیم اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ کیونکہ یہی وہ زینہ ہے جس کے ذریعے اللہ کے **عباد مخلصین** اور انعمت علیہم کے گروہ میں شامل ہوا جا سکتا ہے۔ مزید برآں رب العرش العظیم کی واحدانیت و الوہیت و ربوبیت کا عملاً اقرار بھی اسی طرح ممکن ہے کہ سر عجز نیاز کو صرف اسی کے حضور جھکایا جائے۔

صالح اعمال کو خالصتاً" اللہ تعالیٰ کی رضاء و خوشنودی کے لئے سرانجام دینے کا نام عبادت ہے۔ صاحب حال بزرگ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبادت قول ہے اور مخلوق خدا کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا اور اسے آسانیاں بہم پہنچانا عمل ہے۔ اگر کوئی شخص ساری ساری رات عبادت میں مصروف رہے اور مخلوق کے ساتھ درست نہ ہو اور اس کے کام نہ آئے تو اس کا اس طرح عبادت کرنا بیکار ہے۔ کیونکہ عملاً وہ اس قول کی تردید کرتا ہے۔ ان کی عبادت کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص پانی پر درخت اگانے کی کوشش کر رہا ہو اور اس طرح وہ اپنا مقصد حاصل کئے بغیر ساری زندگی ضائع کر دے۔

خالق کون و مکاں کی عبادت کا حق ادا کرنا تو بہت بڑی بات ہے لیکن اگر معیار سامنے ہو تو اس رخ پر گامزن ہونے کی سعی کرنے میں یقیناً آسانی ہو جاتی ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی عبادت کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک متورم ہو جاتے

تھے۔ حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سارا دن روزہ رکھتے تھے اور سوائے شروع رات کے تھوڑے سے حصے کے شب بھر عبادت میں لگے رہتے تھے۔ معیار کو سامنے رکھ کر بآسانی محاسبہ کیا جا سکتا ہے کہ ہم عبادت میں کسقدر ذوق و شوق کا عملاً اظہار کرتے ہیں۔

ہم نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کے دعویدار ہیں اور خود کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب والوں اور ان کے غلاموں کے غلام متصور کرتے ہیں لیکن اگر ہماری زندگی اس کے ثبوت میں بطور شہادت پیش نہیں کی جا سکتی تو دعویٰ بے دلیل ہے۔ آج اکثر لوگوں کی یہ حالت ہے کہ وہ اس شخص کی تضحیک کرنا قابل ستائش خیال کرتے ہیں جو شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے غلاموں کے راستے پر چلنے کی سعی مسعود کر رہا ہو۔ عبادت کا مذاق و تمسخر اڑایا جاتا ہے۔ مقام غور ہے کہ کہیں ہم تو ان لوگوں کی صف میں شامل نہیں ہیں ؟ اگر ہمارا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہو تو زندگی کی اس مہلت سے استفادہ کرتے ہوئے تائب ہونا چاہیے۔ اور اپنے رخ کی درستگی کرنی چاہیے۔ فقہی مسئلہ ہے۔ اگر کسی سے نماز پڑھنے کو کہا گیا۔ اس نے جواب دیا نماز پڑھتا تو ہوں مگر اس کا کچھ نتیجہ نہیں۔ یا کہا۔ تم نے نماز پڑھی۔ کیا فائدہ ہوا ؟ یا کہا نماز پڑھ کے کیا کروں۔ کس کے لئے پڑھوں ماں باپ تو مر گئے۔ یا کہا بہت پڑھ لی اب دل گھبرا گیا۔ یا کہا پڑھنا نہ پڑھنا دونوں برابر ہیں۔ غرض اس قسم کی بات کرنا جس سے فرضیت کا انکار سمجھا جاتا ہو یا نماز کی تحقیر ہوتی ہو یہ سب جہالت ہے۔ اذان کی آواز سن کر یہ کہنا کیا شور مچا رکھا ہے۔ اگر یہ قول بروجہ انکار ہو تو کفر ہے۔ روزۂ رمضان نہیں رکھتا اور کہتا ہے کہ روزہ وہ رکھے جسے کھانا نہ ملے۔ یا یہ کہتا ہے جب خدا نے کھانے کو دیا تو بھوکے کیوں مریں ؟ یا اسی قسم کی اور باتیں جن سے روزہ کی ہتک و تحقیر ہو کہنا کفر ہے۔

لقمہ حلال کی اہمیت اور لقمہ حرام کی نحوست

عبادت کے بعد جس بات پر زیادہ زور دیا گیا ہے وہ لقمہ حلال ہے۔ جو لوگ

رزق حلال کو اہمیت نہیں دیتے اور مال حرام لینے سے خوف نہیں کھاتے وہ نفسانی خواہشات کے غلام ہیں۔ وہ مخلوق خدا کے دشمن اسلامی اقدار و تعلیمات کے باغی۔ فتنہ و فساد کے داعی و علمبردار اور بے اخلاقی و بے حیائی کے پیش رو ہیں۔ ایسے لوگ ماسوائے اپنی ذات کے کسی کے ساتھ مخلص نہیں ہوتے۔ یہ زر کے بندے۔ امراء و وزراء اور حاکمان وقت کے حاشیہ بردار اور بے ضمیر و بیوفا ہوتے ہیں۔ ان کا خدا۔ ان کا ایمان اور ان کی سجدہ گاہ دولت ہوتی ہے۔ کیونکہ بقول حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ لوگوں کے ساتھ اپنے حقیقی تعلقات کا علم نہ ہو تو خود غرضی اور لالچ بڑھتا ہی رہتا ہے لہٰذا اقوام عالم کے عروج و زوال کی تاریخ کے مطالعے سے یہ حقیقت...... تلخ و ترش حقیقت...... سیاہ و گھناؤنی حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ صرف حصول زر کی دوڑ نے ہی لوگوں کے جسموں سے خون نچوڑا ہے...... عورت کے تقدس اور پاکیزگی کو داغدار کیا ہے...... قتل اور غارت گری کے سانپوں کو پالا ہے...... ملکوں کی مضبوط بنیادوں کو کھوکھلا کیا ہے...... احترام آدمیت کے تاج کو پاؤں تلے روندا ہے...... لاغر و نحیف و نزار انسانوں کے جسموں اور ہڈیوں پر شیش محل اور عشرت کدے تعمیر کئے ہیں۔ مفلسی و بدحالی کے عفریتوں اور اژدہوں کو جنم دیا ہے...... ملک و ملت کے غداروں کی پرورش کی ہے...... ناصحین کی حب کو دلوں سے مٹا کر ان کے خلاف نفرتوں اور حقارتوں کے بیج بوئے ہیں...... اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی کو فروغ دیا ہے۔ ماضی کے جھروکے مقفل نہیں ہیں ان سے جھانک کر عادیوں۔ ثمودیوں اور قوم مدین وغیرہ پر عذاب الٰہی کے نشانات دیکھے جاسکتے ہیں۔ اور مرور زمانہ کے ہاتھوں نینوا و بابل کی اجڑی اور لٹی ہوئی سہاگنوں کے کھنڈرات کی داستان ابھی تاریخ کے صفحات پر بکھری پڑی ہے۔ جب تک لقمہ طیب اور رزق حلال پر قناعت نہیں کی جاتی اور مال حرام سے منہ موڑا نہیں جاتا اس وقت تک ہمارے گرد و پیش میں پھیلی ہوئی آفات و بلیات' وبا و امراض' الجھنوں اور پریشانیوں' بے اطمینانی و اضطراب اور آلام و مصائب سے چھٹکارا نصیب نہیں ہو

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمتہ اللہ علیہ سے رزق حلال کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا۔ "حلال وہ ہے جس میں اللہ کی نافرمانی نہ ہو۔ حلال خدا کے علم سے حلال ہوتا ہے۔ خود کسی کے بنانے سے حلال نہیں بن جاتا" پس جس شخص نے اپنے ہاتھ میں شریعت کی مشعل لے کر اس کی روشنی میں لین دین کیا اور اس لین دین میں کچھ تغیر و تبدل نہیں کیا۔ اور شریعت کے دائرے سے قدم باہر نہ رکھا اور وہی لیا جس کی شریعت نے اجازت دی۔ اور وہی دیا جس کا حکم شریعت نے دیا ہے اور شریعت کے مطابق ہی تمام تصرفات کئے' تو ایسے شخص کو حلال کھانے والا کہا جاتا ہے الفقہ "علی المذاہب الاربعہ میں عبدالرحمٰن الجزیری فرماتے ہیں۔ "اگر شادی کی وجہ سے کوئی شخص حرام کی کمائی کرنے پر مجبور ہو جائے یا ایسی کمائی جس سے کسی پر ظلم ہوتا ہو تو ایسے شخص کے لئے شادی حرام ہو گی۔ اور اگر حرام کی کمائی میں پڑنے کا صرف احتمال ہو تو اس وقت شادی کرنا مکروہ تحریمی ہو گا" بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ عورت کی غذا کو حرام اور حرام کے شبہ سے بھی پاک رکھنا چاہیے تاکہ بچے کی پیدائش اس بنیاد پر ہو کہ شیطان کی وہاں تک رسائی نہ ہو سکے۔

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص مال حرام کمائے پھر اس میں سے خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ اسے برکت سے محروم رکھتا ہے۔ اگر وہ اس میں سے صدقہ کرے تو قبول نہیں ہوتا۔ اور جتنا کچھ اپنے بعد باقی چھوڑ مرے وہ سب اس کے لئے نار دوزخ کا توشہ بنتا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ میری دعاؤں کو قبول فرمائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "پاک اور حلال لقمہ کھاتے رہو اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول کرے گا۔ قسم ہے اس خدا کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے حرام لقمہ جو انسان اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے اس کی وجہ سے چالیس دن کی اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ اور جو گوشت

پوست حرام سے پلا وہ جہنمی ہے۔"

شیطان لوگوں کے سامنے ان گنت توجیہات پیش کرتا ہے۔ اگر اس کی ایک توجیہ کو رد کر دیا جاتا ہے تو وہ دوسری پیش کرتا ہے۔ اور مسلسل پیش کرتا رہتا ہے۔ راشی ' خائن' منافع خوروں' ذخیرہ اندوزوں' سمگلروں اور قوم کے لٹیروں کے چہرے لوگوں کی نگاہوں کے سامنے ابھارتا ہے اور دل و دماغ میں یہ بات ڈالنے کی انتھک کوشش کرتا ہے کہ اگر تھوڑا سا مال چور دروازے سے لے لو گے تو کچھ نہیں ہو گا۔ یہ تمہارا ہی حق ہے جو دوسروں نے چھینا ہوا ہے اپنا حق ضرور حاصل کرنا چاہیے۔ اگر یہ مال نہ لو گے تو کوئی اور لے لیگا۔ پھر پچھتاؤ گے۔ لیکن اگر کسی کا ضمیر زندہ ہو اور وہ شیطان کے اس خیال کی مخالفت کرے تو وہ دل میں وسوسہ ڈالتا ہے تمہاری فلاں ضرورت اٹکی پڑی ہے۔ اس کا پورا کرنا اشد ضروری ہے۔ اس کو پورا کر لو پھر بیشک ایسا مال نہ لینا۔

ہر ضرورت مند چور ہے

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہر ضرورت مند چور ہوتا ہے۔ شیطان لوگوں کی اس صفت سے بخوبی واقف و آگاہ ہے۔ چنانچہ اس طرح وہ لوگوں کو گمراہ کرتا اور راہ راست سے دور لے جاتا ہے۔ ضروریات و خواہشات سے لوگوں کا چھٹکارا پانا ان کے بس کی بات نہیں ہوتی ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون بدانجام اور اس کے درباریوں کے سامنے حق پیش کیا تو وہ جب مائل بہ قبول حق نظر آئے تو فرعون نے فوراً ان کی خواہشات کو ان کے سامنے لاکر کھڑا کر دیا۔ کہنے لگا۔ "موسیٰ (علیہ السلام) تمہیں تمہاری زمینوں سے بے دخل کر دے گا۔" للذا وہ پھر اپنی خواہشات سے چمٹ گئے اور حق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

ضروریات و خواہشات حق کے آگے دیوار بن کر کھڑی ہو جاتی ہیں جنہیں عبور کرنا عام لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ نتیجتاً" خواہشات کی اتباع لوگوں کو تحت

الشرے میں پہنچا دیتی ہے۔ جب لوگوں پر خواہشات کی حکمرانی ہوتی ہے تو وہ حدود شریعت سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ ممنوعات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ احکامات الٰہیہ کو ترک کرتے اور دین کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ ان کی ہر معصیت میں شیطان کا ہاتھ ہوتا ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے۔ "حدود الٰہی میں سے کوئی حد ٹوٹتی ہوئی دیکھو تو سمجھ لو کہ تم فتنہ میں پڑ گئے ہو اور شیطان تمہارے اعمال سے کھیل رہا ہے۔ جب ایسی صورت آئے تو فوراً" شریعت کی طرف رجوع کرو۔ اس کے فرامین کو مضبوطی سے تھام لو۔ خواہشات نفس کی پیروی ترک کر دو۔ اس لئے کہ ہر وہ بات جس کی شریعت تائید نہیں کرتی باطل ہے اور اس کا ترک لازمی ہے۔" شیطان کی عوام الناس دشمنی سر نہاں نہیں ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا لوگوں پر یہ احسان عظیم ہے کہ اس نے ان کے دشمن کے بارے میں واشگاف الفاظ میں بتا دیا ہے تاکہ اس کے اغوا اور دلفریب و رنگین جالوں سے محفوظ رہا جا سکے۔ یہ جاننے کے باوجود کہ لوگوں کا ازلی و ابدی اور کھلا دشمن کون ہے اس سے بچنے کی سعی نہ کی جائے تو اس سے زیادہ کم عقلی و غیردانشمندی کا ثبوت اور کیا ہو گا۔

شیطان

شیطان "شطن" سے ہے۔ اس کے معنی رسن منحرف و دراز اور دور ہونا ہے۔ شیطان خیر سے دور اور شر کے اندر متحرک و فعال ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو شیطان جیسے کام کرتے ہیں حقیقتاً وہ بھی شیطان ہیں خواہ ان کے چہرے کتنے ہی دلکش ہوں۔ اس صداقت سے مفر نہیں ہے کہ جو خیر پر نہیں ہوتا وہ غیر پر ضرور ہوتا ہے اور جو غیر پر ہے اس کے ساتھ شیطان ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

(۲۷) جو شخص رحمٰن کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے۔ ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں۔ (سورۃ زخرف آیت ۳۶)

شیطان سے محفوظ و مامون رہنے کی صرف یہی صورت ہے کہ لوگ اللہ کے

فضل کے علاوہ دنیا والوں سے نہ ان کی مدد مانگیں نہ ان کے مال طلب کریں۔ نہ ان کی تعریف چاہیں نہ ان کے جتھے اور گروہ کی طرف راغب ہوں اور نہ ان کے تحفہ و ہدایہ کی طمع و لالچ رکھیں۔ فواحش اور دنیا والے سب شیطان کی فوج اور جتھا ہیں۔ لہٰذا لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے تمام معاملات اور تمام حالات میں صرف خدائے قدوس کی طرف رجوع کریں، حرام اور حرام کے شبہ سے بھی گریز کریں۔ جو شخص اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کا کھانا کہاں سے آتا ہے وہ پاک و طیب ہے یا حرام تو اللہ تعالیٰ بھی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کو دوزخ کے کون سے دروازے سے داخل کرے۔ لیکن جب شیطان کسی میں اپنی عداوت اور مخالفت کی تصدیق کر لیتا ہے اور اس کی سچائی و صداقت ظاہر ہو جاتی ہے تو وہ اس سے مایوس ہو کر دوسرے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ لیکن پوشیدہ طور پر آتا رہتا ہے لہٰذا لوگوں کو چاہیے کہ وہ صدق پر سختی سے قائم ہوں اور شیطان کے وار سے ہوشیار رہیں۔ اس لئے کہ اس کی دشمنی پرانی اور حقیقی ہے۔ وہ گوشت پوست میں خون کی طرح رواں دواں رہتا ہے۔ لہٰذا لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے اوپر خدائے جبار و قہار کا خوف اور ڈر مسلط کریں۔ یہی وہ راہ ہے جس کے ذریعے شیطان کی چالبازیوں اور مکر و فریب سے بچا جا سکتا ہے۔ کیونکہ شیطان زندہ ہے اور اگر اس کا وار چل جائے تو لوگوں کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ شیطان بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا تھا اب بھی کرتا ہے۔ لیکن اتباع حق کا منکر ہے۔ اطاعت کا تعلق قول سے ہوتا ہے اور اتباع کا عمل سے۔ اگر لوگ قولاً اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں اور عملاً اتباع نہ کریں تو وہ بھی شیطان کے ساتھی ہیں۔

امن کی صورت

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کا خوف

ولانے سے بھی خوف نہ کھائے اور اپنی روش نہ بدلے اس کا نفس حسرتوں کا مالک ہے اور جو شخص کھانے پینے کو ہی خدا کی نعمت سمجھے وہ کم علم ہے اور عذابوں میں پھنسا ہوا ہے۔ میرے شیخ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک ماننے کے معنی اس کو قادر مطلق ماننا اور اس کی قدر کرنا ہے جیسے اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ یہی صورت امن کی ہے۔ آپ ہی کا قول ہے کہ خالق کے احکام کی اتباع سے امن قائم ہوتا ہے اور حق پر استقامت سے رہنے پر امن مستحکم ہوتا ہے کیونکہ اسی صورت میں خوف خداوندی ہوتا ہے۔ اگر خوف خداوندی کو دل میں جاگزیں نہ کیا جائے تو دنیا و آخرت میں تباہی و بربادی کو دعوت دینے کے مصداق ہے۔ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ زمانہ حاملہ ہے۔ جلد ہی تم کو نظر آئے گا کہ اس سے کیا پیدا ہوتا ہے ؟ عنقریب تم دنیا و آخرت میں عذاب خداوندی دیکھو گے۔ لیکن جب تک دلوں پر خوف خداوندی طاری رہتا ہے تو عصیان۔ فحش اور فسق سے کراہت لازمی ولابدی ہے۔ گناہ اور معصیت سے کنارہ کشی یقینی ہے۔ اور افعال رذیلہ کی جگہ حسن سلوک' محبت' اخلاق و مروت' ہمدردی و اعانت اور صلہ رحمی لے لیتے ہیں۔

صلہ رحمی کے بغیر دنیا بیسوا اور شیطان دلال ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص چاہے کہ اس کے رزق میں کشائش اور عمردراز ہو تو وہ صلہ رحمی کرے۔ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ رحم رحمٰن سے ملی ہوئی شاخ ہے۔ اگر ہم اپنے گردوپیش میں پھیلے ہوئے واقعات پر نظر ڈالیں تو دیکھتے ہیں کہ صلہ رحمی اور حسن سلوک سے ٹوٹے ہوئے رشتے بھی جڑ جاتے ہیں۔ لیکن اگر اس کو شعار زندگی نہ بنایا جائے تو صلبی رشتے ناطے بھی فضاؤں میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ بے نشان ہو جاتے ہیں۔ خس و خاشاک کی طرح بکھر جاتے ہیں۔ ریت کے گھروندوں کی طرح ٹوٹ جاتے ہیں۔ خون سفید ہو جاتے ہیں۔ جسموں'

ذہنوں اور روحوں کے اندر توڑ پھوڑ کا سلسلہ طویل ہو جاتا ہے۔ نفسا نفسی کا دور دورہ ہوتا ہے۔ اور پھر کسی فرد کو اپنی ذات کے سوا کوئی دوسری ہستی نظر نہیں آتی۔ افراتفری' افتراق ' انتشار' انحطاط اور اضمحلال محیط ہو جاتا ہے۔ پھر لوگ بھول جاتے ہیں کہ ان سب کے جد امجد حضرت آدم صفی اللہ اور حضرت حوا علیہم السلام ہیں۔ وہ فراموش کر دیتے ہیں کہ تمام مومن بھائی بھائی ہیں۔ اور بھائیوں کے ساتھ اغیار سے بھی بدتر سلوک روا رکھنا چہ معنی دارد۔ جب یہ صورتحال ہو تو ان ٹوٹے ہوئے رشتوں...... مردہ لوگوں...... مفلوج سوچوں...... مدقوق جذبوں...... کرم خوردہ ماحول...... اپاہج افکار...... بوسیدہ ذہنیتوں...... اسلاف سے شکستہ تعلق اور رحمتہ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کے کھوکھلے دعووں کی راکھ سے فسق و فجور کفرو الحاد اور بغض و منافقت ہی جنم لیتی ہے جس سے لوگوں کی فانی زندگیوں میں دائمی تلخیاں' مایوسیاں' اداسیاں اور اندھیرے پھیل جاتے ہیں۔ چنانچہ لوگوں کو اندھیروں سے نجات دلانے' عوارض اور روگ دور کرنے کے لئے رحم کرنے والے رحمٰن نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن پاک نازل فرمایا...... قرآن جو شفا بھی ہے اور دوا بھی...... جو رحمت بھی ہے اور نصیحت بھی...... جو نور بھی ہے اور مژدہ فلاح بھی......

اللہ عزوجل نے قرآن حکیم میں دنیا کی حقیقت واضح فرما دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

(۲۸) دنیا کی یہ زندگی تو محض لہو و لعب ہے البتہ سچی زندگی آخرت کا گھر ہے اگر یہ جانتے ہوتے (سورۃ عنکبوت آیت ۶۴)

اس سے بڑی سند اور کیا ہو گی کہ یہ دار فانی دل لگانے کی جگہ نہیں ہے۔ دنیا کی مثال تو اس بیسوا کی طرح ہے جو کسی کی میت اور وفادار نہیں ہوتی۔ اس کے جتنے مرضی ناز نخرے اٹھائے جائیں' ناز برداریاں کی جائیں' اس کی محبت کے گیت گائے جائیں لیکن یہ اپنے چاہنے والے...... اپنے پرستار...... اپنے محب کو ضرور دھوکا دیتی

ہے' دغا کرتی ہے' ذلیل و خوار کرتی ہے' رسوا و بدنام کرتی ہے۔ شیطان مردود اسی بیسوا کا دلال ہے۔ وہ اس کے حسن و جمال کی تعریف کرتا ہے۔ اسے سولہ سنگار کروا کر اس کے وارفتگان و عشاق کے سامنے پیش کرتا ہے اور اس طرح وہ لوگوں کو گھیر گھار کر اس کے کوٹھے پر لاتا ہے۔ اور انہیں اس کے دام تزویر میں پھنسا دیتا ہے اور جو اس کے چنگل میں پھنس بھی جاتا ہے۔ اسے بھی یہ قبالہ نہیں ملتی ہے بلکہ اس کا دین بھی تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ اسی لئے حدیث پاک میں دنیا کو مومن کا قید خانہ قرار دیا گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا میٹھی اور سبز رنگ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ تمہیں خلیفہ بنا کر دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو؟ پس دنیا اور عورتوں سے بچو۔ بنو اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں ہی کا تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک دن ہم مسجد قبا میں محبوب حق صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کر رہے تھے۔ ایک اعرابی شتر سوار عبداللہ خفاف آیا اور اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے ایک خمیدہ کمر بوڑھے کو دیکھا جو زمین کھود رہا تھا۔ وہ عبد کلال بن لیغوث الحمیری تھا۔ اس نے بتایا کہ اسے کئی ہزار سال سے اس کی قوم کی کوئی خبر نہیں۔ وہ قبیلہ بنی مازن میں ٹھہرا ہوا ہے۔ جن میں ایک بوڑھا ہے۔ وہ کہتا ہے میری عمر پندرہ سو سال ہے۔ اس بوڑھے نے خبر دی کہ اس وادی میں قوم عاد کا ایک دریا تھا جو اب بند ہو گیا ہے۔ اور اب میں تین سو سال سے زمین کھود رہا ہوں تاکہ اس دریا کو ڈھونڈ نکالوں اس کا کوئی نشان نہیں ملا۔ ایک تختی ملی ہے جس پر قوم عاد کی مذمت میں دو اشعار لکھے ہوئے تھے اور لوح ثانی پر حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کی مذمت کے بارے میں کچھ لکھا تھا۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر ایسی جگہ لے گیا جہاں سرخ سونے کا ایک تخت رکھا تھا۔ اس پر ایک شخص بیٹھا تھا۔ جس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا تھا۔ "میں شداد بن عادہ ستونوں والا ہوں۔ میں ہزار سال تک جیا۔ میں نے ہزار شہروں کی بنیاد رکھی۔ ایک ہزار کنواری لڑکیوں سے صحبت کی۔ ایک ہزار خزانے کا

مالک تھا۔ میں نے کئی ہزار لشکروں کو شکست دی۔ میں نے مشرق و مغرب پر حکومت کی۔ لیکن میرے لئے دنیا باقی نہ رہی نہ میں دنیا کے لئے باقی رہا۔ سب کو چاہیے کہ میرے بعد کوئی بھی دنیا کے لئے مغرور نہ ہو۔ اس کے بعد وہ میرا ہاتھ پکڑ کر دوسری جگہ لے گیا جہاں چاندی کا تخت رکھا تھا۔ جس پر ایک لونڈی بر پشت لیٹی ہوئی تھی۔ اس کی پیشانی پر لکھا تھا۔" "میں ضبغہ بن عاد کی لڑکی ہوں جس نے مجھ پر دست درازی کی۔"

بزرگان دین نے بھی دنیا کی بڑی تحقیر و ذلت کی ہے اور اس سے ہمیشہ کنی کتراتے رہے ہیں۔ سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "دنیا سوائے پانچ چیزوں کے فضول ہے۔ اول روٹی جس سے زندگی قائم رہے۔ دوئم پانی جس سے پیاس بجھے۔ سوئم کپڑا جس سے ستر ڈھانپے۔ چہارم گھر جس میں گذارہ ہو سکے۔ پنجم علم جس پر عمل ہو سکے۔ یہ اشیاء دنیا و دنیاداری نہیں بلکہ زندگی کے قیام اور توازن کے لئے ضروری ہیں۔" ایک اور مقام پر دنیا کی تعریف فرماتے ہیں کہ معاش سے زیادہ سازو سامان رکھنا اور خدا تعالیٰ سے غافل ہو جانا ہی دنیا ہے اگر حب دنیا جو کے برابر بھی دل میں ہو گی' تو چاہے روئے زمین کے تمام اولیائے کرام جمع ہو جائیں جب تک اس کے دل سے حب دنیا نہ اٹھ جائے معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ راہ معرفت میں دل کی سیاہی زنگار اور کدورت مخل رہتی ہے۔ اس لئے کہ حب دنیا زہر قاتل ہے۔ دنیا ایمان کھاتی ہے اور زہر جان کو کھاتی ہے' حدیث شریف میں ہے کہ دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے اور ترک دنیا تمام عبادتوں کی اصل ہے۔ جب دنیا اس قدر پرفریب و دغاباز ہے کہ سب کچھ برباد کر دیتی ہے اور یہ پھر بھی خوش نہیں ہوتی تو وہ شخص وہ دنیا دار جو اس کا شیفتہ و دلدادہ ہو وہ بھلا کب کسی کے ساتھ مخلص و ہمدرد ہو گا۔ اس کے بارے میں حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے۔ "یہ طالبان دنیا حرص کے کوے اور لقمہ حرام کی چیلیں ہیں جو کہ یکجا ہمکلام ہیں۔" ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔ "دنیا دار معاشرہ میں ہر فساد کا باعث بنتا

ہے۔ حتیٰ کہ پیغمبروں کے ساتھ منافقت کرنے والے دنیادار ہی تھے۔" ایسے لوگ جو حب دنیا رکھتے ہیں ان کے پاس دولت کی فراوانی انہیں ایمان سے دور لے جاتی ہے۔

ادھی لعنت دنیاں تائیں ساری دنیا داراں ھو
جیں راہ صاحب دے خرچ نہ کیتی لین غضب دیاں ماراں ھو

اس لئے دنیا کا طالب اور دنیا کی طلب سراسر جہالت ہے۔ اور اللہ کا طالب اور اللہ کی طلب سراسر علم ہے۔ نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "دنیا کا طالب ہجڑا ہے۔ عاقبت کا طالب عورت ہے اور مولیٰ کا طالب مرد ہے۔"

خواہشات کے آسیب زدہ

طالب دنیا و خواہشات لازم و ملزوم ہیں۔ وہ لوگ جو صرف طالب دنیا ہیں وہ آخرت کے سوداگر نہیں' صرف دنیا کے ہی ساہوکار ہیں۔ یہ خواہشات کے آسیب زدہ ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنی نفسانی خواہشات کی بدولت قوموں کی ذلت و رسوائی کا باعث بنے ہیں۔ مولانا روم نے کیا خوب کہا ہے۔

از ہوائے خویش در ہر ملتے ‎ ‎ گشتہ ہر قومے اسیر ذلتے

ترجمہ : ہر مذہب میں اپنی خواہشات نفسانی سے ہر قوم ذلت میں گرفتار ہوئی ہے۔ سرتاج عاشقاں حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "انسان جب تک خواہش اور غرض و غائیت سے پاک نہ ہو وہ انعام یافتہ نہیں ہوتا۔ نہ وہ انعام یافتہ کی راہ پر ہوتا ہے اور نہ وہ انعام یافتہ کی صف میں شمار ہوتا ہے اور جو لوگ خواہشات کی غلامی ترک کر دیتے ہیں انہیں چار انعامات فقر' غنا' نور اور پاکی ملتے ہیں۔" لیکن جو لوگ دنیا اور خواہشات کا دامن نہیں چھوڑتے وہ اللہ تعالیٰ کے ملک میں سرکشی و بغاوت پر آمادہ ہوتے ہیں۔ اس کی مثال بالکل اس طرح ہے جیسے اگر کوئی خادم اپنے مالک کے بتائے ہوئے طریق سے مال خرچ نہیں کرتا تو اسے

سرکشی پر محمول کرتا ہے۔ بعینہ عطا کا استعمال اگر اپنی خواہش کے تحت ہو تو یہ قادر مطلق سے سرکشی و بغاوت ہو گی۔ اس کی کئی ایک صورتیں ہیں مثلاً جب لوگ حق کی بجائے اپنے گمان کو بیان کرتے ہیں یا اپنے تجربات کو بیان کرنے کی بجائے خواہش نفس کے نقشے کھینچنے لگتے ہیں اور اس کے لئے ذو معنی الفاظ استعمال کرتے ہیں تو یہ سرکشی و بغاوت کا ارتکاب ہے۔ یہ لوگ عملاً اظہار کرتے ہیں کہ وہ سدا زندہ رہیں گے۔ انہیں مرنا نہیں ہے۔ یا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں ہونا ہے۔ فخر و غرور ان کا مسلک ہوتا ہے۔ وہ اس طرح رعونت سے چلتے ہیں جیسے زمین کو اپنے پاؤں سے مسل کر رکھ دیں گے۔ لیکن ان کی بے بسی و بیکسی کا یہ عالم ہے کہ اگر کوئی مکھی بھی ان کی کوئی چیز اپنے پاؤں میں لے لے کر تو یہ اس سے واپس نہیں لے سکتے۔ ایسے لوگوں کی نسبت ایک حقیر و کمزور مکھی ہزار درجہ افضل و بہتر ہے۔ مکھی میں یہ صفت ہے کہ وہ تعفن کے باعث کی نشان دہی بھی کرتی ہے اور فضا کو تعفن سے پاک کرنے کے لئے کوشاں بھی رہتی ہے۔ لیکن وہ لوگ جو تن کے اجلے اور من کے کالے ہیں یہ معاشرہ میں اپنی خباثتوں کی وجہ سے بدبو اور تعفن پھیلاتے ہیں۔ یہ لوگ بظاہر زندہ ہیں لیکن حقیقت میں مردہ ہیں اور ان پر نصیحت کارگر نہیں ہوتی۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نصیحت باران رحمت کی طرح ہے جس سے اپنے اپنے رخ پر لوگ آگے بڑھتے ہیں۔ اگر رخ بھلائی کا ہو تو بھلائی میں ترقی ہوتی ہے اور اگر برائی کا رخ ہو تو اس میں اضافہ ہوتا ہے۔ نصیحت کا کوئی مزاج نہیں ہے۔ یہ مطابق کی مطابقت بڑھاتی ہے اور مخالف کی مخالفت میں اضافہ کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم سے جو سراسر نصیحت ہے لوگ اپنے رخ کی بدولت گمراہ بھی ہوتے ہیں اور کثیر ہدایت بھی پاتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی موجودگی میں ان کی نصیحت و ہدایت کے مقابلے میں لوگوں نے سخت مخالفت کی بجز ان کے جن کا رخ درست تھا وہ ان پر ایمان لے آئے اور یہی صورت بزرگان دین کی ہے کہ لوگ ان کے قریب ہوتے ہوئے بھی ان سے فیض یاب نہیں ہوتے۔ میرے شیخ فرماتے

ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ان محبوب ہستیوں سے استفادہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ ان کے قدم بقدم رہے اور معیت میں رہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پڑھ کہنا سوئے ادب ہے

لوگوں کو گمراہی کی دلدل سے بچانے کے لئے اللہ لطیف الخبیر نے سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو امی اور دین حنیف کے ساتھ بھیجا۔ بعض لوگوں میں یہ بات پھیل گئی ہے کہ امی وہ ہوتا ہے جو ان پڑھ ہو حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے اور خاص طور پر خاتم النبین صل اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہنا سوئے ادب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو ساری کائنات کے لوگوں کو حکمت و کتاب سکھانے اور پاک کرنے کے لئے تشریف لائے علم کسب سے یقیناً پاک تھے۔ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد یہ ہے کہ آپ صل اللہ علیہ وسلم ان میں سے نہیں تھے جو اس وقت اہل کتاب میں سے تھے۔ میرے شیخ کا ارشاد ہے کہ جو پاک ہو جائے وہ امی ہوتا ہے اور امی سے امی بنتے ہیں۔ آپ نے ملت حنیف کی تشریح فرماتے ہوئے کہا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی کہ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں وہ میرے ہیں اور جو ایمان نہیں لائے ان کو اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے۔ آپ علیہ السلام نے عذاب کی دعا نہیں مانگی تھی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دین حنیف لے کر تشریف لائے اور ہم ملت حنیفا پر ہیں۔

ناقص اعمال کی حقیقت آگ ہے

اللہ حکیم القدیم نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا تاکہ صالح اعمال والوں کو جنت اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی خوشنودی و رضا کی خوشخبری و مژدہ سنا دیں اور برے اعمال والوں کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، اس کے عذابوں اور آخرت کی سختیوں سے ڈرائیں۔ فرمان خداوندی ہے۔

(۲۹) جس شخص کو اللہ تعالیٰ راستہ پر ڈالنا چاہتا ہے اس کے سینہ کو اسلام کے

لئے کھول دیتا ہے۔ اور جس کو بے راہ رکھنا چاہتا ہے اس کے سینہ کو تنگ کر دیتا ہے جیسے کوئی آسمان پر چڑھتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر پھٹکار ڈالتا ہے۔ (سورۃ انعام آیت ۱۲۵)

اللہ تعالیٰ کا راستہ اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کے قدم بقدم ہونے سے ملتا ہے اور کوئی صورت ہی نہیں جو لوگ اللہ کے حبیب صل اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے' آپ کی اتباع و اطاعت نہیں کرتے' اللہ کی یہی چاہت ہے کہ ان کا سینہ اسلام کے لئے تنگ کر دے' وہ دین و ایمان کی دولت سے مالا مال نہیں ہوتے۔ اس حال پر مولانا روم فرماتے ہیں۔

اندر آئید اے مسلمانان ہمہ ۔۔۔ غیر عذب دین عذاب ست آن ہمہ

ترجمہ : اے مسلمانو ! سب اندر چلے آؤ۔ دین کے میٹھے پانی کے علاوہ سب عذاب ہے۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "دین بات نہیں حقیقت ہے۔ دین کے راستے میں اگر دنیا حائل ہوتی ہو تو دنیا کو قربان کر دینا چاہیے۔ دین کی شرح محبوب خدا صل اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے شروع ہوتی ہے۔ ایمان دعویٰ ہے۔ اگر صالح اعمال اس دعوے کی شہادت دیں تو دعویٰ سچا ثابت ہوتا ہے ورنہ نہیں۔ جو اس دعوے میں سچا ثابت ہوتا ہے اس کے غیر اعمال کی نفی کر دی جاتی ہے اور جو غیر کو قبول کر لیتا ہے تو اس کے ماضی کی بھی نفی کر دی جاتی ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی مثالی اور صالح ہو۔" وہ لوگ جو غیر کے راستے پر ہیں جب ان کی سب امیدیں ٹوٹ جاتی ہیں تو حال پر بھی وہ اپنے اعمال کی آواز بخوبی سن سکتے ہیں۔ دراصل ناقص اعمال کی حقیقت ہی آگ ہے۔ وہ یہاں بھی خلقتی ہے لیکن نظر نہیں آتی۔ یہاں چونکہ اصلاح کے لئے توفیق بھی موجود ہوتی ہے اور مہلت بھی اس لئے اسے مخفی رکھا جاتا ہے لیکن آخرت میں وہ جلوت میں آجائے گی۔ اس لئے اس مہلت سے استفادہ کرنا چاہیے اور اصلاح احوال کے لئے قدم قدم پر بکھری ہوئی عبرتوں سے

تعلق حاصل کرنا چاہیے۔

ہر واقعہ عبرت آموز ہے

حضرت سالم بن ابی جعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے دو بیل گزرے اور یہ دونوں کام میں لگے ہوئے تھے۔ ایک ان میں سے اپنے کام پر لگا رہا اور دوسرا رک گیا۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس میں بھی عبرت ہے کہ رکنے والے نے کسان کا ڈنڈا کھایا اور دوسرے نے نہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زیادہ تر عمل عبرت پکڑنا تھا۔ اس لئے اے لوگو! اپنی جبینوں میں سجدے آباد کرو۔ اپنے ہونٹوں سے خدائے وِدود کے نغمے الاپو اور دلوں میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آگ روشن کرو...... خوب روشن کرو...... خوب روشن کرو کیونکہ بے عشق انسان زندہ نہیں ہوتا۔

حاصل بیان

☆ اللہ تعالیٰ کو ماننے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو مانا جائے...... عملاً مانا جائے...... اور محبت و خلوص سے مانا جائے۔

☆ عبادت صالح اعمال کو خالصتاً" اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا کے لئے سرانجام دینے کا نام ہے۔ یہ قول ہے اس کا عمل یہ ہے کہ مخلوق خدا کو آسانیاں بہم پہنچائی جائیں۔

☆ جب اسلام اور اسلامی شعار کو برا سمجھا جائے تو پھر حلال و حرام میں تمیز روا رکھنا ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا ہوئی و ہوس کے تحت زر پرستوں نے اپنے عشرت کدے آباد رکھنے کے لئے مفلسی و بدحالی کی فصلیں اگا دی ہیں اور خیر و برکت کی ہر قدر کو پامال کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ حلال و حرام' جائز و ناجائز میں وقف رکھنا لازم ہے

ورنہ اصلاح معاشرہ کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

☆ ہر ضرورت مند چور ہوتا ہے لہٰذا شیطان انسان کے اس کمزور ترین پہلو سے بخوبی واقف ہے۔ وہ ضرورتوں کے دریا اس کے سامنے بہا دیتا ہے جن کو عبور کرنا انسان کے بس کی بات نہیں اور وہ ان ضروریات کی تکمیل کے لئے ہر برائی کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے اور اخلاقی' سماجی' دینی اور شرعی تمام حدود سے تجاوز کر جاتا ہے۔ اُس طرح حضرت انسان شیطان کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔

☆ شر' شرارت' حرام ناجائز اور ناحق سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ صلہ رحمی کو اختیار کیا جائے۔ اس سے ظلم کی بیخ کنی ہوتی ہے اور ٹوٹے ہوئے انسانی رشتے جڑ جاتے ہیں۔ اس لئے اگر دنیا دین کی راہ میں حائل ہوتی ہو تو اسے چھوڑ دینا چاہیے۔

☆ زندگی میں پیش آنے والے واقعات پر نگاہ رکھنی چاہیے کیونکہ مجاز میں حقیقت کا رنگ منعکس ہوتا ہے۔

مقام غور ہے کیا ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح مانتے ہیں جیسے انہیں ماننے کا حق ہے ؟ کیا ہماری عبادت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا کے لئے ہے یا شوکت نفس کے لئے ؟ کیا ہم اسلام اور شعار اسلام کا قولاً و عملاً اور علماً" مذاق تو نہیں اڑاتے ؟ کیا ہماری حرص و آز نے مخلوق خدا کی زندگیوں میں الجھنوں کے کانٹے تو نہیں بوئے ؟ کیا ہم حلال و حرام میں وقف لازم رکھتے ہیں یا نہیں ؟ اور کیا ہمیں دین کے مقابل دنیا تو عزیز نہیں ہے ؟ اگر ان تمام سوالات کے جوابات حق سے تعلق نہ رکھتے ہوں تو زندگی کی مہلت سے حال پر استفادہ کیا جا سکتا ہے وگرنہ دم واپسیں بجز پچھتاوے کے اور کچھ نصیب نہ ہو گا۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر ۳

بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ

اے بنی اسرائیل !

بنی اسرائیل کی اصلیت و فطرت اور مخصوص طرز فکر و عمل

حضرت یعقوب علیہ السلام کا اسم پاک عبرانی زبان میں اسرائیل ہے۔ یہ دو لفظوں اسراً بمعنی عبد اور ایل بمعنی اللہ سے مرکب ہے۔ عربی میں اس لفظ کا ترجمہ عبداللہ کیا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا وہ اسحاقی خاندان جو ان کی نسل سے ہے اس لئے بنی اسرائیل کہلاتا ہے' اور آج بھی یہود و نصاریٰ کے قدیم خاندان اسی نسبت کے ساتھ منسوب ہیں جب حضرت یوسف علیہ السلام کا زمانہ آیا تو بنی اسرائیل مصر میں آکر آباد ہو گئے۔

بنی اسرائیل کے عروج و زوال کی تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ ان کا ایک خاص انداز فکر و عمل ہے جو سینکڑوں سالوں کی تہوں میں لپٹے ہوئے واقعات و حالات نے ان کی زندگیوں میں ترتیب دیا ہے۔ اب یہ حالت ہے کہ وہ اس مزاج سے جو ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکا ہے اس سے گلو خلاصی چاہتے ہی نہیں۔ ان کے افکار و کردار' ان کے لیل و نہار' ان کی سیاست اور خارجہ پالیسیوں میں سب سے نمایاں عناصر ان کی سرکشی۔ احسان فراموشی' فساد انگیزی' بغض و حسد' شترکینہ' عناد و دشمنی' قول و فعل میں تضاد' سازش اور عریانی و بے حیائی ہیں جو ان کے مزاج کا خاصا

ہیں۔ یہود بنی اسرائیل کا ایک خصوصی امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ دنیا کے کسی گوشہ میں بھی جا کر آباد ہوں اپنے اسرائیل ناموں کو ترک نہیں کرتے۔ مجمع عام میں برہنہ ہو کر نہاتے تھے اور اس کے عادی تھے۔ اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تنگ کرتے اور مذاق اڑاتے تھے۔

نوازشات ربانی اور بنی اسرائیل

اللہ تبارک نے بنی اسرائیل کو اپنی کثیر نعمتوں اور راحتوں سے نوازا تھا۔ اس میں بہت سے انبیاء و مرسلین بھیجے اور انہیں سلطنت و بادشاہت بھی عطا کی۔ وہ جس چیز کی بھی طلب کرتے اپنے نبی علیہ السلام کی دعا برکت سے ان کو مل جاتی۔ آسمان سے ان کے لئے من (ایک میٹھی چیز) اور سلویٰ (ایک قسم کے پرند) اتارا جاتا' جو بحکم خدا ان کے سامنے آجاتے تھے۔ وہ بقدر ایک دن کی خوارک کے انہیں لے لیتے تھے' لیکن انہیں ذخیرہ کرنے کی اجازت نہ تھی۔ جلد ہی انہوں نے اس خوان نعمت سے اکتاہٹ کا اظہار کر دیا اور دوسری اشیائے خودرتی مثلاً لہسن' پیاز' میسور' کھیرا' ککڑی اور باقلا وغیرہ طلب کیا باوجود منع کرنے کے جب وہ نہ مانے تو انہیں وہ بھی عطا کر دیا گیا۔ جب وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں عرب کے علاقے میں داخل ہوئے تو وہاں ان کے لئے نہ تو مکانات تھے اور نہ ہی سایہ دار درخت جن کے نیچے وہ دھوپ گرمی اور تپش سے بچ سکتے۔ انہوں نے اس امر کی خواہش کی کہ سائے کا انتظام کیا جائے چنانچہ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کی دعا سے بادلوں کے پرے کے پرے بنی اسرائیل پر سایہ فگن ہو گئے۔ وہ جہاں جاتے بادلوں کا سائبان ان کے سروں پر سایہ فگن رہتا تھا۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے۔ انہیں پینے کا پانی میسر نہ تھا للذا اللہ کے حکم سے آپ علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک پتھر پر مارا تو بارہ چشمے جاری ہو گئے الغرض ان کے جس قدر مطالبات تھے وہ پورے کئے گئے اور جتنی راحتیں درکار تھیں اللہ تعالیٰ نے ان کو میسر کیں لیکن اس کے باوجود ان میں اکثریت کا رخ غیر کا

رہا اور وہ صراط مستقیم سے دور رہے۔

فرمان ربی کے مطابق جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو اپنے ہمراہ لے کر روانہ ہوئے تو فرعون نے اپنے لشکر سمیت ان کا تعاقب کیا۔ جب انہوں نے دیکھا تو بے قرار ہو گئے سرتاپا پریشانیوں میں غرق ہو گئے۔ خدا پر سے یقین اٹھ گیا اور اپنے رسول علیہ السلام کی اطاعت کو طاق نسیاں پر رکھ دیا اور گویا ہوئے "کیا مصر میں قبریں نہ تھیں جو تو ہم کو مرنے کے لئے بیابان میں لے آیا ہے۔ ہمارے لئے مصریوں کی خدمت و اطاعت کرنا بیابان میں مرنے سے بہتر و افضل ہے" سالہا سال کی غلامی و پستی نے ان کی ہمتیں سلب کر لی تھیں۔ حوصلے پست تھے۔ ذہن مریض تھے۔ کردار میں کمزوری اور افکار میں مشرکانہ عنصر غالب تھا۔

پہلا مشرکانہ مطالبہ اور شرک جلی کی سزا

جب اسرائیلی فرعون کے دست ناپاک سے محفوظ رہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے ہی تم کو اس زبردست فتنہ سے نجات دی ہے لہٰذا میرا شکریہ ادا کرو اور میری ہی بندگی کرو۔ لیکن جب بنی اسرائیل نے سینا کے بت کدوں میں لوگوں کو بت پرستی کرتے دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہمیں بھی ایسے معبود بنا دیں تاکہ ان کی پرستش کریں۔ یہ سب سے پہلا مشرکانہ مطالبہ تھا جو انہوں نے کیا۔

گوسالہ مصر کا قدیم عقیدہ تھا اور اس کے مذہب میں اس کی بڑی اہمیت تھی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر چالیس یوم کے لئے تشریف لے گئے تو بعد میں سامری نے ایک بچھڑا بنایا جو بولتا تھا لہٰذا بنی اسرائیل نے اس کی پرستش شروع کر دی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے تو اللہ کے حکم سے اس شرک کی پاداش میں توبہ کی یہ صورت رکھی گئی کہ جو شخص رشتہ میں جس سے زیادہ قریب ہو وہ اپنے عزیز کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ مثلاً باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو

اور بھائی کو۔ اس طرح ایک روایت کے مطابق تین ہزار بنی اسرائیل قتل ہوئے اور سامری کو دنیا میں یہ سزا ملی کہ فاتر العقل کی طرح مارا مارا پھرتا تھا اور جب کوئی قریب آتا تو بھاگتے ہوئے کہتا تھا۔ "دیکھنا مجھے ہاتھ نہ لگانا"

بنی اسرائیل کی کٹ حجتی اور دریدہ دہنی

بنی اسرائیل کا خاصا تھا کہ وہ اپنے انبیاء کے ساتھ فضول بحث مباحثہ اور کج بحثی روا رکھتے تھے۔ جب اللہ جل جلالہ نے گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تو حسب عادت غیر ضروری بحث شروع کر دی۔ ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ "اگر بنی اسرائیل کٹ حجتی نہ کرتے تو گائے کے معاملے میں کسی قسم کی قید و بند نہ ہوتی اور وہ جو بھی گائے ذبح کر دیتے حکم کی تعمیل ہو جاتی۔"

اس قوم نے انبیاء علیہم السلام کو ناحق ستایا اور ان پر قتل کے الزام بھی لگائے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہتے تھے کہ انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کو قتل کیا ہے اور اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کی نسبت اتہام لگایا کہ ان کی "اوریا" کی بیوی سے آشنائی تھی۔ (نعوذ باللہ) امم سابقہ نے خدا کے سچے دین میں اپنی خواہشات نفس کے زیر اثر جہاں اور بہت سی تحریفات کی تھیں ان میں سے ایک شرمناک تحریف یہ تھی۔ کہ وہ خدا کے رسولوں پر بہتان طرازی اور ان کی جانب سے بیہودہ اور فحش انتسابات کے لئے بے جا اقدام کرتے تھے۔ اور اس معاملہ میں بنی اسرائیل کا قدم سب سے آگے تھا وہ ایک جانب تو اللہ تعالیٰ کی ایک برگزیدہ ہستی کو نبی اور رسول بھی تسلیم کرتے تھے۔ اور دوسری جانب بغیر کسی جھجک کے شرمناک اور غیراخلاقی امور کا انتساب بھی ان کے ساتھ وابستہ رکھتے تھے مثلاً حضرت ہارون علیہ السلام کو نہ صرف مشرک اور بت پرست ثابت کرتے تھے۔ بلکہ شرک کا معلم اور بت پرستی کا رہنما کہتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی بیٹیوں کا معاملہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا معاملہ بڑا عجیب طرح بیان کرتے تھے۔ جو ان کی

اندورنی خباثت کا مظہر تھا۔ (معاذاً باللہ)

ان جہنمیوں نے صرف انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی شان میں ہی بے ادبی و گستاخیاں نہیں کیں بلکہ قادر مطلق کے متعلق بھی دریدہ دہنی کی ہے اور ایسی لغو باتیں اس سے منسوب کی ہیں جن کا کوئی جواز نہیں۔ یہود نے خالق کو مخلوق سے مشابہ کیا اور یہ نہ سمجھے کا اگر تشبیہ حق ہوتی تو جو باتیں مخلوق پر جائز ہوتی ہیں وہ اس پر بھی جائز ہوتیں۔ شیخ ابو عبداللہ بن حامد نے ذکر کیا کہ یہود کا زعم ہے کہ اللہ معبود ایک نور کا شخص ہے۔ وہ نور کی کرسی پر نور کا تاج پہنے بیٹھا ہے اور آدمیوں کے اعضاء کی طرح اس کے اعضاء ہیں۔ حالانکہ ■ بے مثل ہے۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے ملعون یہودیوں کے ایک خبیث قول کا ذکر بھی کیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

(۳۰) یہودیوں نے کہا کہ خدا کے ہاتھ بندھے ہوتے ہیں انہی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اور ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی۔ بلکہ خدا کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا رہتا ہے۔ (سورۂ مائدہ آیت ۶۴)

وہ خدا کو بخیل کہتے تھے۔ یہی لوگ خدا کو فقیر بھی کہتے تھے۔ فنحاص نامی یہودی نے یہ کہا تھا اور اس ملعون کا وہ دوسرا قول بھی تھا کہ خدا فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ اس وجہ سے ان پر لعنت کی گئی ہے۔ اس کا فضل وسیع ہے اس کی بخشش عام ہے۔ ہر چیز کے خزانے اس کے ہاتھ میں ہیں۔ مسند میں حدیث شریف ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دن رات کا خرچ اس کے خزانے کو گھٹاتا نہیں۔ جس نے سب کچھ بنایا ہے اور اپنے لیے کسی شے کو مخصوص نہیں کیا اس سے بڑا غنی کوئی نہیں ہو سکتا۔

شریعت موسوی میں برائیاں کس طرح داخل ہوئیں

حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام کی زبانی انہیں کے زمانے پاک میں منکرین ملعون قرار پا چکے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ غفور الرحیم کے نافرمان تھے اور مخلوق خدا پر ظلم کرتے تھے اور سخت ظالم تھے۔ تورات، انجیل، زبور

اور قرآن پاک سب کتب نے ان پر لعنت کی ہے۔ خدائے رحمٰن ارشاد فرماتا ہے۔

(۳۱) بنی اسرائیل کے کافروں پر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی زبانی لعنت کی گئی' اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے روکتے نہ تھے۔ جو کچھ بھی یہ کرتے تھے یقیناً وہ بہت برا تھا۔ (سورۂ مائدہ آیت ۷۹-۷۸)

ابو داؤد کی حدیث میں ہے کہ سب سے پہلی برائی بنی اسرائیل میں یہی داخل ہوئی تھی کہ ایک شخص دوسرے کو خلاف شرع کوئی کام کرتے دیکھتا تو اسے روکتا۔ اس سے کہتا کہ اللہ سے ڈرو۔ اس برے کام کو چھوڑ دے یہ حرام ہے۔ لیکن دوسرے دن جب وہ نہ چھوڑتا تو یہ اس سے کنارہ کشی اختیار نہ کرتا بلکہ اس کا ہم نوالہ ہم پیالہ رہتا اور میل جول باقی رکھتا۔ اس وجہ سے سب میں ہی سنگ دلی آگئی۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ تم میں سے جو شخص خلاف شرع کام دیکھے اس پر فرض ہے کہ اسے اپنے ہاتھ سے مٹائے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے کہے۔ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا سمجھے۔ یہ بہت ہی ضعیف الایمان ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ جس جگہ خدا کی نافرمانی شروع ہو جائے جو وہاں ہو اور ان خلاف شرع امور سے ناراض ہو وہ مثل اس کے ہے جو وہاں حاضر ہی نہ ہو اور جو ان خطاؤں سے راضی ہو اگرچہ وہاں موجود نہ ہو وہ ایسا ہے گویا ان میں حاضر ہے۔

یہ تھا وہ پس منظر جس کے تحت اللہ تبارک و تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو خطاب فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں ان کو چار مختلف مقامات پر مخاطب کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

(۳۲) اے بنی اسرائیل ! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا' اور مجھ ہی سے ڈرو' اور

اس کتاب پر ایمان لاؤ جسے میں نے تمہاری کتابوں کی تصدیق میں نازل فرمایا ہے اور اس کے ساتھ تم پہلے کافر نہ بنو۔ اور میری آیتوں کو تھوڑی قیمت پر نہ بیچو اور صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔ (سورۂ بقرہ آیت ۴۱۔۴۰)

(۴۳) اے بنی اسرائیل ! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی۔ (سورۂ بقرہ آیت ۴۷)

(۴۴) اے بنی اسرائیل ! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی۔ (سورۂ بقرہ آیت ۱۲۲)

(۴۵) اے بنی اسرائیل ! دیکھو ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی۔ اور تم سے کوہ طور کی داہنی طرف کا وعدہ کیا اور تم پر من و سلوٰی اتارا۔ (سورۂ طٰہٰ آیت ۸۰)

خلاصہ آیات

متذکرہ چاروں مقامات پر جن میں سے سورۂ بقرہ کی آیت ۴۷ کا اعادہ اسی سورۃ مبارکہ کی آیت ۱۲۲ میں کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کو اللہ جل شانہ نے ان انعام و اکرام کی یاد دہانی کروائی ہے جو اس نے انہیں عطا کئے تھے۔ لیکن احسان فراموشی کی خصلت ان کے آڑے آئی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر دھیان نہ دیا۔ نعمتوں کی یاد دہانی کے بعد ان کی توجہ اس عہد کی طرف مبذول کروائی گئی ہے جو ان سے لیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے توارت میں وعدہ کیا تھا کہ حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک ایسا عظیم الشان پیغمبر پیدا کروں گا جس کی اطاعت و اتباع تمام مخلوق پر فرض ہو گی۔ بنی اسرائیل سے جو میثاق لیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ جب احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو کتاب نازل کی جائے تو وہ کتاب اور صاحب کتاب پر ایمان لائیں۔ اس کی تاکید ان کے انبیاء علیہم السلام نے بھی کی تھی۔

سب سے پہلا کافر

آسمانوں پر جو سب سے پہلا کافر ہوا وہ ابلیس تھا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

(۳۶) اور جب ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا اس نے انکار کیا۔ اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا۔
(سورۂ بقرہ آیت ۳۴)

اس آیت مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ کافر کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ سجدہ سے انکار کرتا ہے۔ حکم عدولی کرتا ہے اور متکبر ہوتا ہے۔ سجدہ کروانے سے یہ سبق ملتا ہے کہ چھوٹا بڑے کی عزت و احترام کرے۔ بنی اسرائیل میں وہ صفات موجود تھیں جن کی ڈور کفر سے بندھی ہوئی تھی وہ نہ تو اللہ کے پیاروں' محبین اور انبیاء علیہم السلام کی تعظیم و عزت کرتے تھے اور نہ ہی وہ احکامات خداوندی کی پرواہ کرتے تھے۔ بلکہ الٹا اپنی فضیلت پر متکبر و مغرور تھے۔ جو شخص اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کو تسلیم نہیں کرتا وہ یقیناً کافر و بے دین ہے۔ کیونکہ قریش بھی انکار کر چکے تھے تو اب بنی اسرائیل کا انکار اہل کتاب میں سے پہلی جماعت کا انکار تھا۔ اس لیے انہیں اول کافر کہا گیا ہے۔ تورات و انجیل میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر پاک موجود ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری تورات کی سچائی کی دلیل ہے۔ ان کے پاس وہ علم بھی تھا جو دوسروں کے پاس نہ تھا۔ لہٰذا ان سے کہا جا رہا ہے کہ وہ اس علم کے باوجود منکر نہ بنیں۔ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص اس علم کو جس سے خدا کی رضا حاصل ہوتی ہو اس لئے سیکھے کہ اس سے دنیا کمائے وہ قیامت کے روز جنت کی خوشبو تک نہ پائے گا۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ہو جاتا ہے۔ اسے دین عطا ہو جاتا ہے۔ جو فرمان کو اپنے مطابق

بنا لیتا ہے اس کا علم ۔ علم غیر بن جاتا ہے۔ بنی اسرائیل کا وصف تھا کہ وہ دنیا کے حصول کی خاطر اللہ تعالیٰ کی آیات کو تھوڑی قیمتوں پر بیچ دیتے تھے۔ لیکن اللہ کی رضا و خوشنودی، محبوب خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محبت اور آخری زندگی کے مقابل دنیا کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے **الدنیا یا کل الایمان کماتا کل النار الحطب** (دنیا کی محبت ایمان کو اس طرح کھا جاتی ہے جیسے لکڑیوں کو آگ کھا جاتی ہے) اس ضمن میں ایک اور حدیث پاک ہے کہ دنیا مردار ہے اور اس کا طالب کتا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا کا غلام اندھا ہوتا ہے اس کا دل ایسے ہوتا ہے جیسے سیاہ وجود میں غضب و غصہ بھرا ہوتا ہے۔ اس امر سے انکار ناممکن ہے کہ دنیا کا غلام کم عقل ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے زیادہ اس کی کوتاہ فہمی کی اور کیا دلیل ہو گی۔ کہ وہ دنیا کی خاطر اللہ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آخرت کو قربان کر دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے مغز کو دنیا کھا جاتی ہے۔ اور جو بے مغز ہو ہمیشہ غم و آلام کا شکار رہتا ہے۔ حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

دنیا گھر منافق دے یا گھر کافر دے سونہدی ھو
نقش نگار کرے بہتیرے زن خوباں سبھ موہندی ھو

تشریح : دنیا وہ مکار عورت ہے جو کہ صرف منافق یا کافر کے گھر گزر اوقات کر سکتی ہے۔ دنیا وہ زن خوباں ہے جو کہ بہت نقش و نگار کر کے سب کو لوٹ لیتی ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ دنیا مکر ہے اور اس کو مکر سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جو مکر کا طالب ہے اس کا مرتبہ خدا سے دور ہے۔ پس دنیا کو منافق و کافر کے سوا کوئی دوست نہیں رکھتا کیونکہ دنیا جھوٹ ہے اور اس کا طالب جھوٹا ہے۔

تنہائی میں مسلمان کو دیکھ کر یہودی کیا چاہتا ہے؟

یہ عام اصول ہے کہ جب کوئی فرد اپنے منصب سے گھٹیا اور کمتر کام کرے تو اسے اس کی فضیلت یاد دلائی جاتی ہے کہ وہ کام اس کی شان کے لائق نہیں ہے۔

اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اس برے عمل سے رک جائے اور راہ راست کو اختیار کرے۔ بنی اسرائیل کو بھی ان کی فضیلت کے بارے میں نشاندہی کی جا رہی ہے جو ان میں ان گنت انبیاء و رسل علیہم السلام کے تشریف لانے کی وجہ سے انہیں حاصل تھی۔ حق تو یہ ہے اگر بنی اسرائیل تورات و انجیل کو صحیح معنوں میں ان میں بغیر تحریف و تبدیلی اور تاویل و تفسیر مان لیں تو وہ قرآن پاک کو مان لیں اور وہ اسی اسلام کو قبول کر لیں جو کہ سیدالانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتاتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اے یہودیو ! تم اسلام لاؤ تاکہ تمہاری حفاظت ہو جائے" لیکن جن کا شیوہ ہی مخالفت خالق کائنات اور رحمتہ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو اور اسی میں اپنی برتری اور عظمت متصور کرتے ہوں ان پر بھلا پند و نصائح کا اثر ممکن کہاں ہے۔ جو خود ہی اپنے شنیع اعمال کی قید سے رہائی نہ چاہتا ہو اسے کون رہائی دلا سکتا ہے ؟ اسرائیلی اسلام دشمنی روز افزوں بڑھتی چلی گئی۔ ابن مردویہ میں ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ "جب کبھی کوئی یہودی کسی مسلمان کو تنہائی میں پاتا ہے تو اس کے دل میں اس کے قتل کا قصد پیدا ہوتا ہے" بنی اسرائیل اور ان جیسے اعمال بد کے مرتکب افراد اپنے اوپر خود ہدایت و نعمت کے دروازے بند کر لیتے ہیں۔ جو شخص اپنے اوپر ہدایت کے دروازے بند کرے تو اس کے لئے جہنم کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

حاصل بیان

☆ جب کسی فرد یا قوم میں منفی رخ پر کوئی خاص طرز فکر و عمل سرایت کر جاتا ہے تو اس سے پیچھا چھڑانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ منفی رخ کی زد میں سب سے پہلے علمائے حق اور بزرگان دین لائے جاتے ہیں جو عام لوگوں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مابین وسیلے کا کام دیتے ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر قانع نہ رہنا اور اپنی خواہشات کے مطابق

اشیاء کی چاہت اور ان کے لئے کوشش انسان کو ایک دن تباہ و برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔ یہ چاہت بھری سوچیں اور تڑپ دنیاوی کجلاہوں اور سرخیلوں کی غلامی کا پھندا انسان کے گلے میں ڈال دیتی ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ' اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولی الامر منکم کے ساتھ کٹ حجتی کا مظاہرہ اور ان کے حضور بے ادبی کا ارتکاب دنیا و آخرت میں گھاٹے کا سودا ہے۔

☆ ایسے ماحول میں جہاں لوگ غیر شرعی امور کے مرتکب ہوتے ہوں ان پر راضی رہنے والا اگرچہ وہاں سے ہزاروں میل دور ہو پھر بھی وہیں سمجھا جاتا ہے اور ان پر راضی نہ ہونے والا وہاں موجود ہوتے ہوئے بھی وہاں حاضر نہیں سمجھا جاتا۔ اس لئے غیر شرعی باتوں پر نہ قولاً رضامندی کا اظہار کیا جائے اور نہ عملاً۔

☆ سب سے پہلا کافر شیطان تھا۔ اس نے تکبر کیا تھا۔ یہی کفر کی جڑ ہے جب کسی بڑے کو چھوٹا تسلیم نہیں کرتا تو اس سے تکبر پیدا ہوتا ہے اس لئے اپنے بڑوں کی زندگیوں پر ہر دم نگاہ رہنی چاہیے تاکہ کفر و شرک اور تکبر و غرور سے بچا جا سکے۔

عقل تقاضا کرتی ہے کہ غیر سے بچنے کے لئے بزرگان دین سے ناطہ استوار کیا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راستہ ملے۔ چاہتوں کی غلامی سے گلو خلاصی کرائی جائے تاکہ شرک و کفر اور ظلم و ستم اور غرور و تکبر سے بچا جا سکے۔ صاحبان حق سے کٹ حجتی اور وریدہ دہنی سے پیش نہ آیا جائے اور ان کے ساتھ ہر حال میں راضی رہا جائے۔

☆☆☆☆☆☆

باب نمبر ۴

یَاَھْلَ الْکِتٰبِ

اے اہل کتاب !

اہل کتاب کون ہیں ؟

اللہ تبارک و تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بعد جن کو قرآن پاک میں مخاطب کیا ہے وہ اہل کتاب ہیں۔ اہل کتاب وہ لوگ ہیں جو کسی کتاب خداوندی کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد متعدد انبیاء اور مرسلین علیہم السلام تشریف لائے اس سلسلے میں سب سے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ اس کے بعد نبوت بنی اسمٰعیل میں منتقل ہو گئی۔ اور رب ودود نے اپنے محبوب کو رحمتہ للعالمین اور رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنا کر قیامت تک لوگوں کے لیے معیار مطلق بنا کر بھیجا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا۔ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مابین تقریباً چھ سو سالوں کی مدت ہے اور اس عرصے کے دوران کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی بعثت سے قبل توریت جس کا عبرانی زبان میں مطلب شریعت ہے اور زبور جس کا لغوی مطلب پارہ یا ٹکرا ہے دراصل تورات کا ہی ایک حصہ اور ٹکڑا تھی۔ ان میں حسب منشا خواہشات نفسانی کی تسکین و تکمیل

کے لئے ردو بدل کیا جا چکا تھا اور اب وہ توراۃ اور وہ زبور نہیں تھی جو کہ خدائے قدوس نے حضرت موسیٰ اور حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی۔

دین عیسوی کی چوٹ خواہشات یہود پر

جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر انجیل نازل ہوئی تو انہوں نے دین مسیحی کی دعوت دینا شروع کی۔ انہوں نے علی الاعلان یہود کی بدعات' مشرکانہ رسومات' ظالمانہ خصائل اور بد دینی کے خلاف جہاد لسانی شروع کر دیا۔ اس تبلیغ حق کی براہ راست زد یہود کی خواہشات نفسانی پر پڑتی تھی جن کو انہوں نے دین کا درجہ دے رکھا تھا۔ وہ اس بات کو قبول کرنے سے قاصر تھے کہ چاہت اور غرض و غایت کی وہ کھیتی جس کی آبادی انہوں نے خدائے جبار و قہار کی ناراضگی مول لے کر کی تھی اجاڑ و ویران ہو جائے۔ ان میں سے وہ تھوڑے سے لوگ جو حق کو تسلیم کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے وہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور مسلمان ہو گئے' لیکن اکثریت مخالف و دشمن ہو گئی۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے حواریوں کے خلاف سازشوں کا جال بچھا دیا۔

نصرانیوں کی صفت خبیثہ پھر عود کر آئی

حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی رفع الی السماء کے بعد نصاریٰ جو کہ اصل میں بنی اسرائیل ہی کی نسل سے تھے کی دیرینہ خصلت و سرشت عود کر آئی اور انہوں نے بھی یہود کی طرح انجیل میں دل پسند تبدیلیاں کر دیں اور جو حکم الٰہی ان کی خواہشات کا قاطع اور جو فرمان ان کی چاہت کی راہ میں رکاوٹ تھا اس میں انہوں نے تحریف کر دی تاکہ من مانی کر سکیں۔ عیسائیت کی مذہبی تاریخ خود اس امر پر شاہد ہے کہ پہلی صدی عیسوی سے چوتھی صدی عیسوی کے اوائل تک عیسائیوں میں اکیس سے زیادہ انجیلیں الہامی یقین کی جاتی تھیں۔ لیکن ۳۲۵ عیسوی میں نالیسیا کی کونسل نے ان میں سے صرف چار کو بذریعہ فال منتخب کر کے باقی سب کو متروک کر دیا۔

سولہویں صدی میں روما کے قدیم کتب خانے سے متذکرہ متروک انجیلوں میں سے ایک انجیل جس کا نام برنابا ہے ملی تھی۔ اس میں خاتم الانبیاء رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بکثرت بشارتیں موجود تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم پاک احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مرقوم تھا۔ علاوہ ازیں موجودہ چاروں انجیلوں متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کے متعلق اہل علم جن میں نصاریٰ بھی شامل ہیں کا اتفاق ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی انجیل نہیں ہے۔ سعید بن بطریق اسکندری ۴۰۰ ہجری کے قریب گزار ہے۔ اس نے اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے کہ قسطنطین بانی قسطنطنیہ کے زمانے میں اس کے حکم سے نصرانیوں کا اجتماع ہوا اس میں دو ہزار سے زائد لاٹ پادری تھے۔ ان سب میں دین مسیحی کے بارے میں شدید اختلاف موجود تھا۔ کسی بات پر ستر یا اسی پادریوں سے زیادہ اتفاق نہ کرتے تھے۔ دس کا اگر ایک عقیدہ ہوتا تو بیس کا دوسرا خیال ہوتا اور چالیس کچھ اور کہتے تھے۔ ان تمام شرکاء میں سے بمشکل تمام تین سو اٹھارہ لاٹ پادری ایک قول پر جمع ہو سکے۔ بادشاہ نے اسی عقیدے کو لے لیا اور باقی کو چھوڑ دیا۔ موجودہ دور میں انجیل کے لئے لفظ بائبل بھی بولا جاتا ہے ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ بائبل میں نیا اور پرانا دونوں عہد نامے شامل ہیں اور انجیل سے صرف نیا عہد نامہ ہی مراد لیا جاتا ہے۔ انجیل پر کسی مترجم یا موئف کا نام نہیں ہوتا۔ اگر دریافت بھی کیا جائے کہ اس کا متن کس نے لکھا ہے تو اس کے ماننے والے بتا نہیں سکتے۔

قرآن پاک میں جہاں بھی اہل کتاب کا لفظ استعال کیا گیا ہے وہاں اس سے یہود ونصاریٰ دونوں مراد ہیں کیونکہ رحمتہ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے وقت یہی لوگ سب سے زیادہ گمراہی و ضلالت کا شکار تھے۔ لہذا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں اہل کتاب کو مختلف مقامات پر مخاطب کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

(۳۷) اے اہل کتاب ! تم ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں کیوں جھگڑتے

ہو ؟ حالانکہ تورات و انجیل تو ان کے بعد ہی نازل کی گئیں۔ کیا تمہیں عقل نہیں ہے ؟ (سورۃ آل عمران آیت ۶۵)

(۳۸) اے اہل کتاب ! تم باوجود قائل ہونے کے پھر بھی دانستہ کیوں کفر کر رہے ہو۔ (سورۃ آل عمران آیت ۷۰)

(۳۹) اے اہل کتاب ! باوجود جاننے کے حق و باطل کو کیوں خلط ملط کر رہے ہو اور کیوں حق کو چھپا رہے ہو؟ (سورۃ آل عمران آیت ۷۱)

(۴۰) اے اہل کتاب ! اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ اور اللہ پر بجز حق کے اور کچھ نہ کہو۔ مسیح عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) تو صرف اللہ کے رسول اور اس کی حکم ہیں۔ جسے مریم (علیہ السلام) کی طرف ڈال دیا گیا اور ان کے پاس کی روح ہے ۔ پس تم اللہ کو اور اس کے سب رسولوں کو مانو۔ او نہ کہو کہ تین اللہ ہیں۔ اس سے باز آجاؤ کہ تمہارے لئے بہتری ہے۔ صرف اللہ ہی معبود ہے۔ اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ اس کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ کام بنانے والا ہے۔ (سورۃ النساء آیت ۱۷۱)

(۴۱) اے اہل کتاب ! یقیناً تمہارے پاس ہمارا رسول آچکا جو تمہارے سامنے کتاب اللہ کی اکثر وہ باتیں ظاہر کر رہا ہے جنہیں تم چھپا رہے تھے اور اکثر درگزر کرتا رہتا ہے۔ تمہارے پاس خدا کی طرف سے نور اور واضح کتاب آچکی ہے جس کے ذریعے اللہ انہیں جو رضائے رب کے درپے ہوں سلامتی کی راہیں بتاتا ہے اور ظلمت سے نور کی طرف لاتا ہے اور صراط مستقیم کی طرف رہبری کرتا ہے۔ (سورۃ مائدہ آیت ۱۶-۱۵)

(۴۲) اے اہل کتاب ! بالیقین ہمارا رسول تمہارے پاس رسولوں کی آمد کی تاخیر کے زمانہ میں آپہنچا جو تمہارے پاس صاف صاف بیان کر رہا ہے تاکہ تمہاری یہ بات نہ رہ جائے کہ ہمارے پاس تو کوئی بھلائی سنانے والا آیا ہی نہیں۔ بس اب تو یقیناً

خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا آپہنچا۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (سورۃ مائدہ آیت ۱۹)

ان آیات مبارکہ کے علاوہ تین اور مقامات ہیں جہاں لفظ قل کہہ کر اہل کتاب کو مخاطب کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

(۴۳) فرمادیں اے اہل کتاب ! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں۔ پس اگر وہ منہ پھیرلیں تو فرمادیں کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔ (سورۃ آل عمران آیت ۶۴)

(۴۴) فرمادیں اے اہل کتاب ! تم ہم سے صرف اس وجہ سے دشمنیاں کر رہے ہو کہ ہم اللہ پر اور جو کچھ ہماری جانب نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ اس سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ایمان لائے ہیں اور بے شک تم میں سے اکثر فاسق ہیں۔ (سورۃ مائدہ آیت ۵۹)

(۴۵) فرمادیں اے اہل کتاب ! اپنے دین میں ناحق غلو و زیادتی نہ کرو اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو پہلے بہک چکے ہیں اور بہتوں کو بہکا بھی چکے ہیں اور سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں۔ (سورۃ مائدہ آیت ۷۷)

خلاصہ آیات

ان آیات مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اہل کتاب کو مختلف امور کے کرنے سے منع فرمایا جارہا ہے اور ان کو بعض حرکات پر سرزنش فرمائی جارہی ہے تاکہ وہ کفر کے اندھیروں اور خواہشات کے تاریک غاروں سے نکل کر اللہ کی رحمت و خوشنودی کے روشن ایوانوں میں چلے آئیں' ان کی گوشمالی کرنا اس لئے بھی لازمی تھا کیونکہ ان کے اقوال و افعال نے ثابت کردیا تھا کہ انہوں نے اپنے ماضی

سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا تھا اور جو شخص یا قوم اپنے ماضی سے سبق نہ لے وہ حال پر اصلاح کا انکار کرتی ہے۔ اور جو کچھ ماضی میں منکرین کے ساتھ ہو چکا ہوتا ہے اس کی ساتھ بھی وہی ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے کرتوت سے رک جائیں مبادا ان کے چہروں کو بھی اصحاب سبت کی طرح مسخ کر دیا جائے اور ان کے گلوں میں لعنت کا طوق ڈال دیا جائے۔

مختلف امتوں میں سید الایام اور اس کی حرمت و فضیلت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی امت میں عبادت الٰہی کے لئے جمعۃ المبارک کا دن مقرر فرمایا تھا لیکن حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے زمانے میں یہود بنی اسرائیل نے اپنی روایتی کج روی کی بنا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اصرار کیا کہ ان کے لئے ہفتہ کا دن عبادت کے لئے مقرر کر دیا جائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے لئے ہفتہ کو جمعہ کا قائم مقام بنا دیا اور اس کی حرمت کو لازم قرار دے دیا کہ اس دن خرید و فروخت زراعت و تجارت اور شکار حرام ہو گا۔ اور صرف عبادت الٰہی ہی کی جائے گی۔ چنانچہ بنی اسرائیل سے اس امر پر میثاق لیا گیا۔ طویل عرصہ تک تو یہود بنی اسرائیل اس عہد پر قائم رہے لیکن رفتہ رفتہ اس کی خلاف ورزی شروع کر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد پاک سے کافی عرصہ بعد بنی اسرائیل کی ایک جماعت بحر قلزم کے کنارے آباد ہو گئی۔ مچھلی ان کا قدرتی شکار تھا۔ اور وہ اس کا کاروبار کرتے تھے۔ قدرت خدا کی مچھلیاں چھ دن تو اپنی جان بچاتی پھرتی لیکن یوم سبت کثرت سے پانی پر تیرتی نظر آتیں اور ہاتھ سے باسانی پکڑی جا سکتی تھیں۔ کچھ عرصہ تو یہود اس کو دیکھتے رہے پھر بہک گئے چنانچہ انہوں نے یہ حیلہ کیا کہ جمعہ کی شام کو قلزم کے قریب گڑھے کھود لیتے اور دریا سے گڑھوں تک نہر نکال لیتے۔ جب ہفتہ کے دن مچھلیاں تیرنے لگتیں تو وہ دریا کے پانی کو کھول دیتے۔ مچھلیاں ان گڑھوں میں چلی جاتیں۔ اور اتوار والے دن ان کو نکال کر کام میں

لاتے۔ رفتہ رفتہ یہ حیلہ جو جماعت اللہ کے احکام سے قطعاً غافل ہو گئی۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امر کی دو اقسام ہیں۔ امر ربی اور نفس امارہ کا امر۔ ظن کی اتباع خواہشات نفسی کے تابع بنا دیتی ہے اور نفس امارہ اس پر سوار ہو جاتا ہے۔ بنی اسرائیل کے ساتھ بھی ایسا ہوا۔ چنانچہ مہلت کے قانون نے گرفت کی صورت اختیار کر لی۔ انہوں نے جس اللہ تبارک و تعالیٰ کے فرامین کو اپنے حیلوں بہانوں کے ذریعے مسخ کر دیا تھا اسی طرح ان کی شکلیں مسخ کر دی گئیں۔ ان کو بندر اور خنزیر بنا دیا گیا اور وہ شرف انسانی سے محروم کر دیئے گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ معذب گروہ کے نوجوان بندر کی شکل میں اور بوڑھے خنزیر کی صورت میں مسخ ہوئے۔

اے فاسقو ! مومنین کی دشمنی سے رک جاؤ

اس واقعہ کی یاد دہانی کے بعد اہل کتاب کو بتایا جا رہا ہے کہ اب سب سے آخر میں میں نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا ہے جو لوگوں کو ظلمت سے نور کی طرف لاتا ہے' اب تم یہ نہیں کہہ سکتے ہو کہ ہمیں ظلمت کدوں سے نکالنے والا کوئی آیا نہیں۔ لہٰذا اپنی پرانی روش کو بھول جاؤ اس سے توبہ کرو اور نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان پر ایمان لانے والے مومنین کی دشمنی سے رک جاؤ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے دشمنوں کو دفع کر دے گا۔ ارشاد ہوتا ہے

(۴۶) بے شک سچے مومنوں کے دشمنوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ ہٹا دے گا کوئی خیانت کرنے والا ناشکرا اللہ کو ہرگز پسند نہیں۔ (سورۃ حج آیت ۳۸)

اللہ تبارک و تعالیٰ اہل کتاب کی خصلت و سرشت سے کماحقہ واقف ہے لہٰذا فرماتا ہے کہ ان میں اکثر لوگ فاسق ہیں۔ فاسق کون لوگ ہوتے ہیں۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ اس ضمن میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کی کئی نشانیوں میں سے پہلی یہ ہے کہ فاسق وہ لوگ ہیں جنہیں اچھائی کا علم ہو گیا ہو اور پھر بھی

اسے قبول نہ کریں۔ دوسری نشانی یہ ہے کہ وہ فرمان الٰہی کے خلاف بات کہتے ہیں اور تیسری نشانی یہ ہے کہ وہ مان کر نہیں مانتے۔ جو بالکل نہ مانے وہ کافر ہوتا ہے اور اس کی ایک سزا ہے لیکن فاسق کی سزا دوگنا ہے۔ لہٰذا فاسق کو راہ نہیں دکھائی جاتی اس لئے اس کی بخشش بھی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ علم کے باوجود نہیں مانتا۔ جیسے یہودی حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بالکل پہچانتے تھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں سابقہ کتب میں واضح طور پر مرقوم تھا لیکن وہ مانتے نہیں تھے۔ ان کے برعکس کفار جانتے نہیں اس لئے وہ فاسقوں کی نسبت بہتر ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے یہود و نصاریٰ کا انحراف

بنی اسرائیل میں اور اس سے قبل جتنے بھی انبیاء پیغمبر اور رسل علیہم السلام لوگوں کی رشد و ہدایت کے لئے مبعوث کئے گئے تھے وہ سب وحدانیت کے داعی و مبلغ تھے۔ لیکن اہل کتاب نے اپنے انبیاء و رسل علیہم السلام کی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر ایک اللہ کے کئی کئی اللہ بنا لیے۔ اور اللہ کے بندوں اور غلاموں کو اس کے بیٹے بنا دیا قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا۔

(۴۷) یہود کہتے ہیں عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی کہتے ہیں مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ قول صرف ان کے منہ کی بات ہے اگلے منکروں کی بات کی یہ بھی ریس کرنے لگے۔ انہیں اللہ غارت کرے کیسے پلٹائے جاتے ہیں۔ (سورۃ توبہ آیت ۳۰)

حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ بنانے کی وجہ یہ ہے کہ جب بخت نصر نے بیت المقدس کو تاخت و تاراج کیا تو بنی اسرائیل کے تمام مردوں' عورتوں اور بچوں کو جانوروں کی طرح ہنکا کرلے گیا اور تمام توارت کے نسخوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ بنی اسرائیل کے پاس نہ تو کوئی توریت کا حافظ تھا اور نہ ہی کوئی نسخہ بچا تھا۔ جب عرصہ دراز کے بعد انہیں بابل کی اسیری سے نجات ملی تو توریت سے قطعاً محروم ہو چکے تھے چنانچہ اسے حاصل کرنے کی فکر دامنگیر ہوئی اس وقت حضرت عزیر علیہ السلام نے

دوبارہ توریت مرتب کر کے دی۔ بنی اسرائیل بے انتہا خوش ہوئے اور رفتہ رفتہ اس قدر و منزلت نے گمراہی کی شکل اختیار کر لی انہوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہنا شروع کر دیا اور اس کی دلیل وہ یہ دیتے تھے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے ہم کو توریت لا کر دی تھی تو الواح پر رقم تھی مگر عزیر علیہ السلام نے اپنے سینہ کی لوح سے اس کو ہمارے سامنے نقل کر دیا۔

یہود کے مقابل نصاریٰ نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا دیا۔ نصاریٰ نے زعم کیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جوہر واحد ہے تین اقنوم والا پس وہ جوہر ہونے میں ایک ہے اور اقنوم ہونے میں تین ہے اور ان تین اقنوم میں سے ایک باپ ہے۔ دوسرا بیٹا اور تیسرا روح القدس ہے۔ نیقاوی کی کونسل منعقدہ ۳۲۵ عیسوی اور قسطنطنیہ کی کونسل منعقدہ ۳۸۱ عیسوی کے مطابق ثالوث (تثلیث) کو مسیحی عقیدہ کی بنیاد تسلیم کیا اور فیصلہ دیا کہ "اب" اور ابن' اور "روح القدس" جدا جدا مستقل اقنوم (اصل ہیں) اور عالم لاہوت میں تینوں کی وحدت ہی اللہ ہے۔ اگر حقیقت کی آنکھ سے دیکھا جائے تو دین مسیحی کی حقیقی صداقت کی تباہی کا راز اسی الحاد اور مشرکانہ بدعت کے اندر نہاں ہے۔ اور جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے وہ کافر ہو گئے۔ قیامت کے روز حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے سوال ہو گا کہ کیا تم نے اپنی اور اپنی والدہ کی عبادت کا حکم لوگوں کو دیا تھا ؟ آپ علیہ السلام صاف طور پر انکار کر دیں گے۔ عیسائیوں کا اس ضمن میں کوئی ضابطہ نہیں۔ بے طرح بھٹک رہے ہیں۔ بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خود خدا مانتے ہیں اور بعض شریک خدا مانتے ہیں۔ بعض خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ کچھ عجیب نہیں کہ اگر دس نصرانی جمع ہوں تو ان کے خیالات گیارہ ہوں۔

یہود و نصاریٰ کی اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے انبیاء علیہم السلام کے خلاف محاذ آرائی

جو قوم اللہ قادر مطلق کے بارے میں دریدہ دہنی کرنے سے ہچکچاہٹ و شرم محسوس نہ کرتی ہو وہ انبیاء و رسل علیہم السلام کے بارے میں اپنے خبث باطن کا اظہار کرنے میں کیوں جھجک اور تردد سے کام لے گی۔ لہٰذا اہل کتاب نے اللہ کے پیارے اور مقبول و برگزیدہ بندوں کے بارے میں بھی جو منہ میں آیا بکواس کی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل کتاب کو خطاب کرتے ہوئے سب سے پہلے انہیں اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جھگڑنے سے روکا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ یہ قطعاً پسند نہیں فرماتے کہ کوئی بھی شخص اس کے خلیل علیہ السلام، اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اس کے مقبولین کے بارے میں گستاخی ، بد تمیزی کرے۔ اور غلط سلط قیاس آرائیاں کرتا پھرے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام کے دادا تھے اور یہود اپنے دین کی نسبت حضرت اسرائیل علیہ السلام کی جانب کرتے اور بنی اسرائیل ہونے کی حیثیت سے اس پر فخر کرتے تھے۔ تو ان کا یہ کہنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے کس قدر مضحکہ خیز تھا۔ کیا پوتے کے دین کے متعلق کسی طرح یہ کہنا درست ہو سکتا ہے کہ عرصہ دراز کے بعد دادا کا دین پوتے کے دین کے تابع تھا۔ اور نصاریٰ ان کو اپنے میں سے کہتے تھے۔ آپس میں بحث مباحثے کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے اور نہ ہی توریت تھی جہاں تک نصرانیت کا تعلق ہے تو یہ صدیوں بعد ظہور میں آئی تھی۔ لیکن اتنی واضح بات بھی ان کی کھوپڑیوں میں نہیں آتی تھی۔ لہٰذا قرآن پاک میں اس کی واضح تردید آگئی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے اور نہ ہی نصرانی بلکہ وہ تو ملت حنیفا پر تھے۔ حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نے کیا خوب بیان فرمایا ہے۔

کافران اندر مرے بوزینہ طبع آفتے آمد درون سینہ طبع

ترجمہ : کافر لوگ جھگڑا کرنے میں بندر کی خصلت رکھتے ہیں اور ان کی خصلت

سینہ میں چھپی ہوئی ایک آفت ہے۔

اگر اہل کتاب کے کردار و افعال اور اقوال کی تاریخ مرتب کی جائے تو ایسے ایسے حیرت زا' روح فرسا اور بھیانک انکشافات منظر عام پر آئیں کہ دنیا حیران و ششدر رہ جائے وہ لوگ جو اپنے ناصحین اور اللہ عزوجل کی مکرم و کریم ہستیوں کے ساتھ مخلص و پرخلوص نہیں وہ بھلا اور کسی کے ساتھ کیا ہوں گے۔ انہوں نے اپنے انبیاء و رسل علیہم السلام پر بے شمار تہمتیں' بہتان اور الزامات لگائے کہ زبان زیب نہیں دیتی کہ ان کو دہرایا جائے۔ لیکن ان کی ظاہری شان و شوکت اور کھوکھلی علمیت کو طشت از بام کرنے کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کی خباثت و رذالت کا مختصراً ذکر کر دیا جائے۔

ہمارے آقا و مولا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی اسمٰعیل میں سے تھے۔ بنی اسرائیل' بنی اسمٰعیل کو یہ طعن دیا کرتے تھے کہ وہ ایک لونڈی کی اولاد میں سے ہیں۔ اس لئے وہ ہم سے کمتر ہیں۔ وہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لونڈی یا باندی سمجھتے تھے۔ حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شاہ مصر کی بیٹی تھیں جو اس نے حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کرامات دیکھ کر پیش کی تھی اور کہا تھا۔ "میری بیٹی کا اس گھر میں لونڈی ہو کر رہنا دوسرے گھر میں ملکہ بن کر رہنے سے بہتر ہے۔" اس کے پس منظر میں جو ان کی خباثت کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ کسی طرح (نعوذ باللہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کم درجے کا ثابت کیا جائے۔ قرآن پاک کے مطابق حضرت داؤد علیہ السلام صاحب شوکت بادشاد کے ساتھ ساتھ جلیل القدر پیغمبر بھی ہیں لیکن یہود ان کو صرف داؤد بادشاہ مانتے ہیں اور ان کی نبوت و رسالت کا اقرار نہیں کرتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کے متعلق ان شیطان صفت اہل کتاب نے یہاں تک کہہ دیا کہ (نعوذ باللہ) آپ علیہ السلام نے اپنی بیویوں کی خاطر بت پرستی بھی کی ہے۔ یہود حضرت یحییٰ علیہ السلام کے سرے سے منکر ہیں لیکن نصاریٰ ان کو صرف یسوع مسیح کا منادی تسلیم

کرتے ہیں۔ اور ان کے والد محترم حضرت ذکریا علیہ السلام کو صرف کاہن مانتے ہیں۔ یہود حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو مفتری و کاذب کہتے ہیں۔ (استغفراللہ) اور اس لئے فخر کرتے ہیں کہ انہوں نے یسوع مسیح علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا۔

تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کو ماننا بر حق ہے

اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو اہل کتاب کسی نبی اور کسی رسول کو نہیں مانتے۔ حالانکہ تمام انبیاء علیہم السلام کو ماننا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ "لا نفرق بین احد من رسلہ"۔ (ہم فرق نہیں کرتے کسی میں اس کے رسولوں سے) حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس طرح اگر کسی نے درخت کے پتوں کو پکڑا ہوا ہو تو کہتا ہے کہ میں نے درخت کو پکڑا ہوا ہے۔ اگر درخت کی شاخ کو پکڑا ہو تو کہتا ہے کہ میں نے درخت کو پکڑ رکھا ہے اور اگر درخت کے تنے کو تھامے ہوئے ہو تو پھر بھی یہی کچھ کہا جاتا ہے میں نے درخت کو پکڑ رکھا ہے۔ سب انبیاء علیہم السلام ایک ہی درخت کے رکن ہیں۔ لیکن بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔

وہ لوگ جو انبیا و رسل علیہم السلام کو ہی نہ مانیں وہ ان کے لائے ہوئے دین کی پرواہ کیسے کر سکتے ہیں۔ چنانچہ دین میں اہل کتاب کی لغو و زیادتی اور تحریف و تبدیلی اظہر من الشمس ہے۔ لہذا انہوں نے اس میں حق و باطل کو خوب خلط ملط کیا۔ اور جی بھر کر کیا اور حد سے تجاوز کر گئے۔ میرے شیخ فرماتے ہیں کہ تین قسم کے لوگ ہیں جن کی بات تسلیم نہیں کرنی چاہئے اول وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے۔ دوئم وہ لوگ جو ہمیشہ اپنی خواہش و چاہت کو پیش نظر رکھتے ہیں اور سوئم وہ لوگ جو حد سے تجاوز کرتے ہیں۔ حد سے تجاوز کرنے والے کون لوگ ہیں؟ فرمایا حد سے تجاوز کرنے والے وہ لوگ ہیں جو یہ جانتے ہوئے بھی کہ فلاں کام نہیں کرنا چاہئے اسے پھر کریں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی مرضی میں اپنی مرضی کو داخل کریں۔ یہ لوگ اگر

قرآن پاک بھی سنائیں تو ان کی بات نہیں ماننی چاہئے کیونکہ اگر مانو گے تو ضرور کسی نہ کسی وقت دھوکا کھاؤ گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(۴۸) اور اس کا کہا نہ ماننا جس کا دل اللہ کے ذکر سے غافل ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور جس کا کام حد سے گزر چکا ہے۔ (سورۂ کہف آیت ۲۸)

یہود و نصاریٰ دونوں واقعہ صلیب و قتل پر متفق ہیں۔ اس سے انصاریٰ نے یہ عقیدہ وضع کیا ہے کہ دنیا کی پہلی ہستی حضرت آدم علیہ السلام (نعوذ باللہ) گناہگار تھے اور ساری دنیا گناہگار تھی۔ اس لئے اللہ کی صفت رحمت نے ارادہ کیا کہ دنیا کو گناہوں سے نجات دلائے چنانچہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام یہود کے ہاتھوں سولی پر چڑھے اس طرح آپ علیہ السلام نے ماضی و مستقبل کے تمام گناہوں کا کفارہ ادا کیا اور دنیا کی نجات کا باعث بنے اور یوں انہوں نے باطل عقیدہ کفارہ کو اپنے دین میں داخل کیا۔ اس کے بعد قسطنطین نے جو لاٹ پادریوں کا ۴۰۰ ہجری میں اجتماع کیا تھا اس میں امانت کبریٰ کا مسئلہ گھڑا گیا جو دراصل بدترین خیانت ہے۔ ان لوگوں کو ملکانیہ کہتے ہیں۔ پھر دوبارہ ان کا اجتماع ہوا اس وقت جو فرقہ بنا اس کا نام یعقوبیہ ہے۔ پھر تیسری دفعہ کے اجتماع میں جو فرقہ معرض وجود میں آیا اس کا نام **نسطوریہ** ہے۔ یہ تینوں فرقے اقانیم ثلثہ کو حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے لئے ثابت کرتے ہیں ان میں باہم دگر اختلاف ہے اور ہر ایک دوسرے کو کافر کہتا ہے اس طرح عیسائی حد سے گزر گئے انہوں نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو نبوت سے بڑھا کر خدائی تک پہنچا دیا۔ بجائے اطاعت کے ان کی عبادت کرنے لگے۔ ان کا عیسائی بزرگان دین کے بارے میں بھی عقیدہ خراب ہو چکا ہے۔

مسلمانوں کے خلاف اہل کتاب کی سازش

اپنی دیرینہ بدباطنی کے پیش نظر اہل کتاب چاہتے تھے کہ مسلمان جو اللہ کے

محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے تھے ان کو بہکا دیں۔ چنانچہ مومنین کو اطلاع دی جا رہی ہے کہ ان کی ریشہ دوانیوں سے بچ کر رہو۔ ارشاد ہوتا ہے۔

(۴۹) اہل کتاب کی ایک جماعت کی چاہت ہے کہ تمہیں گمراہ کر دیں دراصل وہ خود اپنے تئیں گمراہ کر رہے ہیں اور سمجھتے نہیں (سورۃ آل عمران آیت ۶۹)

مسلمانوں کو راہ راست سے ہٹانے اور بہکانے کے لئے اہل کتاب نے یہ صورت اختیار کی کہ صبح ایمان لے آیا کریں گے۔ مسلمانوں کے ساتھ نمازیں پڑھیں گے اور شام کو مرتد ہو جایا کریں گے اس کا یہ اثر ہو گا کہ جاہل لوگوں کے دل میں خیال گزرے گا کہ یہ لوگ ...... اہل کتاب جو آسمانی کتب کا علم رکھتے ہیں پلٹ گئے ہیں انہوں نے یقیناً اس دین میں نقصان یا برائی دیکھی ہو گی۔ شاید ان میں سے کوئی ہماری طرف لوٹ آئے۔ یہ لوگ مسلمانوں کو جاہل کہتے تھے۔ حالانکہ بذات خود پرلے درجے کے گمراہ، کم عقل اور بھکے ہوئے تھے۔ لیکن مئے وحدت کے مستانوں اور شمع رسالت کے پروانوں پر ان کی اس چال کے کامیاب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور نہ کبھی ہو گا۔ اہل کتاب کے یہ لوگ فجار ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"کلا ان کتب الفجار لفی سجین ۝" (سورۃ التطفیف آیت ۷)

یقیناً فجار کا اندراج سجین میں ہے۔ فجار وہ لوگ ہوتے ہیں جو حق کا انکار کرتے ہیں اور انکار میں دوسروں کو بھی اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ راہ نہیں دیتا۔ اور وہ ہمیشہ بے نیل و حرام رہتے ہیں۔

گناہوں اور برائیوں کا حقیقی علاج اور اہل کتاب کی بدبختی

اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت دیکھیں ...... اس کی بخششیں ملاحظہ کریں ...... اور اس کی محبت کا اندازہ لگائیں جو اسے اپنی مخلوق سے ہے کہ وہ نہیں چاہتا کہ اہل کتاب جنہوں نے اپنی ذات پر ان گنت ظلم کئے ہیں۔ جنہوں نے اپنے رب کو ناراض

کیا ہے ..... جنہوں نے اس کے انبیاء و رسل علیہم السلام کو اذیتیں اور دکھ دیئے ہیں۔ دوزخ کا ایندھن بنیں۔ وہ ان کی تمام تقصیریں، تمام خطائیں، تمام گناہ، تمام برائیاں معاف کرنے والا ہے اگر وہ اس کے محبوب نور مجسم محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان لے آئیں اور تقویٰ اختیار کریں۔ فرمان ربی ہے۔

(۵۰) اگر یہ اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان کی تمام برائیاں معاف فرما دیتے اور ضرور انہیں جنت نعیم لے جاتے۔ (سورۃ مائدہ آیت ۶۵)

اللہ غفور الرحیم نے گناہوں اور برائیوں کی نفی کرنے کے لئے دو چیزوں پر زور دیا ہے۔ ایک ایمان اور دوسرا تقویٰ۔ اس لئے ان کے بارے میں جاننا ضروری ہے کہ ان میں ایسے کیا رموز اور حکمتیں پنہاں ہیں جس سے بڑے سے بڑے گناہ معاف فرما دیئے جاتے ہیں۔ صاحب لولاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت کا زبان و دل سے اقرار جس پر عمل کی شہادت کی مہر ثبت ہو اور صرف اللہ وحدہ لا شریک کی تصدیق کا نام ایمان ہے۔ ان کے بغیر ایمان نہیں۔ اسی عرفان رسالت و توحید سے ہی کفر و اسلام کی تمیز اجاگر ہوتی ہے۔ میرے شیخ ایمان کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "اللہ کی عظمت کا ماننا قول ہے اور اللہ کے محبوب محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عظمت کو ماننا عمل ہے۔ یہ دونوں مل کر ایمان بنتا ہے۔ اور ایمان کی پہچان یہ ہے کہ اس سے خود بھی اور دوسرے بھی امن سے رہتے ہیں۔" حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایمان کی پہچان کی ایک ہی صورت ہے کہ حال پر اسے محبوب حق سے محبت ہو گی اور اپنی جان سے بڑھ کر ہو گی۔ محب سوائے محبت کے کسی عمل سے نہیں بنتا۔ یہی صورت قلبی امن اور ایمان کے حصول کی ہے۔ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ سچے تقویٰ کی تعریف یہ فرماتے ہیں کہ جس کام کے کرنے کا حق تعالیٰ حکم دے اس کو کرے اور جس کے چھوڑنے کو فرمائے اس کو چھوڑ دے اور اس کے افعال اور مقدرات اور اس کی جملہ آفات و مصائب پر صبر کرے۔ ایک بزرگ سے روایت ہے کہ حقیقی تقویٰ یہ ہے کہ

جو کچھ تیرے دل کے اندر ہے اگر تو اس کو جمع کر کے ایک کھلے ہوئے طباق میں رکھ دے اور اس کو لے کر بازار کا گشت لگائے تو اس میں ایک چیز بھی ایسی نہ ہو جس کو اس طرح عام کرنے پر شرم آئے۔ لیکن اتنی مہربانی و عنایت کے اظہار کے باوجود اہل کتاب اپنی حرکات سے باز نہ آئے اور اسلام دشمنی کو انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد بنا رکھا ہے۔

حاصل بیان

☆ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معیار مطلق بنا کر مبعوث فرمایا تھا لہٰذا ہماری نگاہ ہر دم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر رہنی چاہیے۔

☆ حق کی چوٹ خواہشات کے بتوں پر بڑی شدید ہوتی ہے اس لئے خواہشات کے بندے حق کے راستے میں دائے درمے اور سخنے روڑے اٹکانے لگتے ہیں۔ یہ خود کو بدلنے کی بجائے قرآن پاک کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں اور حق میں اپنی چاہتوں کو داخل کرنے کے راستے تلاش کرتے ہیں۔

☆ حق کی مخالفت کرنے والا ہمیشہ نقصان میں رہتا ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ قانون مہلت کے تحت فوری طور پر اسے گرفت میں نہ لایا جائے۔

☆ فاسق و منافق کے لئے سب سے زیادہ سزا ہے کیونکہ یہ مان کر نہیں مانتا۔ خلاف حق بات کرتا ہے۔ اور اچھائی کے پتے کے باوجود اسے قبول نہیں کرتا۔

☆ اپنے بڑے بزرگوں کے بارے میں ظن گمان کے پاؤں پر کھڑے ہو کر بے سند اور جھوٹی باتوں پر بحث مباحثہ کرنا اور جھگڑنا بندر کی خصلت کے مانند ہے۔ اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کے مقربین کو ادب سے ماننا چاہیے۔ اور ان لوگوں کی بات تسلیم کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ جو اللہ تبارک و تعالیٰ کا ذکر نہ کریں۔ خواہش کے بندے

ہوں اور حد سے تجاوز کرنے والے ہوں حق یہ ہے کہ ہر عمل کے سچے ہونے کی تصدیق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے کی جائے جس کا علم حال پر بزرگان دین کی اتباع سے حاصل ہوتا ہے۔ یہی خیر ہے۔ جہاں خیر کا انکار ہو گا وہاں غیر کو ماننا پڑے گا۔

۹۔ دوستی کی بنیاد شاہدین کی تسلیم و تعظیم پر ہو تو دوستی دائمی ہوتی ہے ورنہ غرض و غایت کی بنیاد پر قائم ہونے والی دوستی بالکل عارضی ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر ۵

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا

اے ایمان والو !

زہد کی پہلی اور آخری منزل

جب کوئی اللہ کا بندہ خدائے لم یزل کی حدود کا احترام کرنے اور اپنے لیل و نہار' افکار و کردار اور اقوال و افعال کو ان کا پابند بنانے کے سعی جمیلہ کرتا ہے تو اس کا رخ منزل تقویٰ کی طرف ہوتا ہے اور جب وہ خالق کون و مکان کی رحمت کے سہارے' آواز غیر سے اپنے کانوں کو بند کیے محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں پر نظریں جمائے ہوئے بلند حوصلگی و اولوالعزمی کی مشعل لیے اس راہ پر گامزن رہتا ہے تو تقویٰ کے شیش محلوں میں بسنے والوں میں جا شامل ہوتا ہے یہی وہ مقام ہے جس کے بارے میں حضرت ابوسلیمان دارنی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح قناعت رضا کی آخری منزل ہے اسی طرح تقویٰ زہد کا پہلا درجہ ہے۔

تقویٰ کے بعد زہد کی منزل ہے جب کسی کے قدم مضبوطی سے مقام تقویٰ پر جم جاتے ہیں تو پھر وہ زہد کے تابناک محلوں کی طرف بڑھنے لگتا ہے اور جب وہ زہد کی تمام فیوض و برکات سے مالا مال ہو جاتا ہے تو سلطنت ایمان میں داخل ہو جاتا ہے۔ جو چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہے۔ جہاں محبوب دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی حکمرانی ہے۔ طمانیت و سکینہ کی مشکبار ہوائیں مشام جان کو معطر کرتی ہیں۔ حزن و ملال کے دھسایوں کا کوسوں نشان نہیں ملتا۔ رب ودود کی رحمتوں کے سمندر

ٹھاٹھیں مار رہے ہوتے ہیں۔ قرب الٰہی کے مدہوش کن جلوے ہر سو رقص کناں ہوتے ہیں یہ وہ سلطنت عظیم ہے جس کے مکینوں پر شیطان کا اغوا ممکن نہیں۔ عباد مخلصین کی سلطنت۔

ایمان زہد کی آخری منزل ہے اور تقویٰ اس کی ابتدائی منزل ہے۔ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ راہ تقویٰ پر قدم بڑھانے سے قبل اس کے مسافر کے لئے ابتدائی صورت یہ ہے کہ وہ سب سے پہلی ان مظالم کی معافی مانگے جو اس نے لوگوں پر کئے ہیں اور ان کے حقوق کے مطالبات سے عہدہ برا ہو جائے۔ اس کے بعد صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے آزادی حاصل کرے اور اپنے دل کے گناہوں کو ترک کرنے میں مشغول ہو' کہ دل کے گناہ ہی تمام گناہوں کی اصل بنیاد ہیں۔ دل ہی سے دوسرے اعضاء میں گناہوں کی تحریک ہوتی ہے جیسے ریا و نفاق' عجب و تکبر' حرص و طمع' مخلوق سے امید' جاہ و مرتبت' اپنے ہم نفسوں پر تفوق و برتری کے گناہ (کہ ان کی جڑ دل ہے) ان تمام کو ترک کرنے کی طاقت خواہشات نفس کی مخالفت سے پیدا ہوتی ہے' اللہ تعالٰی کے حکم کی موجودگی میں (اس کے خلاف) کسی چیز کو پسند نہ کرے۔ اور نہ اللہ تعالٰی کی تدبیر کے ساتھ اپنی کسی تدبیر کو کام میں لائے' اور نہ اپنی تدبیر کو تدبیر الٰہی پر ترجیح دے۔ اپنے رزق میں کسی سبب اور وجہ کو تلاش نہ کرے۔ خلق کے انتظام میں اللہ تعالٰی کے کسی حکم پر اعتراض نہ کرے۔ ہر چیز کو اللہ تعالٰی کے سپرد کر دے اور اس کا مطیع و فرمانبردار بن جائے۔ اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دے اور اللہ تعالٰی کے دست قدرت میں ایسا بن جائے جیسے مردہ غسال کے ہاتھ میں مسلوب الاختیار ہوتا ہے۔ بندوں کی نجات اور رستگاری صرف اسی طریقہ میں ہے۔

معانی تقویٰ

بزرگان دین کے نزدیک تقویٰ کے معنی ہر اس چیز سے نفرت اور بیزاری ہے جو دل میں متعین ہو یا وصول الی اللہ میں مانع آئے۔ بعض مشائخ کہتے ہیں تنزیہ القلب

عن ذنب بسبق عنک مثلہ یعنی اس گناہ سے دل کو بچانا جس کی مثل آگے تجھ سے صادر نہیں ہوا تاکہ تمہارے اندر ترک گناہ کے عزم سے ہر قسم کے معاصی سے بچاؤ اور حفاظت پیدا ہو جائے۔ جب بندہ ترک معاصی کا پختہ عزم کرلیتا ہے اور دل کو ترک معاصی پر مضبوط کرلیتا ہے تو ایسے عزم اور ارادے والے شخص کو متقی اور اس عزم و مضبوطی کو تقویٰ کہتے ہیں۔ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ تقویٰ کے جامع ترین معنی یہ بیان فرماتے ہیں کہ ہراس شے اور کام سے اجتناب کرنا جس سے دین کو نقصان پہنچنے کا خوف ہو اور جو شخص ہر خلاف شرع امر سے اجتناب کرے تو ایسا ہی شخص درحقیقت متقی کہلانے کا حقدار ہے مختصراً یوں کہا جاسکتا ہے کہ دین میں ہر نقصان دہ چیز سے اجتناب و پرہیز کرنا تقویٰ ہے۔ حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عاشق آئینہ باشد روئے خوب　　　صیقل جان آمداز تقویٰ القوب

ترجمہ : خوبصورت ہی آئینہ کا عاشق ہوتا ہے روح کی صیقل دلوں کے تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت یونس بن عبداللہ کا ارشاد ہے کہ تقویٰ ہر مشتبہ چیز سے گریز کرنے اور ہر آن نفس کے محاسبہ کا نام ہے۔

اقسام تقویٰ

حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تقویٰ کی دو اقسام ہیں۔ ایک جو فرض ہے۔ دوسرا وہ جو ڈر اور خوف سے ہو۔ غرض تقویٰ تو معاصی سے بچنا ہے اور خوف اور ڈر کا تقویٰ اللہ تعالیٰ کے محرمات میں شبہات سے بچنا ہے۔ عوام کی پرہیز گاری تو حرام و شبہ کی تمام چیزوں سے بچنا ہے جن کا مخلوق کی نظر میں برا انجام اور شریعت کی طرف سے ان پر مواخذہ ہے۔ اور خواص کی پرہیز گاری ان تمام اشیاء سے الگ رہنا ہے جن میں خواہش (نفس) کا دخل اور نفس کی لذت و رغبت کا شائبہ ہے۔ اور جو خاص الخاص ہیں ان کا تقویٰ ان چیزوں سے بچنا ہے جن میں انسان

کے ارادے اور رائے کو دخل ہو۔ گویا عوام کا تقویٰ ترک دنیا میں ہے۔ خواص کا تقویٰ ترک جنت میں ہے اور خاص الخاص کا تقویٰ ماسوا اللہ تعالیٰ سے ہر شے کا ترک کر دینا ہے۔ اسی ضمن میں حضرت شاہ سید محمد ذوقی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں تقویٰ عوام ترک کفر و شرک ہے۔ تقویٰ متقی ترک معاصی منہیات شرعیہ سے پرہیز اور اجتناب ہے۔ تقویٰ خواص عبادات و ریاضیات میں وسواس کا قلع قمع کرنا ہے اور تقویٰ خواص الخواص یہ ہے کہ ہر دم اور ہر لحظہ ترک ما سویٰ اللہ سے متصف رہے اور خطرہ دنیا کو کسی وقت اور کسی حال میں اپنے قلب میں نہ آنے دے حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ایک تقویٰ ظاہری ہے اور دوسرا باطنی ہے۔ ظاہری تقویٰ یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا دخل ممکن نہ ہو۔

تکمیل تقویٰ

جہاں تک تقویٰ کی تکمیل کا تعلق ہے تو یہ اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک دس باتوں کو پورا نہ کیا جائے وہ یہ ہیں اول۔ غیبت سے زبان کو روکنا' دوئم بدگمانی سے بچنا اور پرہیز کرنا 'سوئم مزاح (ٹھٹھ بازی) سے اجتناب کرنا' چہارم نامحرم سے آنکھیں بند رکھنا' پنجم زبان (گفتگو) کا سچا ہونا' ششم اللہ تعالیٰ کے احسان کو پہچاننا تاکہ مغرور نہ ہو جائے۔ ہفتم۔ راہ حق میں مال کو خرچ کرنا اور ناجائز راستہ میں خرچ نہ کرنا' ہشتم۔ دنیا میں عروج اور غرور کا طالب نہ ہونا' نہم۔ نماز پنجگانہ کی ان کی اوقات میں حفاظت کرنا اور ان کے رکوع و سجود میں پابندی کرنا اور دہم۔ مذہب سنت و جماعت پر قائم رہنا۔ میرے شیخ نے کامل تقویٰ کے اصولوں پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ جو ان پر صدق دل سے کاربند ہو جائے گا متقی ہو جائے گا۔ اور دونوں جہانوں میں متقیوں کی صف میں شمار ہو گا۔ وہ اصول یہ ہیں۔ اول غیبت سے باز رہنا' دوئم نیک گمان رکھنا' سوئم۔ فحش کلامی سے بچنا' چہارم۔ اپنی نظر کی حفاظت کرنا' پنجم۔ زبان کو صفت و ثنا اور درود و سلام میں مصروف رکھنا' ششم۔ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا

کرنا' ہفتم۔ مال اہل توکل کی نظر کرنا کیونکہ وہ صاحب نظر ہیں۔ ہشتم۔ بلند مرتبہ کے ساتھ اپنی مرضی اور خود غرضی سے رہنے سے اجتناب کرنا۔ ایسا کرنا اپنے قیمتی وقت کو ضائع کرنا ہے۔ نہم نماز بزرگان دین کے ساتھ ادا کرنا یہ عمل اولیٰ ہے۔ اور دہم۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کو ماننا اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنا یہ مومن کی شان ہے۔

تقویٰ کی مثال

ایک ایسے شخص کی جس کا تقویٰ کامل تھا حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ علیہ مثال بیان فرماتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت عتبہ رحمتہ اللہ علیہ کو لوگوں نے دیکھا کہ وہ موسم سرما میں پسینے سے شرابور ہیں۔ کسی نے وجہ پوچھی تو کہا کہ یہ مکان وہ ہے جس میں' میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تھی۔ جب ان سے گناہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو بتایا کہ ہاتھ صاف کرنے کے لئے مٹی کا ڈھیلا دیوار سے اکھاڑ لیا تھا اور مالک مکان سے اس کی اجازت نہیں لی تھی۔ یہی ہے وہ تقویٰ اور متقی جن کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں۔

(۵۱) اور اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو۔ سب سے بہتر توشہ تقویٰ ہے۔ اور اے عقلمندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو (سورۃ بقرہ آیت ۱۹۷)

(۵۲) آخر میں بول بالا تقویٰ کا ہے (سورۃ طہٰ آیت ۱۳۲)

(۵۳) اور تقویٰ کا لباس سب سے بہتر ہے (سورۃ اعراف آیت ۲۶)

(۵۴) جان لو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے (سورۃ توبہ آیت ۳۶)

لباس تقویٰ

بزرگان دین فرماتے ہیں ایک لباس تو وہ ہے جو ظاہری جسم کو ڈھانپتا ہے۔ باعث جمال و آرائش ہے اور موسمی اثرات سے محفوظ و مامون رکھتا ہے۔ لیکن اس

کے علاوہ ایک لباس ایسا بھی ہے جو بہت افضل و برتر ہے یہ جمال باطن سے متعلق ہے یہ لباس تقویٰ ہے یہ خلعت و لباس اولیاء اللہ کی حفاظت کرتا ہے تاکہ نفس و شیطان ان پر غلبہ نہ پا سکیں اور ان کے اسرار مخفی رہیں۔ اسی واسطے اس کا نام کلام اللہ میں لباس تقویٰ رکھا گیا ہے۔

یہ لباس اسے نصیب ہوتا ہے جس کی زبان پاک' ہاتھ امین اور قدم طیب ہوں۔ اعضاء و جوارح زیور اطاعت و نظامت سے مزین ہوں۔ صدق و اخلاص اس کا خزانہ ہو۔ اس کا مدار نیت پر ہے۔ بعض بزرگان دین کے نزدیک لباس تقویٰ وہ لباس ہے جو بغیر چاہت اور غرض و غایت کے میسر آئے۔ حضرت ابن جریح رحمتہ اللہ علیہ اس سے مراد ایمان اور حضرت عروہ رحمتہ اللہ علیہ اس سے مفہوم خوف خدا لیتے ہیں۔ حضرت شاہ سید محمد ذوقی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اہل تقویٰ کا لباس اہل دنیا سے گریز اور صالحین کی محبت اختیار کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔" حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "اپنی ساری حالتوں میں تقویٰ اختیار کرو کیونکہ تقویٰ دین کی پوشاک ہے۔" حضرت ابن لجلاء رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ جس کی درویشی میں تقویٰ نہیں ہے ▪ ظاہر میں حرام کھاتا ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ سے زیادہ آسان چیز میں نے نہیں دیکھی' جو چیز دل میں کھٹکی اس کو میں نے چھوڑ دیا۔ حضرت قیس بن ابی حازم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں بہ نسبت عمل کے' عمل کی قبولیت کی طرف تقویٰ کے ذریعے زیادہ سعی کرو۔ تقویٰ کے ہوتے ہوئے کوئی عمل قلیل نہیں ہے اور وہ عمل قلیل ہی کیسے ہو سکتا ہے جو قبول کیا جائے حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کے سیہ گردد ز آتش روئے خوب   کو نہد گلگونہ از تقویٰ القلوب

ترجمہ : خوبصورت چہرہ آگ سے کب سیاہ ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس نے تقویٰ

کا غازہ لگا لیا ہے۔

تقویٰ نہیں تو کچھ بھی نہیں

حقیقت تو یہ ہے کہ تقویٰ ایک نادر خزانہ ہے اگر اسے پا لینے میں کامیاب ہو گئے تو اس میں بیش قیمت موتی و جواہرات ملیں گے اور علم و دولت روحانی کا بہت بڑا خزانہ ہاتھ لگے گا۔ رزق کریم ہاتھ میں آجائے گا' بہت بڑی کامیابی حاصل ہو گی اور ملک عظیم (جنت) کے مالک بن جائیں گے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں میں خطبہ دیا اور فرمایا۔ "سب سے بڑی دانائی کی بات تقویٰ ہے" اور جب خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنانے کا ارادہ فرمایا تو انہیں بلا بھیجا اور فرمایا۔ "اے عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے ڈرنا اور اس کی اطاعت کرنا اور اس کی اطاعت کرنے میں انتہائی تقویٰ سے کام لینا کیونکہ تقویٰ قابل حفاظت امر ہے۔"

تقویٰ سے انسان متقی بنتا ہے اور صرف متقی پر ہی ہدایت کے دروازے کھلتے ہیں اور کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کی نشانی بھی بیان فرما دی ہے کہ وہ کون ہیں ؟ ارشاد ہوتا ہے۔

(۵۵) اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔ متقیوں کے لئے ہدایت ہے۔ وہ لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں۔ اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں اور جو لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر اتارا گیا۔ اور آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں (سورۃ البقرہ آیت ۴ - ۱)

متقی کا مقام و مرتبت

متقی مقام و مرتبت کے لحاظ سے دنیا کے عام لوگوں کی نسبت بہت افضل اور

بلند ہوتا ہے۔ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں بڑے وہی ہیں جو متقی ہوں، نیکوکار ہوں، محتاط ہوں، علم پر عامل ہوں اور عمل میں اخلاص والے ہوں۔ رحمتہ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے اولیاء پرہیز گاروں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہیں۔ پس اگر تم متقی ہو تو خدائے قدوس کے اولیاء ہو اور آخرت میں کامیابی اور عزت بھی انہی لوگوں کا مقدر ہے۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے ان بندوں کا حساب نہیں لے گا جو دنیا میں تقویٰ رکھتے ہیں۔ تقویٰ اختیار کرو ورنہ گردن میں رسوائی (کی رسی) ہو گی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا قیامت کے دن باری تعالیٰ کا قرب پانے والے اہل تقویٰ اور زہاد ہوں گے۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ متقی قیامت کے دن بھی آپس میں دوست ہوں گے، جب کہ غیر متقی لوگوں کی گہری دوستی بھی دشمنی میں بدل جائے گی۔ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ تقویٰ کے فیوض و برکات اور فوائد و محاسن اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ :

☆ متقی شخص کی رب تعالیٰ ثنا کرتا ہے

☆ متقی شخص دشمنوں سے مامون و محفوظ رہتا ہے

☆ متقی شخص کی اللہ تعالیٰ تائید و امداد فرماتا ہے

☆ اہل تقویٰ آخرت کی ہولناکیوں اور وہاں کے شدائد سے نجات میں رہیں گے۔ اور دنیا میں انہیں رزق حلال نصیب ہوتا ہے

☆ متقی کے اعمال کی اصلاح ہو جاتی ہے

☆ تقویٰ کی برکت سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں

☆ متقی اللہ تعالیٰ کا دوست بن جاتا ہے

☆ تقویٰ سے اعمال درجہ قبولیت کو پہنچتے ہیں

☆ تقویٰ کے باعث انسان اللہ تعالیٰ کے ہاں اعزاز و اکرام کا مستحق ہو جاتا ہے۔

☆ متقی لوگوں کو بوقت وصال دیدار الٰہی اور آخرت میں نجات کی بشارت دی جاتی ہے
☆ متقی لوگ آتش دوزخ سے محفوظ رہیں گے
☆ اہل تقویٰ کو ہمیشہ کیلئے جنت میں رہنے کی سعادت نصیب ہو گی

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کتاب متقی نہیں بناتی بلکہ متقی سے متقی بنتا ہے بالکل اس طرح جیسے چراغ سے چراغ روشن ہوتا ہے۔ حضرت میمون بن مہران رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے نفس سے اس طرح سے بھی زیادہ حساب فہمی نہ کرے جس طرح ایک بخیل شریک تجارت اپنے شریک سے کرتا ہے۔

ہدایت یافتہ کی نشانیاں

یہ جاننے کے لئے کوئی ہدایت یافتہ ہے یا نہیں میرے شیخ نے اس کی نشانیاں بیان کی ہیں۔ فرماتے ہیں۔

☆ قول کے اعتبار سے جو ہدایت یافتہ ہو وہ ذو معنی الفاظ نہیں بولتا۔ ادب ملحوظ رکھتا ہے۔ بے مقصد گفتگو نہیں کرتا مثلاً یہ کہنا کہ آج کل مسلمان سب جگہ خوار ہو رہے ہیں۔ یہ ہیں ہی ایسے ایسے وغیرہ اور کسی کو نقصان پہنچانے کے لئے بات نہیں کرتا۔

☆ عمل کی لحاظ سے جو ہدایت یافتہ ہو وہ اپنے عمل کی خود تعریف نہیں کرتا جو ایسا کرتا ہے وہ ہدایت یافتہ نہیں ہے۔ عمل کی حقیقت نیت ہے۔ لہٰذا اس کی نیت درست ہوتی ہے' اگر کوئی قرآن پاک اس لئے سنائے کہ لوگ تعریف کریں اور واہ واہ کہیں تو یہ عمل ہدایت یافتہ کا نہیں ہے۔ دوسرے شخص کی نیت دیکھنے کے لئے کہ درست ہے یا نہیں اس طرح پتہ چلایا جا سکتا ہے کہ وہ اگر جلوت میں لمبے سجدے کرے اور خلوت میں چھوٹے تو یہ ہادی سے محبت کا ثبوت نہیں ہے۔ جب کہ حکم یہ

ہے کہ خلوت میں سجدہ طویل اور جلوت میں سجدہ چھوٹا کرو۔

☆ علم کے لحاظ سے جو ہدایت یافتہ ہو وہ علم کو اپنے شاہد کی طرف منسوب کرتا ہے۔ وہ اپنی بات نہیں کرتا۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ مردان حق کے اندر اجر کا سوال نہیں ہوتا ان کا بولنا بھی علم سے اور سامعین کی بھلائی کے لئے ہوتا ہے۔ خاموشی بھی علم سے اور سامعین کی فلاح کیلئے ہوتی ہے۔ وہ تزکیہ عطا کرنے کا شرف رکھتے ہیں اور وہ ایسا علم رکھتے ہیں جو کسب سے کبھی حاصل نہیں ہوتا۔

عباد **مخلصین** دنیا و آخرت میں فلاح یافتہ ہیں۔ آخرت میں یہ جنت کے وارث ہوں گے دیدار الٰہی سے مشرف ہوں گے اور انبیاء و شہداء کے رفیق ہوں گے۔ دنیا میں ان پر شیطان کا اغوا ممکن نہیں۔ یہی اولی الامر منکم ہیں اور حقیقی حکمران ہیں جن کے سامنے شاہان دنیا کے سر خم رہتے ہیں لیکن جو ان کی صف میں شامل نہیں اگرچہ کہ وہ متقی و زاہد ہی کیوں نہ ہو۔ شیطان اس کو بہکانے کے لئے رنگا رنگ قسم کے جال پھینکتا رہتا ہے۔ لہٰذا اس راہ کے مسافر کو بڑا پھونک پھونک کر قدم اٹھانا پڑتا ہے تاکہ وہ بحفاظت شیطان کی دست برد سے باہر نکل جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

(۵۶) اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت کے بعد گمراہ کر دے۔ جب تک کہ ان چیزوں کو صاف صاف نہ بتلا دے جن سے وہ بچتے رہیں۔ (سورۃ توبہ آیت ۱۱۵)

جس کو اللہ تبارک و تعالیٰ ہدایت دیتا ہے ' اس کو بتا دیا جاتا ہے کہ فلاں کام نہیں کرنا۔ اگر وہ کرے تو گمراہ ہو جاتا ہے اس ضمن میں حضرت طالوت علیہ السلام کا واقعہ سند کا درجہ رکھتا ہے۔ قرآن حکیم میں اس کا ذکر یوں ہے۔

(۵۷) جب حضرت طالوت علیہ السلام لشکر لے کر نکلے تو فرمایا سنو۔ اللہ تعالیٰ

تمہیں ایک نہر سے دیکھنے والا ہے۔ جس نے اس میں سے پانی پی لیا وہ میرا نہیں ہے اور جو اسے نہ چکھے وہ میرا ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھرے۔ لیکن سوائے چند کے باقی سب نے پانی پی لیا۔ حضرت طالوت علیہ السلام ایمانداروں سمیت جب نہر سے گزر گئے تو وہ لوگ (سیر ہو کر پانی پینے والے) کہنے لگے آج تو ہم میں طاقت نہیں کہ جالوت اور اس کے لشکر سے لڑیں۔ اللہ تعالیٰ کی ملاقات پر یقین رکھنے والوں نے کہا۔ بسا اوقات چھوٹی اور تھوڑی سی جماعتیں بڑی اور بہت بڑی جماعتوں پر اللہ تعالیٰ کے اذن سے غلبہ پاتی ہیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (سورۃ بقرہ آیت ۲۴۹)

اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ پابندی کے خلاف جنہوں نے پانی پی لیا گمراہ ہو گئے۔ اس لئے کہ وہ لوگ قول کی حد تک تو اللہ تعالیٰ کا حکم مانتے تھے لیکن عمل میں فیل ہو گئے۔ اسی لیے میرے شیخ فرماتے ہیں کہ جس قول کا عمل شاہد نہ ہو وہ قول سچا ثابت نہیں ہو گا۔ مختصراً یہ کہ فرمان محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے "تقویٰ میرے طریقہ کے بغیر کچھ نہیں" اور جب لوگ تقویٰ و زہد کی منازل طے کرتے ہوئے عباد مخلصین کی قلمرو میں داخل ہو جاتے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جنہیں رب ودود نے "اے ایمان والو" کے نام سے مخاطب فرمایا گیا ہے۔

اس سے پیشتر کہ ان آیات مبارکہ کا ذکر کیا جائے جن میں مومنین کو خطاب فرمایا گیا ہے۔ ایمان و ایقان اور اسلام و مومن کے بارے میں قدرے تفصیلاً بیان ناگزیر ہے تاکہ مومنین کی شان و مقام کا کماحقہ پتہ چلے۔

معانی ایمان

لغت میں ایمان کے معنی دل سے کسی چیز کے تصدیق کرنے اور جس پر یقین ہو اسے حاصل کرنے کے ہیں۔ شریعت میں ایمان کے معنی اللہ تعالیٰ کے وجود کا یقین کرنا۔ اس کے اسماء و صفات کو پہچاننا اور اس پر یقین رکھنا۔ فرائض واجبات اور

نوافل کا ادا کرنا، گناہوں اور معاصی سے اجتناب کرنا ہیں۔ بالفاظ دیگر تصدیق قلبی اور شہادت لسانی کے مجموعے کا نام ایمان ہے۔ ایک صاحب حال بزرگ فرماتے ہیں کہ کلمہ طیبہ کا پہلا حصہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا یہ ہے کہ تمام کام اسی ذات پاک کے لئے کیے جائیں۔ کلمہ طیبہ کا دوسرا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کی یہ صورت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت سے کام کیا جائے کیونکہ معیار تو وہی ہیں۔ بہار شریعت کے مصنف رقمطراز ہیں کہ ایمان اللہ عزوجل اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و تعظیم ہی کا نام ہے۔ ایک مرتبہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایمان کی تعریف پوچھی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "صبر اور دریا دلی" ایک اور مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے "نیکی کی محبت اور برائی کی عداوت ایمان ہے" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک بڑھیا سیدالانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا کرتی تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بہت خوش ہوتے تھے۔ میں نے پوچھا "میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان جائیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بڑھیا کے ساتھ بہت خاطر تواضع کا برتاؤ کرتے ہیں" امام المحبوبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "یہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے زمانہ میں ہمارے پاس آیا کرتی تھی اور فرمایا کہ تجھے علم رہے کہ اس کی محبت بڑے قدر کی لائق ہے" صحیح بخاری شریف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ ایمان قول و فعل دونوں کو کہا جاتا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایمان نیت صالح اور عمل کا جامع ہے۔ پس یہ درخت پھل کے ذائقہ، اپنی خوشبو اور اپنے سایہ ہر سہ صفات کے لحاظ سے حقیقت ایمان کا مظہر ہے۔ یعنی اس درخت کے پھل کا لذیذ ذائقہ نیت صالح، عمدہ خوشبو قول صالح اور راحت بخش سایہ عمل صالح کا مظہر ہے۔ اسی لیے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ایمان کی تشبیہ شجر کے ساتھ دی ہے۔ حضرت سید کرم شاہ فرماتے ہیں کہ ایمان اقرار زبان کے بغیر درست نہیں۔ اور اقرار عمل صالح کے بغیر درست نہیں کیونکہ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ "ہمارے اسلاف ایمان اور عمل میں فرق نہیں کیا کرتے تھے" عمل جزو ایمان اور ایمان جزو عمل سمجھا جاتا ہے۔ اور عمل ایمان کی تصدیق کرتا ہے جس نے زبان سے ایمان کا اقرار کیا۔ دل سے اس کو تسلیم کیا اور عمل سے اس کی تصدیق کی یہی ایسی مضبوط رسی ہے جو ٹوٹ نہیں سکتی۔ اور جس نے صرف زبان سے تو اقرار کیا لیکن نہ اس کے دل نے اس کی حقانیت کو پہچانا اور نہ عمل نے اس کی تصدیق کی تو اس کا ایمان مردود ہو گا اور قیامت کی دن خاسرین کے گروہ میں سے ہو گا۔ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ہمارا اعتقاد ہے کہ زبان سے اقرار دل سے یقین اور ارکان پر عمل کرنے کا نام ایمان ہے" ایمان طاعت سے بڑھتا ہے اور معصیت سے کم ہوتا ہے۔ علم سے ایمان میں قوت آتی ہے اور جہالت سے کمزور ہوتا ہے اور توفیق الٰہی سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔

جزئیات و اقسام ایمان

حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایمان کے دو جز ہیں۔ ایک جز صبر اور دوسرا جز شکر ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں پورے ایمان کے تیس جز ہیں۔ دس کا بیان سورۃ توبہ (براءۃ) آیت ۱۱۲ میں **التائبون** سے **مومنین** تک ہے وہ جز (۱) توبہ کرنی (۲) عبادت کرنی (۳) حمد کرنی (۴) اللہ تعالیٰ کی راہ میں پھرنا (۵) رکوع کرنا (۶) سجدہ کرنا (۷) بھلائی کا حکم دینا (۸) برائی سے روکنا (۹) اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنا اور (۱۰) ایمان لانا ہیں۔ دیگر دس کا بیان سورۃ معارج آیت ۲۲ تا ۳۴ اور سورۃ مومنون آیت ۱ تا ۹ میں **قد افلح** سے **یحافظون** تک ہے وہ جز (۱۱) نماز کو خشوع خضوع سے ادا کرنا (۱۲) لغو اور فضول باتوں اور کاموں سے منہ پھیر لینا (۱۳) زکوٰۃ دینا (۱۴) شرمگاہوں کی حفاظت کرنا (۱۵) امانتداری کرنا

(۱۶) وعدہ وفائی کرنا (۱۷) نماز پر ہیشگی اور حفاظت کرنا (۱۸) قیامت کو سچا جاننا (۱۹) عذابوں سے ڈرتے رہنا اور (۲۰) سچی شہادت پر قائم رہنا ہیں۔ باقی دس کا بیان سورۂ احزاب آیت ۳۵ میں **ان المسلمین** سے **عظیما**" تک ہے وہ جز (۲۱) اسلام لانا (۲۲) ایمان رکھنا (۲۳) قرآن مجید پڑھنا (۲۴) سچ بولنا (۲۵) صبر کرنا (۲۶) عاجزی کرنا (۲۷) خیرات دینا (۲۸) روزہ رکھنا (۲۹) بدکاروں سے بچنا (۳۰) اللہ تعالیٰ کا ہر وقت ذکر کرنا ہیں۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایمان کی جزئیات صرف یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رضا پر ہر دم نظر ہو کہ اس کے خلاف تو بات نہیں ہو رہی اور جو اس پر کاربند ہو اس کی تقلید کی جائے۔

ایمان کی دو معروف اقسام ہیں

اول : ایمان تقلیدی یہ عوام کا ایمان ہے جو بے دیکھے اور بے سمجھے صرف سن کر ایمان لے آتے ہیں اور احکام شرع کی تعمیل میں مصروف ہو جاتے ہیں ایسے لوگ ان لوگوں سے بدرجہا بہتر ہیں جو عقل کے پھندوں میں گرفتار ہو کر شک و شبہ کے مہلک مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور بالآخر جو تھوڑا بہت ایمان رکھتے ہیں وہ بھی کھو بیٹھتے ہیں یا ماورائے عقل امور اسلامی کو توڑ مروڑ کر اپنی ناقص عقل کے مطابق بنا لیتے ہیں اور اسلام کی سچی اور اصلی صورت کو اپنی خام عقل کی خاطر مسخ کر دیتے ہیں۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ فرمان حق نہ عقل سے متعلق ہے نہ تجویز سے' خواہشات کی اتباع سے اجتناب ہو تو تسلیم حقیقی ہوتی ہے۔ اس لئے ایمان تقلیدی خواہ دنیا کے اہل عقول کے نزدیک پسندیدہ اور قابل قبول نہ ہو مگر بارگاہ الہی میں وہی مقبول ہے۔

دوئم : ایمان حقیقی یہ اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے جو جانتے ہیں سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے' اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت تقسیم ہوتا رہا ہے' ہو

رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ مقصود ہر جگہ اللہ کا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ مقصود کو راضی کیا جائے تو موجود راضی ہوتا ہے۔

طریقہ حصول ایمان

ایمان کے حصول کا جو طریق بزرگان دین نے بتایا ہے وہ صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ حال پر ناصح سے محبت ہو تو ایمان کی توفیق ہوتی ہے ورنہ نہیں۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ناصح کی حب کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ محب کا قول اپنا نہیں ہوتا' اعمال بھی اپنے نہیں ہوتے' اس کو دیکھنے سے ناصح کا پتہ چلتا ہے اور ناصح کو دیکھنے سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ وجود دو ہوتے ہیں حقیقت ایک ہوتی ہے محب محبوب کی خلوت ہے محبوب محب کی جلوت ہے۔ اور ماں باپ سے زیادہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہو۔ جب اس نوعیت کی حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہو تو ایمان سینے میں مزین کر دیا جاتا ہے۔ ایمان نصیب ہونے سے کفر فسوق اور عصیان سے کراہت ہو جاتی ہے۔ اس کراہت کی حقیقت شاہد کے حال سے محبت ہوتی ہے۔

ایمان ضعیف ہو یا قوی اس کا مقام قلب ہے۔ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کے قلب میں کچھ بھی ایمان ہوتا ہے وہ مومن سے محبت کیا کرتا ہے اور جس کے دل میں نفاق ہوتا ہے وہ اس سے بغض رکھا کرتا ہے۔ پس کفار' منافق' شیاطین اور ابلیس جو مومنین سے بغض و عناد رکھتے ہیں اس کو ناگوار نہیں سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ ان کے قلوب ایمان سے خالی ہیں۔ لیکن جن کا ایمان قوی اور کامل ہوتا ہے ان کے قلوب حرص و طمع سے پاک ہوتے ہیں۔ حدیث قدسی ہے کہ "میری زمین اور میرے آسمان مجھ کو نہیں سما سکتے لیکن میرے مومن بندے کا دل سما لیتا ہے" اسی بنا پر مومن کا قلب اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔

ایمان اور ایقان لازم و ملزوم ہیں

ایمان کے ساتھ ایقان بھی لازمی ہے۔ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایمان کی ضرورت ہے جو تجھے حق تعالیٰ کے راستہ میں چلائے اور ایقان کی حاجت ہے جو تجھ کو اس راستہ میں ثابت قدم رکھے۔ کیونکہ یقین کے بغیر محض سنی سنائی باتوں کے مان لینے سے الٹی پاؤں لوٹ آنے کا اندیشہ ہے۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ نماز کے دو رکن ہیں۔ پہلا رکن یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔ یہ ایمان ہے۔ دوسرا رکن یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ ایقان ہے یہ دونوں ارکان پاکی سے تعلق رکھتے ہیں۔ رکن ایمان اتنا زبردست ہو جتنا محب کا ایمان ہوتا ہے کیونکہ محب محبوب کو دیکھ رہا ہوتا ہے اور محبوب سب کو دیکھ رہا ہوتا ہے یہ ایمان کامل کی نشانی ہے۔ رکن ایقان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے اللہ تعالیٰ ایک ہے جسے دیکھ رہا ہے وہ بھی ایک ہے اس لئے جس صاحب کا ایمان سے ایقان ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے مانوس ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے مانوس ہونا پاک رہنے سے ہی ممکن ہے۔ حضرت غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ مومن کا جب ایمان قوی ہو جاتا ہے۔ تو اس کا نام صاحب ایقان رکھ دیا جاتا ہے۔ پھر جب اس کا ایقان قوی ہو جاتا ہے تو اس کا نام عارف ہو جاتا ہے۔ پھر جب اس کی معرفت قوی ہو جاتی ہے تو اس کا نام عالم رکھ دیا جاتا ہے۔ اور جب اس کا علم قوی ہو جاتا ہے تو اس کا نام محب قرار دیا جاتا ہے۔ اور جب اس کی محبت قوی ہو جاتی ہے تو اس کا نام محبوب رکھا جاتا ہے۔ اور جب یہ شان محبوبیت صحیح ہو جاتی ہے تو اس کا نام غنی' مقرب و مستانس قرار دیا جاتا ہے۔ کہ حق تعالیٰ کے قرب سے انس پاتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں باری تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۵۸) بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے یہ لوگ بہترین خلائق ہیں۔ (سورۃ بینہ آیت ۷)

اور جن لوگوں کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایمان کو محبوب بنا دیا ہے اور

اسے ان کے قلوب میں زینت دے رکھی ہے ان کے بارے میں فرماتا ہے۔

(۵۹) یہی لوگ راشد ہیں (سورۂ حجرات آیت ۷)

ہر چیز کا ایک معیار ہوتا ہے جس کو سامنے رکھ کر اندازہ لگایا جاتا ہے کہ وہ معیار پر پوری اترتی ہے یا نہیں۔ معیار یہ ہے کہ شاہد سے محبت اپنی جان سے بڑھ کر ہو۔

ایمان کیسا ہی کیوں نہ ہو اس کی حفاظت ناگزیر ہے۔ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب تم ضعیف الایمان و ضعیف الایقان ہوتے ہوئے کسی سے وعدہ کرو تو ہرگز عہد شکنی نہ کرو۔ تاکہ تمہارا ایمان و ایقان ضائع نہ ہو جائے۔ بعض لوگ ایمان کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں حالانکہ ایمان سے عقل و روشنی نصیب ہوتی ہے۔ ابن جوزی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں عقل کی دو قسمیں ہیں اول عقل جسمانی جو مجموعہ حواس ظاہری و باطنی کا نام ہے۔ اور دوئم عقل روحانی جو روح کے حواس ہیں۔ اگر قلب پر مہر ہو تو یہ نہیں کھلتے بلکہ یہ صرف ایمان ہی سے کھلتے ہیں۔ ایمان کا تعلق اسلام سے ہے۔ جو اس دین اسلام پر نہیں اسے دنیاوی لحاظ سے سب کچھ مل سکتا ہے لیکن وہ ایمان و ایقان کی دولت سے مالا مال نہیں ہو سکتا۔

اسلام کی حقیقت

اسلام لفظ استسلام سے مشتق ہے کہ کتاب اللہ' سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی حفاظت کے ساتھ حق تعالیٰ کی قضا و قدر کے سامنے سر جھکانا اور اس کے افعال پر رضا حاصل ہو تو پھر اسلام کا دعویٰ صحیح ہو گا۔ اس کی حقیقت گردن جھکا دینا ہے۔ اللہ والے چون و چرا کو اور اس کو کہ یوں کر اور یوں نہ کر بھلا بیٹھتے ہیں۔ خوف کے پاؤں پر کھڑے ہوتے ہیں اور طرح طرح کی عبادتیں کرتے ہیں۔ یہ مسلمانی ہے میرے شیخ فرماتے ہیں کہ مسلمان کی بنیاد اختلاف پر نہیں ہوتی وہ تو اختلاف سے پاک ہوتا ہے اور اختلاف سے پاک کرنے کا شرف رکھتا ہے۔ اس کے

دو شاہد ہوتے ہیں اس کی زبان برائی سے پاک ہوتی ہے اور ہاتھ امین ہوتا ہے' اس کے قول کا عمل شاہد ہوتا ہے اس لئے اس کی صداقت سے اختلاف کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ لیکن زبانی کلامی اسلام کا شیدائی ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد عالیہ ہے کہ قول کی حد تک ماننے والے' ہونے کے مقام پر ہی راضی رہتے ہیں۔ نہ ہونے کی مقام پر ان کا حال غیر ہو جاتا ہے۔ اور قول بھی تتر بتر ہو جاتا ہے۔ جو نہ ہونے کو ہونا بنالیں ان کے لئے دنیا جنت بن جاتی ہے۔ ہونے پر بزرگان دین شکریہ ادا کرتے ہیں۔ نہ ہونے پر صبر کرتے ہیں' اس طرح انہیں دونوں صورتوں میں معیت خداوندی کا شرف ملتا ہے۔ قول کو عملی صورت دینے کے لئے آسان ترین راستہ یہ ہے کہ جن پر عمل صالح آسان ہے ان کے ساتھ شامل ہو جائے۔ عمل کی وہ توفیق عطا ہو گی جس میں دوام موجود ہوتا ہے۔

اسلام کی طرف رغبت کے لئے خواہشات سے پاک ہونا لازم ہے۔ دین میں تزکیہ پہلا مقام ہے' دوسرے مذاہب میں مقصود خواہشات ہوتی ہیں اس لئے جو خواہشات سے نہ چھوٹ سکیں ان پر اللہ تعالٰی کے فرمان کے مطابق حق بہت بھاری ہوتا ہے۔ دین ہی شرک سے پاک رہنے کا راستہ ہے اور کوئی صورت نہیں ہے۔ جو شخص اپنی پسند اور ناپسند میں پھنسا ہوا ہو اسے غیر کے جال میں گرفتار سمجھیں اور جن کو **مخلصین** سے محبت ہو اس پر شیطان کا اغوا ممکن نہیں۔ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب تیرے پاس اسلام ہی نہ ہو گا تو ایمان بھی نہ ہو گا۔ اور جب ایمان نہ ہو گا تو ایقان بھی نہ ہو گا۔ اور جب ایقان نہ ہو گا تو نہ اللہ تعالٰی کی معرفت ہو گی' نہ اس کی واقفیت۔ یہ درجات اور طبقات ہیں جب تیرا اسلام درست ہو جائے گا تو فرمانبرداری درست ہو جائے گی۔ لیکن وہ لوگ جو ایمان و اسلام کے انوار و برکات سے نا آشنا ہیں اور ان فاسقوں' بد عتیوں' گمراہوں' فکر کے کپڑے پہننے والوں اور ایسی باتوں کا دعویٰ کرنے والوں سے جو ان میں موجود نہیں ہیں لیکن اس کی باوجود ہر لحظہ اسلام اسلام کی رٹ لگائے رکھتے ہیں ان کے اس جھوٹے دعویٰ پر اسلام

رو رہا ہے اور اپنے سر کو تھامے ہوئے فریاد مچا رہا ہے۔

مومن

محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے کہ آدمی کے اسلام کی خوبیوں میں یہ بھی ہے کہ اس کام کو ترک کر دے۔ جو اس کے لئے مفید نہ ہو، جس شخص کا اسلام حسین اور مستحکم ہوتا ہے وہ مفید کاموں پر متوجہ اور غیر مفید سے روگرداں ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ غیر مفید کاموں میں لگنا اہل باطل۔ بوالہوس اور بندگان شیطان کا کام ہوتا ہے۔ کیونکہ جس کا مقصد رضائے خدا اور رضائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ وہ مومن ہی نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھنے سے مومن بنا جا سکتا ہے۔ تو این خیال است و محال است و جنون۔ جب تک نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات عالیہ کے مطابق عمل نہ کیا جائے، کوئی مومن ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں مانتے بظاہر وہ بڑی اچھی بات کہتے ہیں اور سننے والے اس پر سبحان اللہ کہہ دیتے ہیں۔ یہ قول شیطان ہے۔ وہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں مانتا۔ لہٰذا مومن صرف حق بات پر سبحان اللہ کہتا ہے۔

مومن و منافق کی دعوت اور مقام مومن تک پہنچنے کے مدارج

جو شخص فرمان خداوندی کے مطابق ہو جاتا ہے وہ مومن ہے اور پاک ہے۔ میرے شیخ فرماتے ہیں غیر سے پرہیز کرنا اور خیر کے در پر رہنا یہ پاکی ہے۔ اگر کسی میں نفاق کی کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے جس سے مخلوق خدا میں بگاڑ اور فساد ہوتا ہو تو ایسا شخص اپنے ایمان کی شمع گل کر کے منافقین کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ لیکن مومن ہر مقام پر صلح کا پیامبر ہوتا ہے۔ اخوت و مروت سے رہنا یہ اسلامی تعلیمات کا ایک جز ہے اور ایک ایسا جز ہے جس سے عظمت اسلام روشن ہوتی ہے۔ اور اس سے مخلوق کو امن نصیب ہوتا ہے لیکن منافق بگاڑ و فساد کو دعوت دیتا ہے اور بالآخر

اس کا نتیجہ مکمل تباہی ہوتا ہے۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن کے معنی ہیں میل کرانے والا اور یہ ایک مقام ہے۔ اس تک پہنچنے کے لئے درج ذیل مدارج و ابواب سے گزرنا ضروری ہے۔

۱۔	باب المشیت	توبہ کرنے والا
۲۔	باب الحیرت و الھیبت	عبادت کرنے والا
۳۔	باب القدرت	حمد کرنے والے
۴۔	باب الرحمت	روزہ رکھنے والے
۵۔	باب الحکمت	رکوع کرنے والے
۶۔	باب العدالت	سجدہ کرنے والے
۷۔	باب الفضیلت	معروف کا امر کرنے والے
۸۔	باب العزیمت	برائی سے منع کرنے والے
۹۔	باب المرتبت	حدود اللہ کی حفاظت کرنے والے
۱۰۔	باب النہایت	اس مقام پر بشارت عطا ہوتی ہے

ان میں سے نو مقامات متحرک رہتے ہیں اور دسواں ساکن رہتا ہے۔ مومن ایک علم سے بنتا ہے اور یہ اس علم کا نقشہ ہے۔

سچے مومن کی پہچان

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم میں مومنوں کی نشانی اور پہچان بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

(۶۰) مومن تو وہ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پکا ایمان لائیں۔ پھر شک و شبہ نہ کریں اور اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے راہ خدا میں جہاد کرتے رہیں یہی صادق ہیں۔ (سورۂ حجرات آیت ۱۵)

میرے شیخ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رزق میں بسط دے تو بھی علیم اور حکیم

ہے۔ تنگی دے تو بھی وہ علیم اور حکیم ہے۔ تمہیں ہر حال میں اس کی ساتھ پاک رہنا چاہیے۔ یہی ایمان والوں کی نشانی ہے۔ ایک اور مقام پر آپ فرماتے ہیں کہ مومن کو حزن و ملال نہیں ہوتا۔ اگر حزن و ملال ہو تو مومن نہیں ہوتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زانی مومن ہونے کی حالت میں زنا نہیں کرتا۔ اور نہ مومن ہونے کی حالت میں شراب پیتا ہے اور نہ کوئی مومن ہونے کی حالت میں چوری کرتا ہے۔ اور نہ مومن ہونے کی حالت میں اس طرح لوٹتا ہے کہ اس کی طرف لوگ نظریں اٹھا کر دیکھ رہے ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ "تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے مومن بھائی کے لئے وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے"

حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن اپنے نفس' اپنے شیطان اور اپنی خواہشات کی پیروی نہیں کرتا ہے۔

مومن کی شان و عظمت

مومن کی شان بڑی نرالی اور منفرد ہے جو قرآن مجید' کتب احادیث اور فرمودات بزرگان دین میں اپنی پوری تابانی کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ رب ودود ارشاد فرماتا ہے۔

(۶۱) جو لوگ ایمان لائے ان کے قلوب اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں (سورۂ رعد آیت ۲۸)

(۶۲) بے شک مومن تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی آیات سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو زیادہ کر دیتی ہیں۔ اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ جو کہ نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہ لوگ سچے مومن

ہیں۔ ان کے بڑے درجات ہیں۔ ان کے رب کے پاس اور مغفرت ہے اور عزت کی روزی' (سورۂ انفال آیت ۴-۲)

محبوب کبریا رحمتہ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں

☆ بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ "لوگ کرم کہتے ہیں حالانکہ کرم تو مومن کا دل ہے" انہیں سے ایک حدیث مروی ہے۔ "مومن ایک سوراخ سے دوبارہ ڈنگ نہیں کھاتا"

☆ بروایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل کون ہے ارشاد فرمایا۔ "ہر مومن متقی میری آل ہے"

☆ بروایت حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ "مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے"

☆ بروایت حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ "قبر میں مومن سے جس وقت سوال کیا جاتا ہے تو وہ گواہی دیتا ہے "لاالٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ" اس قول ثابت سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کو دنیا و آخرت میں ثابت قدم رکھے گا۔

بزگان دین فرماتے ہیں

☆ مومن کی یہ شان ہے کہ وہ اپنے نفس سے حساب لینے کے لئے کہا کرتا ہے۔ کہ میرے اس بات کرنے سے کیا مقصود ہے؟ اور قدم اٹھانے سے کیا مقصود ہے؟ اور اس نوالہ سے کیا مقصود ہے؟ اور یوں کہہ کر اس کو ادب سکھاتا ہے کہ ایسا کیوں کیا۔ اور کیا یہ کتاب و سنت کے موافق ہے یا نہیں۔

☆ مومن کی یہ شان ہے کہ اگر اس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی نعمتوں سے نوازا ہے تو غرور و تکبر کی بجائے درگاہ الٰہی میں جبیں نیاز جھکا کر اعتراف نعمت کرتا ہے اور دل

و زبان دونوں سے یہ اقرار کرتا ہے کہ خدایا۔ اگر یہ یہ عطا نہ فرماتا تو اس کا حصول میری اپنی قوت و طاقت سے باہر تھا۔ یہ سب تیرے ہی عطا و نوال کا صدقہ ہے۔

☆ مومن تسلیم میں پکا ہوتا ہے اس کا رخ تسلیم کا ہوتا ہے اور جلوت و خلوت میں تسلیم پر قائم رہتا ہے۔

☆ مومنوں کی شان یہ ہے کہ حالات مطابق ہوں یا مخالف ان کے ایمان میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔

☆ مومنین کی یہ شان ہے کہ ان کا رخ مدد کرنے کا ہوتا ہے۔ وہ یہ بھی نہیں پوچھتے کہ کون ہے ؟ کیا ہے ؟ کہاں سے آیا ہے ؟ بلکہ اس کی مدد کرتے ہیں' اگر وہ خود بتائے کہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے تو ٹھیک ہے۔ اگر درخواست میں کوئی سقم ہو درست کر دیتے ہیں۔

☆ قرآن پاک مومن کی شان ہے۔ مومن کا عمل قرآن پاک کی تسلیم ہے مومن کا علم قرآن پاک کی تفسیر ہے اور مومن کا اخلاص قرآن پاک کا انعام ہے۔

☆ مومن کا دل کسی شے سے نہیں لگتا۔ جس کی بدولت عطا ہو رہی ہے۔ اس سے لگتا ہے اور اس کے حوالے سے معطئی مطلق کے ساتھ لگتا ہے۔

☆ دنیا مومن کے ہاتھ میں ہے اور دین مومن کے دل میں ہے۔

☆ مومن نہ تو کسی کو منہ پر طعنہ دیتا ہے اور نہ پیٹھ پیچھے اس کے عیب بیان کرتا ہے۔

☆ مومن مثبت رخ پر بڑے مستقل مزاج اور سچے ہوتے ہیں۔

☆ مومن جہاں ہو اسے دو کام ہوتے ہیں اول سبب دنیا اور دوئم حقیقت دین۔ لیکن کافر جہاں ہو اسے صرف ایک کام ہوتا ہے اور وہ ہے سبب دنیا۔

☆ جب مومن مومن سے یا منافق و منکر سے بات کرتا ہے تو اس کی سطح ایک

ہی ہوتی ہے کیونکہ اس کے قول اور عمل میں تضاد نہیں ہوتا مومن دوسروں سے بھی اسی اندازِ سے ملتا ہے۔ جس میں محبت اور دوسروں کے لئے آسانی ہو۔ لیکن اس کے برعکس کافر جب کافر سے کلام کرتا ہے اس کی سطح اور ہوتی ہے اور جب کافر مومن سے بات کرتا ہے تو سطح اور ہوتی ہے۔

مومن کی یہ شان صرف اس کے عمل کی بدولت ہے کیونکہ وہ اپنے قلب اور جوارح دونوں سے عمل کرتا ہے اور اعضاء سے بھی پہلے قلب سے عمل کرتا ہے۔ مومن زندہ ہے اور وہ اللہ عزوجل کے لئے عمل کرتا ہے۔ اس کا عمل ظاہر میں بھی ہے اور باطن میں بھی۔ خلوت میں بھی اور جلوت میں بھی۔ راحت میں بھی اور تکلیف میں بھی۔ اس کی ابتداء نماز فجر سے ہوتی ہے جب کہ ساری کائنات کی بتداء طلوع افتاب سے ہوتی ہے۔

مومن ہی ایک ایسی ہستی ہے جس کی تعریف و توصیف اس کے منہ پر کی جا سکتی ہے ابن سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے میری تعریف میرے منہ پر کی' اور فرمایا مجھے اس بات نے تیری تعریف تیرے منہ کے سامنے کرنے پر آمادہ کیا ہے۔ کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "جب مومن کی تعریف اس کے منہ پر کی جاتی ہے تو ایمان اس کے دل میں بڑھتا ہے" لیکن اس کے برعکس مومن کو برا بھلا کہنا اور اسے ایذا دینا کسی طرح بھی درست و واجب نہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مومن کو برا بھلا کہنا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔ سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مومن کو ایذا دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کعبہ شریف اور بیت المعمور کو منہدم کرنے سے بڑا گناہ ہے۔

مومن جب زندگی کی منزلیں طے کرتا ہوا عہد پیری میں داخل ہوتا ہے' تو اس

پر بہار آجاتی ہے اور اس کا ایمان قوی اور قرب حق کی وجہ سے مخلوق سے بے نیاز ہوتا جاتا ہے۔ اگرچہ کہ وہ ایک ذرہ' ایک لقمہ' اور ایک گدڑی کا بھی مالک نہ ہو' اور جب وہ اس جہان رنگ و بو کی سرحد عبور کر کے آخرت کی سلطنت میں وارد ہوتا ہے تو عطاء خداوندی کے رضاء خداوندی پر لگ جانے کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ محبوب خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا فرمان عالی قدر ہے کہ مومن جب وفات پانے لگتا ہے تو حق تعالیٰ کی عنایات اپنے لئے دیکھتا ہے اور شکر ادا کرتا ہے۔ اسی لئے سید العارفین محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "دنیا مومن کا قید خانہ ہے" بھلا قیدی اپنے قید خانہ میں کس طرح خوش رہ سکتا ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جب بندہ مومن آخرت کی طرف منہ کئے دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس پر فرشتے نازل ہوتے ہیں ان کے چہرے آفتاب کی طرح ہوتے ہیں ان کے پاس جنت کا کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے یہ فرشتے بندہ مومن سے بفاصلہ حد نظر بیٹھ جاتے ہیں موت کا فرشتہ بالین پہ بیٹھ کر کہتا ہے۔ "اے آرام پانے والے پاکیزہ نفس' باہر نکل آ' اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خوشنودی اور مغفرت کی طرف آ" آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "وہ روح اس طرح باہر آجاتی ہے جیسے برتن سے پانی کا قطرہ بہتا ہے" فرشتے اسے فوراً لے لیتے ہیں' جنت کے کفن اور خوشبو میں لپیٹ دیتے ہیں اور اوپر چڑھتے ہیں۔ آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں' فرشتے اس کا استقبال کرتے ہیں۔ اس طرح ساتوں آسمان تک پہنچایا جاتا ہے۔ اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے۔ اس بندے کا نامہ اعمال علیین میں لکھو اور اسے زمین کی طرف لے جاؤ۔ قبر میں اس سے پوچھا جاتا ہے۔ تیرا رب کون ہے ؟ دین تیرا کیا ہے ؟ اور اس ذات اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارے میں کیا کہتے ہو۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے تم میں مبعوث کیا ؟ وہ جواب دیتا ہے پھر آسمان سے ایک پکارنے والا کہتا ہے کہ تیرے بندے نے ٹھیک کہا اس کے لئے جنت کا فرش بچھا دو۔ جنت کا لباس پہنا دو' اور جنت کا ایک

دورازه کھول دو۔ جنت کی خوشبو آنے لگتی ہے اور قبر حد نظر تک کشادہ کر دی جاتی ہے۔ پھر ایک خوبرو شخص اس کی پاس آتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ تجھے بشارت ہو اس مسرت آفرین چیز کی۔ وہ پوچھتا ہے کہ تم کون ہو ؟ کہتا ہے "میں تیرا عمل صالح ہوں" اس وقت بندہ کہے گا۔ اے اللہ "تو ہی مالک یوم الدین ہے"

حضرت غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یوم آخرت مومنین میں سے ہر شخص اپنے ایمان اور تقویٰ کے قدم پر کھڑا ہو گا۔ اور قدموں کا جماؤ ایمان کی مقدار کے مواقف ہو گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ اپنے بندوں سے فرمائے گا کہ تم نے اپنی آخرت کو دنیا پر مقدم رکھا اور میری عبادت کو اپنی خواہشات پر ترجیح دی ہے۔ قسم ہے اپنے عزت و جلال کی کہ میں نے جنت تمہارے ہی لئے پیدا کی ہے اور جب وہ جنت کی طرف جا رہا ہو گا تو اس کا نور اس کی آگے آگے ہو گا۔ محبوب خالق کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دوزخ کی آگ مومن سے کہے گی کہ اے مومن تیزی سے گزر جا کیونکہ تیرے نور سے میرے شعلے سرد پڑنے لگتے ہیں۔ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن کا وہ نور جس سے جہنم کے شعلے سرد پڑنے لگتے ہیں جب وہی نور دنیا میں مومن کا مصاحب ہو گا جو اطاعت گزاروں اور معصیت کاروں دونوں کو ایک دوسرے سے ممتاز کر دیتا ہے تو کیا وہ دنیاوی مصائب کی آگ کو سرد نہیں کر دے گا۔ جس میں تمہیں یقیناً اپنے صبر کی خنکی اور اپنے مولا کی رضا جوئی کی ٹھنڈک محسوس ہونے لگے گی اور مصائب کی سوزش یکسر طور پر فنا ہو کر رہ جائے گی۔ اس لئے کہ مصائب بندے کو خدا سے قریب تر کر دیا کرتے ہیں۔ کیونکہ بندۂ مومن اپنے ایمان کی وسعت و طاقت کے مطابق ہمیشہ ابتلا میں رہتا ہے جس میں جس قدر ایمان کی زیادتی ہو گی اس پر اسی قدر مصائب کا نزول ہو گا لہٰذا تم پر مصائب اور بلاؤں کا نزول ہلاک کر دینے کے لئے نہیں بلکہ اس سے تمہاری آزمائش اور ایمان کی درستگی مقصود ہو گی۔ لہٰذا مومن کی نگاہ میں تین چیزیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ (اولا") احکامات

شرعیہ کی تکمیل کرنا' (ثانیا") شریعت کے ممنوعہ افعال سے مکمل احتراز و اجتناب کرنا اور (ثالثاً") تقدیر پر شاکر و قانع رہنا۔

مومن صرف سید المحبوبین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی غلامی اور اطاعت و اتباع کے طفیل ہی قرب الٰہی کا مقام حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا جب وہ اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے تو وہ ملائکہ سے افضل' مابین المومنین رحمت و برکت' عوام الناس کے لئے شاہد' ناصح اور مینار روشنی اور شیطان کے لئے تازیانہ بن جاتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کا تعلق عرش تا فرش سب کے ساتھ ہوتا ہے لہٰذا اس تعلق کا مجملاً" جائزہ لینا از بس ضروری ہے تاکہ اس ہستی کی پوری تصویر دل و دماغ میں مرتسم ہو جائے۔ جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں سب سے زیادہ مرتبہ خطاب فرمایا ہے۔ اور اپنی کتاب کو اس کے لئے نصیحت' رحمت' ہدایت' شفا اور خوشخبری بنا دیا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اور مومن

تعلق ہمیشہ دو طرفہ ہوتا ہے لہٰذا خدائے رحمٰن اپنے مومن بندے کے ساتھ جو تعلق رکھتا ہے اس کے بارے میں ارشاد فرماتا

(۶۳) اور بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ مومنین کے ساتھ ہے (سورۃ انفال آیت ۱۹)

(۶۴) اللہ تبارک و تعالیٰ ان (مومنین) سے راضی ہے اور یہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے راضی ہیں۔ یہ خدائی لشکر ہے۔ آگاہ رہو' بے شک اللہ کے گروہ والے ہی فلاح پاتے ہیں (سورۃ مجادلہ آیت ۲۲)

(۶۵) ایمان والے اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبت میں بہت شدید ہیں۔ (سورۃ البقرہ آیت ۱۶۵)

(۶۶) جو شخص اللہ تبارک و تعالیٰ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اور ایمان والوں سے دوستی کرے وہ یقین مانے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی جماعت

ہی غالب رہے گی۔ (سورۃ مائدہ آیت ۵۶)

مومن بندہ جو تعلق اپنے مولا کریم سے رکھتا ہے اس کے بارے میں حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب مومن اپنے تمام امور اللہ تبارک و تعالیٰ کے سپرد کر کے یہ عقیدہ قائم کرلیتا ہے کہ رزق کی تمام تر سہولتیں خدا ہی کے قبضے میں ہیں اور جو چیز اس تک پہنچ گئی ہے اس میں کسی بھول کا امکان بھی نہیں ہے۔ اور جو چیز اس کو حاصل نہیں ہوئی۔ اس کا حصول بھی ناممکنات میں سے ہے۔ اور مومن بندہ خدا کے اس حکم پر یقین رکھتا ہے کہ جو شخص اللہ تبارک و تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے لئے راہیں پیدا کر دیتا ہے اور وہی جس جس جگہ سے چاہتا ہے اس کو رزق عطا کرتا ہے اور جو اللہ تبارک و تعالیٰ پر اعتماد کرتا ہے۔ اس کو اللہ تبارک و تعالیٰ بہت کافی ہے۔ لہٰذا مومن بندہ جب تک خدا کے اس قول کا ورد کرتا رہتا ہے تو عافیت و غنا کی حالت میں رہتا ہے ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ مومن اپنے رب کا مطیع اس کی مطابقت رکھنے والا اور اس کے ساتھ صبر کرنے والا ہوتا ہے کہ اپنی لذتوں' اپنے کلام' اپنے کھانے اپنے پہننے اور اپنے سارے تصرفات میں وقف کرتا ہے۔ حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کافرم من گر زیاں کر دست کس در رہ ایمان وطاعت یک نفس

ترجمہ : اگر کسی نے ایمان و طاعت کے راستہ میں تھوڑی دیر کے لئے بھی نقصان اٹھایا ہو تو میں کافر ہوں۔

حضرت رافع طائی کی عرض پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہیں نصیحت کی اور پھر بتایا کہ مومن اللہ تبارک و تعالیٰ کے بندے اور پڑوسی ہیں۔ اللہ کی قسم تم میں کسی ایک کے پڑوسی کی بکری یا اونٹ کو کوئی تکلیف لگ جائے تو وہ پڑوسی اس طرح رات کاٹتا ہے کہ اس کے پٹھے غصے کی وجہ سے پھول جاتے ہیں اور کہتا ہے کہ میرے پڑوسی کی بکری میرے پڑوسی کا اونٹ یعنی رنج کے ساتھ اس کا

تذکرہ کرتا ہے۔ پس اللہ پاک اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اپنے پڑوسی کے لئے غصہ کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومن

مومن کو جو مقام و فضیلت حاصل ہوتی ہے وہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر رحمت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طاعت و اتباع اور محبت کی مرہون منت ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پر کسی اور کی محبت حاوی نہیں ہونی چاہیے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی ایماندار نہیں ہو سکتا' جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ اور اس کی اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو تعلق مومنین کے ساتھ ہے اس کے بارے میں خود خدائے رحیم و کریم ارشاد فرماتا ہے۔

(۶۷) تمہارے پاس ایک ایسے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ہیں جو تمہاری طرح سے ہیں۔ جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے۔ جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں اور مومنین کے ساتھ رؤف اور رحیم ہیں (سورۃ توبہ آیت ۱۲۸)

مومن کی حقیقت حال کے بارے میں محبوب دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالی ہے کہ "مومن کی مسرت چہرے پر ہوتی ہے اور غم دل کے اندر" یہ ان کی قوت ہی کی بات ہے کہ مسرت ظاہر کرتے ہیں مخلوق کے روبرو اور چھپائے رکھتے ہیں غم کو اپنے اور حق تعالیٰ کے درمیان۔ ان کا غم دائمی ہے ان کا غم کثیر ہے۔ ان کا گریہ زیادہ ہے اور ہنستا کم' چونکہ مومن ہر لحظہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے قرب اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضوری میں دست بستہ حاضر رہتا ہے اس لئے حضور صلی

اللہ علیہ و آلہ وسلم کا فرمان ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔

تعلق مابین المومنین

مومنین کے آپس میں تعلقات کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ وہ کیسے ہوتے ہیں ارشاد ہوتا ہے۔

(۶۸) مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مدد و معاون اور دوست ہیں۔ بھلائیاں سکھاتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں نماز کو قائم کرتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تبارک و تعالیٰ بہت رحم فرمائے گا بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ عزیز اور حکیم ہے (سورۃ توبہ آیت ۷۱)

مومنین کی آپس میں دوستی لازوال ہوتی ہے اور باعث خیر و برکت ہوتی ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کی طرح ہے کہ ایک دوسرے کو تقویت دیتا ہے اور اپنی مبارک انگلیوں کو ملا کر دکھایا۔ ایک اور مقام پر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مومن آئینہ ہے مومن کے لئے اور مومن ہمیشہ اپنے بھائی مومن کا سچا خیر خواہ ہوتا ہے۔ حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومنین کو دوست بناؤ اسی میں بھلائی ہے۔

ہر کہ او از ہم زبانے شد جدا   بے نوا شد گرچہ دارد صد نوا

ترجمہ : جو شخص دوست سے جدا ہوا بے سہارا بنا خواہ سو سہارے رکھے۔

مومنین کو آپس میں تعلقات وسیع کرنے کا حکم ہے۔ حدیث پاک ہے "لوگوں سے تعارف بڑھاؤ کیونکہ ہر واقف مومن دوسرے مومن کی شفاعت کرے گا" حضرت

فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن ہر جگہ اور ہر وقت ایک دوسرے کے ساتھ ہوتے ہیں اگرچہ بظاہر ان میں مسافت کیوں نہ ہو۔ آپ کہتے ہیں کہ اگر بوقت جہاد کوئی مومن مریض ہو تو اس کا دل ہر وقت مومنین کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس طرح وہ معنون کے اعتبار سے جہاد میں شامل ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی نیت یقیناً شمولیت کی ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علالت کی وجہ سے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوہ بدر میں شرکت نہ فرمائی لیکن آپ کو بدری صحابہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ میرے شیخ کا فرمان ہے کہ مقربین آپس میں اپنا اپنا حق ادا کرتے ہیں اور خواہش سے پاک رہ کر کرتے ہیں اور مقربین حق میں مودت کے استحکام کی صورت یہ ہے کہ ساتھیوں کو اپنے شاہد کی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور شاہد کی زبان سے ہی پکارتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ، محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین ہی ذی عزت ہیں ان کے علاوہ اگر کوئی عزت دار ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں۔

(۶۹) عزت اللہ تبارک و تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور مومنین کی ہے مگر منافق نہیں جانتے (سورۃ منافقون آیت ۸)

مومن اور ملائکہ

مومنین چونکہ حزب اللہ ہیں، عزت والے ہیں اس لیے ملائکہ نہ صرف ان کے لئے بلکہ ان کے متعلقین کے لئے بھی جو نیک عمل کرتے ہوں استغفار کرتے رہتے ہیں تاکہ اگر کبھی ان سے کوئی بھول ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس پر مواخذہ نہ فرمائے اور معاف فرما دے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(۷۰) حاملان عرش اور اس کے آس پاس کے فرشتے اپنے رب کی تسبیح حمد کے ساتھ کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ایمان والوں کے لئے استغفار

کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو نے ہر چیز کو اپنی بخشش اور علم سے گھیر رکھا ہے۔ پس تو انہیں بخش دے۔ جو توبہ کریں اور تیری راہ کی پیروی کریں تو انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔ اے ہمارے رب تو انہیں ہیشگی والی جنت عدن میں لے جا جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ اور ان کے باپ داداؤں اور بیویوں اور اولادوں میں سے بھی ان سب کو جو نیک عمل ہیں یقیناً تو غالب و باحکمت ہے۔ انہیں برائیوں سے بھی محفوظ رکھ۔ حق تو یہ ہے کہ اس دن تو نے جسے برائیوں سے بچا لیا اس پر تو نے رحمت کر دی۔ بہت بڑی کامیابی تو یہی ہے (سورۃ مومن آیت ۹۔۷)

مومن اور عوام الناس

مومنین بہترین خلائق ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی جماعت والے ہیں ناصحین، شاہدین اور مقربین میں سے ہیں۔ اس لئے انہیں یہ مرتبہ حاصل ہے کہ وہ عوام الناس کے اعمال دیکھیں کہ وہ کیا کرتے ہیں تاکہ انہیں غیر سے توڑ کر خیر سے جوڑ دیں۔ شیطان کے چنگل سے چھڑا کر رحمٰن کے راستے پر ڈال دیں۔ میرے شیخ فرماتے ہیں کہ مومن اپنے آپ سے فارغ اور مخلوق خدا کے لیے مشغول رہتا ہے ایسے محسنین کو کسی قسم کی ایذاء پہنچانا حق نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۱۷) کہہ دیں کہ تم عمل کئے جاؤ تمہارے عمل اللہ تبارک و تعالیٰ آپ دیکھ لے گا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومن (سورۃ توبہ آیت ۱۰۵)

(۲۷) جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایذاء دیں بغیر کسی جرم کے جو ان سے سرزد ہوا ہو۔ وہ بہت ہی بہتان باز اور کھلم کھلا گنہگار ہیں۔ (سورۃ احزاب آیت ۵۸)

حضرت ابوالحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے ایک آدمی کھڑا ہوا اور جوتے بھول گیا۔ دوسرے شخص نے ان کو اٹھایا اور ان کو اپنے نیچے رکھ لیا وہ آدمی واپس آیا اور اس نے کہا

"میرے جوتے رہ گئے ہیں" لوگوں نے کہا "ہم نے نہیں دیکھے" چھپانے والے نے کہا "وہ جوتے یہ ہیں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کے ڈرانے کا کیا جواب دے گا اس شخص نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے تو محض مذاق کے طور پر ایسا کیا تھا" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو مرتبہ یہی فرمایا حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کے جوتے لے کر غائب کر دیئے۔ اور یہ محض مذاق کے لئے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "مومن کو ڈراؤ نہیں۔ مومن کا ڈرانا یا گھبراہٹ میں ڈالنا بہت بڑا ظلم ہے" اگر عام آدمی اپنی نگاہ کثیف سے کسی مومن میں کوئی عیب دیکھتا ہے تو اسے حق نہیں کہ اس کا ڈھنڈورا پیٹتا پھرے۔ حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس نے دنیا میں کسی مومن کے عیب کو چھپایا قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی عیبوں کو چھپائے گا۔

مومن اور شیطان

شیطان نے راندہ بارگاہ ایزدی ہوتے وقت دعویٰ کیا تھا کہ وہ سب کو بہکائے گا چنانچہ اس نے یہ سچا کر دکھایا مگر اس کا جادو مومنین پر نہ چل سکا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس امر کی خود شہادت دیتے ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

(۴۷) ابلیس نے ان کے بارے میں جو سوچ رکھا تھا اسے سچا کر دکھایا یہ لوگ سب کے سب اس کے تابعدار بن گئے سوائے مومنوں کی جماعت کے (سورۃ سبا آیت ۲۰)

اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان مخلصین کے علم سے نا آشنا ہے کیونکہ مخلص خواہشات سے پاک ہوتا ہے اور شیطان کا علم خواہشات پر مبنی ہے۔ اس لیے وہ مومن کے سامنے شکست خوردہ، ریزہ ریزہ اور بدحال و درماندہ ہے۔ چونکہ مومن

شیطان کے ہتھکنڈوں، چالوں، فریبوں اور مکروں سے بخوبی واقف ہوتا ہے اس لئے وہ شیطان پر غالب آنے اور وساوس کے دفعیہ کے لئے ہمہ وقت اس پر **اعوذ با اللہ من الشیطان الرجیم۔ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم** پڑھنے طمع خام سے اجتناب، برے اعمال اور دنیا کو دین پر غالب نہ آنے دینا کے ہتھیاروں سے لیس حملے کر کے اسے گھائل و زخمی کرتا رہتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے جب تم قرآن پاک میں **یا یہا الذین امنوا** سنو تو کان لگا دو اور دل سے متوجہ ہو جایا کرو۔ یا تو کسی برائی سے ممانعت ہو گی یا کسی نیکی کا حکم ہو گا۔ قرآن حکیم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایمان والوں کو اناویں مرتبہ خطاب فرمایا ہے ان آیات مبارکہ کو دس حصوں میں منقسم کر دیا ہے۔

(حصہ اول) آیات متعلقہ شان و عظمت اسلام

(۷۴) اے ایمان والو ! اسلام مین پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی اتباع نہ کرو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (سورۃ بقرہ آیت ۲۰۸)

(۷۵) اے ایمان والو ! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تبارک و تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبوب ہو گی۔ اور وہ بھی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتی ہو گی۔ نرم دل ہوں گے مومنین پر اور کفار پر سخت ہوں گے۔ راہ خدا میں جہاد کرتے رہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ بھی نہ کریں گے۔ یہ ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کا فضل جسے چاہے دے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ بڑی وسعت والا ہے۔ (سورۃ المائدہ آیت ۵۴)

(۷۶) اے ایمان والو ! اپنی فکر کرو جب تم راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ

رہے تو اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے پاس ہی تم سب کو جانا ہے پھر وہ تم سب کو جتلا دے گا جو کچھ تم سب کیا کرتے تھے۔ (سورۃ مائدہ آیت ۱۰۵)

(۷۷) اے ایمان والو ! اگر تم اللہ تبارک و تعالیٰ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔ (سورۃ محمد آیت ۷)

(۷۸) اے ایمان والو ! تم اللہ تبارک و تعالیٰ کے مدد گار بن جاؤ جس طرح حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے حواریوں سے فرمایا کہ کون ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی راہ میں میرا مددگار ہے۔ حواریوں نے عرض کیا ہم اللہ تبارک و تعالیٰ کی راہ میں مددگار ہیں پس بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت تو ایمان لائی اور ایک جماعت نے کفر کیا ہم نے مومنوں کو ان کے دشمنوں کے مقابلے پر مدد دی پس وہ غالب آگئے۔ (سورۃ صف آیت ۱۴)

خلاصہ آیات

ان آیات مبارکہ میں جو اہم نکات بیان فرمائے گئے ہیں وہ یہ ہیں کہ دین اسلام کے ساتھ مخلص و وابستہ رہو۔ اسی کی طرف اپنا رخ رکھو اور ان لوگوں کی قطعاً پرواہ و فکر نہ کرو جو اس سے باغی و گمراہ ہیں۔ بلکہ اپنے افکار و کردار و اعمال سے ہمیشہ اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی مدد کرتے رہو۔

اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ

میرے شیخ کا فرمان ہے کہ خلوص نیت اور محبت کے ساتھ ایک شاہد کے ساتھ لگ جانا ہی اسلام میں پورا پورا داخل ہونا ہے اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اس حقیقت سے آنکھیں چرانا ممکن نہیں ہے کہ شاہد کی زندگی کی روشنی میں ہی صحیح معنوں میں پتہ چل سکتا ہے کہ پورے پورے اسلام میں داخل ہونا کسے کہتے ہیں اور اس کا کیا

مفہوم و مطلب ہے اور معیار کی عدم موجودگی میں جتنا بھی عمل ہو گا وہ محض ظن' گمان اور قیاس پر مبنی ہو گا۔ اپنی خواہش نفس کی اتباع شریعت کے لبادے میں بھی کی جائے تو یہ شیطانی فعل ہے یہ اسلام میں پورا پوار داخل ہونا نہیں ہے۔ اسی طرح اگر مسجد میں کسی کے کپڑوں سے بو آرہی ہو تو اسے کہنا درست نہیں حالانکہ بظاہر بات شریعت کی نظر آتی ہے کہ کپڑے پاک ہونے چاہیں' لیکن یہ شیطانی فعل ہے۔ اسی طرح جب کوئی قرآن مجید پڑھ رہا ہو تو اس وقت وہ واصل باللہ ہوتا ہے۔ اگر اس کا تلفظ کمزور ہو تو بھی اسے ٹوکنا حق نہیں ہے۔ تاوقتیکہ وہ خود نہ پوچھے' اگر کوئی ٹوکے گا تو یہ معصیت ہے۔ ان باتوں کا عرفان شاہد کی زندگی' اس کی بیعت اور اس کی تعلیمات سے ہی حاصل ہو سکتا ہے اور کوئی صورت نہیں ہے۔

جب کسی کا سینہ اسلام کے لئے کھل جاتا ہے تو اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ایک نور پیدا ہو جاتا ہے ارشاد خداوندی ہے **افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ** (بھلا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کشادہ فرمایا ہو وہ اپنے رب کی طرف سے دیئے ہوئے نور پر ہے) (سورۃ الزمر آیت ۲۸) اور یہی ہے وہ نور جس سے مومن دیکھتا ہے۔ لیکن ایک عام شخص کی نگاہ کثیف کی اس مقام تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ جب کوئی شخص اسلام کی حقیقت اور روح سے نا آشنا و بے بہرہ رہتا ہے اور اپنی کثافت کی رہنمائی' خبث باطن کی دلدل اور قلب کی سیاہی کی بنا پر مرتد ہو جاتا ہے۔ تو وہ اسلام کی قوت گھٹا نہیں دے گا۔ مرتد کی مختصرا تعریف یوں کی جا سکتی ہے۔ کہ وہ ایک ایسا شخص ہوتا ہے جو حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف پھر جاتا ہے اس لئے ایسے فرد یا افراد کی پرواہ کئے بغیر مومنین کو اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے پر گامزن رہنا چاہئے اور اپنی فکر میں لگے رہنا چاہئے۔

ایک مرتبہ ابو امیہ شعبانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے اس آیت مبارکہ کے بارے میں جس میں خدائے قدوس فرماتا ہے۔ اے ایمان والو ! اپنی فکر کرو

حضرت ابو ثعلبہ الخشنی رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا "جب لوگ زکوٰۃ نہ دیں' خواہشات کی پیروی کرنے لگیں' دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا شروع کر دیں' ہر شخص اپنی ہی رائے پر اکڑنے لگے اور کسی ناصح کی کچھ نہ سنے تو اس وقت الگ تھلگ ہو جاؤ۔ لوگوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دو" حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو فرمایا۔ "ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ تم خیر خواہی کی بات کہو گے اور لوگ تمہارے ساتھ برا برتاؤ کریں گے۔ اس وقت چپ چاپ دیکھتے جاؤ اور کچھ نہ بولو۔ وہ گمراہ ہو گئے تو تم پر کچھ آنچ نہیں" ایک اور مقام پر ہے کہ ایسے دور میں اپنے آپ نیک عمل کرنے والا گویا پچاس آدمیوں کے نیک اعمال کے برابر اجر پائے گا۔ جب عرض کیا گیا یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! کیا ہمارے پچاس آدمی یا اس گروہ کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ نہیں۔ بلکہ تمہارے پچاس نیک آدمی۔

مومنین اللہ تعالیٰ کی جماعت والے ہیں۔ ان کا اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرنا یہی ہے کہ وہ اس کی اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و اتباع میں رشد و ہدایت کے چراغ روشن رکھتے ہیں۔ دنیا کے جنجال میں جکڑے ہوئے انسانوں پر حق کی راہیں آسان اور روشن کرتے ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ٹوٹے ہوئے لوگوں کو اس سے جوڑنے اور ملانے کا شرف رکھتے ہیں۔ ان کی پاک زندگی پورے پورے اسلام کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ تاکہ جو بھی انہیں دیکھے متاثر ہو' ایمان تازہ ہو' اللہ تبارک و تعالیٰ کی حقانیت کا معترف داعی بنے' محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے سینے کو آباد و منور کرے اور اس کی معیت میں صراط مستقیم پر گامزن ہو۔

(حصہ دوم) آیات متعلقہ مخالفین اسلام اور دشمنان خدا و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوستیاں اور قربتیں رکھنا

(۷۹) اے ایمان والو ! اگر تم اہل کتاب کی اس جماعت کی باتیں مانو گے تو تمہیں تمہاری ایمانداری کے بعد مرتد کافر بنا دیں گے۔ (سورۃ آل عمران آیت ۱۰۰)

(۸۰) اے ایمان والو ! اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل پلٹا دیں گے اور پھر تم خسارے میں ہو جاؤ گے۔ (سورۃ آل عمران آیت ۱۴۹)

(۸۱) اے ایمان والو ! تم اپنا ولی دوست ایمان والوں کے سوا کسی کو نہ بناؤ۔ (تم نہیں دیکھتے کہ دوسرے لوگ تو) تمہاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم دکھ میں پڑو ان کی عداوت تو خود ان کی زبان سے بھی ظاہر ہے اور جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے ہم نے تمہارے لئے آیات بیان کر دیں اگر عقل مند ہو۔ (سورۃ آل عمران آیت ۱۱۸)

(۸۲) اے ایمان والو ! مومنوں کے مقابل کفار کو دوست نہ بناؤ۔ کیا یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تبارک و تعالیٰ کی صاف حجت قائم کر لو۔ (سورۃ نساء آیت ۱۴۴)

(۸۳) اے ایمان والو ! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ انہیں میں سے ہے۔ ظالموں کو اللہ تبارک و تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا۔ (سورۃ مائدہ آیت ۵۱)

(۸۴) اے ایمان والو ! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنائے ہوئے ہیں خواہ وہ ان میں سے ہوں جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے۔ خواہ کفار ہوں اگر تم سچے مومن ہو تو اللہ تبارک و تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ (سورۃ مائدہ آیت ۵۷)

(۸۵) اے ایمان والو ! دوست نہ بناؤ اپنے باپوں کو اور بھائیوں کو اگر وہ کفر کو

اسلام سے زیادہ عزیز رکھیں تم میں سے جو بھی ان سے محبت رکھے وہ ظالموں میں سے ہے (سورۃ توبہ آیت ۲۳)

(۸۶) اے ایمان والو ! میرے اور خود اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ سمجھو۔ تم تو محبت کی بنیاد ڈالنے کے لئے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو اور وہ اس حق کے ساتھ جو تمہارے پاس آ چکا ہے کفر کرتے ہیں۔ رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو اور خود تمہیں بھی محض اس وجہ سے جلا وطن کرتے ہیں کہ تم اپنے اللہ تبارک و تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔ (سورۃ ممتحنہ آیت ۱)

(۸۷) اے ایمان والو ! تم اس قوم سے دوستی نہ رکھو جن پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا غضب نازل ہو چکا ہے۔ جو آخرت سے اس طرح مایوس ہو چکے ہیں جیسے کافر اصحاب قبور سے ناامید ہیں (سورۃ ممتحنہ آیت ۱۳)

خلاصہ آیات

ان آیات مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے مومنین کو کفار، مشرکین، منافقین اور ان باپوں، بھائیوں اور عزیز رشتہ داروں سے دوستی و محبت رکھنے سے منع فرمایا ہے جو دین اسلام کے مخالف و دشمن یا کفر و الحاد و شرک کو اس سے زیادہ بہتر خیال کرتے یا عزیز رکھتے ہیں۔

دشمنان اسلام سے دوستی نہ کرو

دین اسلام میں پورا پورا داخل ہونے کے بعد یہ لازمی ہو جاتا ہے کہ اس کے مخالفین و اغیار سے دوستانہ تعلقات استوار نہ کئے جائیں اور نہ ہی ان کی کسی بات کو در خور اعتنا سمجھا جائے۔ یہ بڑی کھری اور سیدھی سی بات ہے کہ جو شخص خدائے رحیم و کریم کو جس نے اپنے بندوں کو ان گنت اور بیش بہا نعمتوں سے نوازا ہے قولاً اور عملاً نہیں مانتا وہ بھلا مومنین کے ساتھ پر خلوص و خیر خواہ کیسے ہو سکتا ہے یہ

اصولی بات ہے اور ہمارا مشاہدہ اور تجربہ اس پر صاد ہے کہ دوست کا دوست ہمیشہ دوست ہوتا ہے۔ اور دوست کا دشمن دشمن ہوتا ہے اس لئے اگر معاندین اسلام، دشمنان خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عملاً دشمنی کرنے والوں کے ساتھ دوستی کی جائے گی تو یہ ظلم ہو گا اور باعث خسران ہو گا دنیا و آخرت میں۔

دوست پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے دوست کو زندگی میں پیش آنے والے خطرات کے مقامات سے قبل از وقت آگاہ و متنبہ کر دے تاکہ جب کبھی اس کی زیست میں وہ مقام آئے تو دوست بطریق احسن خیر و سلامتی کے ساتھ وہاں سے گزر جائے۔ مومنین رب ودود کے دوست اور حبیب ہوتے ہیں۔ لہٰذا انہیں ان اعداء اسلام کو دوست نہ بنانے کے بارے میں ہدایت فرما کر حق دوستی ادا کیا ہے۔ حالانکہ سچے مومنین کے مقام و مرتبہ اور ان کی شان و عظمت کے منافی ہے کہ وہ ان لوگوں سے دوستیاں کریں جو اللہ ذوالجلال کے دوست نہ ہوں اور جو ایسا کرتا ہے اس کا حقیقتاً کوئی دوست نہیں ہوتا۔

مومن مومن کا دوست و مربی ہوتا ہے۔ کفار، مشرکین اور منافق آپس میں ایک دوسرے کے دوست و بہی خواہ ہوتے ہیں۔ لیکن جب کفار مومنین کی طرف دست دوستی بڑھاتے ہیں تو ان کی یہ دوستی غرض و غایت پر مبنی ہوتی ہے۔ ان کی یہ چاہت اور انتہائی کوشش ہوتی ہے کہ وہ مومنین کو گمراہ کر دیں۔ اور اپنے جیسا بنا لیں اس لئے ان کے ساتھ دوستانہ اور محبت رکھنے۔ ہر وقت ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور ہم نوالہ و ہم پیالہ بننے، ملت اسلامیہ کے بھید ان پر آشکارا کرنے اور پوشیدہ و خفیہ تعلقات استوار کرنے قطعاً منشائے خداوندی کے خلاف۔ اور غیر کے رخ پر ہونے کی دلیل اور سند ہیں۔ اس طرح اپنے آپ پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی حجت قائم کرنا ہے۔ البتہ تبلیغ حق کے لئے اور پاک کرنے کے لئے کفار و منافقین و مشرکین سے جب تک کہ وہ عملاً مومنین کے ساتھ دشمنی کا ثبوت نہ دے چکے ہوں بھلائی اور انصاف پر مبنی تعلق رکھنا ضروری ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے وگرنہ اس بات کی پوچھ ہو گی کہ ان

پر حق روشن کیوں نہیں کیا ؟

حضرت عبداللہ بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ اے لوگو ! تمہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کے ان ناپسندیدہ اشخاص جن کا متذکرہ بالا آیات مقدسہ میں ذکر ہے کی دوستی سے اجتناب و پرہیز کرنا چاہیے۔ اگر ان کی ریشہ دوانیوں، مکروں، فریبوں اور اندورن خانہ سازشوں کو حالات و واقعات کی زبان سے بغور سنیں تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ملت حنیفا کے دشمنوں نے کبھی بھی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے کسی بھی موقعہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور ہمیشہ ان کے خلاف برسرپیکار رہے ہیں۔ انہوں نے دلپذیر رنگوں، حسین رویوں اور پر فریب بھیسوں میں دین اسلام کی تضحیک و تمسخر کو شعار زندگی بنا رکھا ہے۔اور اس کی جگہ بہ جگہ ہنسی مذاق اڑاتے ہیں۔ یہ لوگ خواہ عام کافر، مشرک اور منافق کی شکل میں ہوں یا اپنے باپوں، بھائیوں اور عزیز و اقرباء کے چہرے لئے ہوئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اور مومنین کے ساتھ دشمنی کے بعد ان سے مومنین کا دوستانہ نوعیت کا کوئی رشتہ تعلق اور واسطہ نہیں رہتا۔

ظلم کا راستہ

جو لوگ اسلام کے مقابل کفر و الحاد و شرک کو بہتر خیال کرتے اور عزیز رکھتے ہیں ان کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ظالم قرار دیا ہے۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ کسی خواہش کی تکمیل کے لئے حق کی متعین حدود سے تجاوز کرنے کا نام ظلم ہے اور جو تجاوز کرتا ہے وہ ظالم ہے۔ حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ظالم آں قومیکہ چشماں دوختند وز سخنہا عالمے را سو ختند

ترجمہ : وہ لوگ ظالم ہیں جنہوں نے آنکھیں سی لیں اور باتوں سے جہان کو جلا ڈالا۔

مثل مشہور ہے کہ ظالم کی رسی دراز ہوتی ہے یہ درست ہے۔ مقصد صرف یہ

ہوتا ہے کہ وہ صراط مستقیم کی طرف لوٹ آئے اس کی مثال بالکل ایسے ہی ہے کہ جس طرح اولاد کے بگڑنے اور خراب ہونے پر مہلت دی جاتی ہے اور اسے یکدم عاق نہیں کر دیا جاتا اور یہ اس لئے نہیں کیا جاتا کہ تعلق ہوتا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کی شان تو بہت بڑی ہے۔ جو لوگ رب جلیل کے محبوب احمد مختار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف رہتے ہیں ان کا راستہ ظلم کا ہوتا ہے ان کے اعمال سے آگ پیدا ہوتی ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور نہ ہی یہ اس کی شان کے لائق ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کے دشمن مومنین کے دشمن ہیں

آخر میں جس بات پر زور دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ اس کی تفسیر میں حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح دوست کا دشمن دشمن ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا دشمن مومنین کا دشمن ہے۔ لیکن جو شخص قول کی سطح پر مومنین سے دشمنی کرتا ہے اس کے لئے دعا کی گنجائش ہے اور اس کے ساتھ بھلائی اور انصاف سے پیش آنا چاہیئے۔ مثلاً اگر کوئی کسی مومن کی بات کو قولاً جھٹلاتا ہے وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا دشمن نہیں ہوتا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا دشمن وہ ہے جو عملاً دشمنی کا ثبوت دے اس کی تین نشانیاں ہیں۔

اولاً : اس نے مومنین کو ان کے گھروں سے نکالا ہو

ثانیاً : ان کے ساتھ قتال کیا ہو

ثالثاً : مومنین کو ان کے گھروں سے نکالنے والوں کی مدد کی ہو۔

اس کو تباہی گھیر لیتی ہے اور جب اس کی پکڑ ہوتی ہے تو نہ اس کا مال اس کے کام آتا ہے اور نہ ہی اس کا کسب اس کے کام آتا ہے۔ اور جو اس کا ساتھ دیتا ہے وہ بھی اپنے ساتھ جلنے کا سامان لئے پھرتا ہے۔ ان دشمنان خدا سے جب بات کی جاتی

ہے تو اس طرح کہنا چاہیے۔

☆ اللہ تبارک و تعالیٰ کے مقابل تم جن کی عبادت کرتے ہو ہم ان سے بیزار ہیں۔

☆ تمہارے عقائد سے منکر ہیں جب تک اللہ تبارک و تعالیٰ پر ایمان نہ لاؤ

☆ ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ **واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین** ○ (سورۃ حجرات آیت ۹) یعنی انصاف کرو' اللہ تبارک و تعالیٰ انصاف کرنے والوں کی حب رکھتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ قول سے جو دشمنی کریں ان کو ان کے مقام پر اور جو عمل سے دشمنی کریں ان کو ان کے مقام پر رکھو۔ یہی انصاف ہے مختصراً یہ ہے کہ حد کے اندر رکھنے کا نام انصاف اور حد سے باہر نکلنے کا نام نا انصافی ہے مثلاً تین آدمیوں کی سیٹ ہو اگر درمیان والا آدمی ٹانگیں پھیلائے تو دائیں اور بائیں بیٹھنے والوں کو دقت ہوگی' یہ حد سے بڑھنا ہے۔ ان دشمنان خدا کے بارے میں مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

دشمن ارچہ دوستانہ گویدت   دام دان گرچہ ز دانہ گویدت

ترجمہ : دشمن اگرچہ تجھ سے دوستانہ بات کرے۔ جال سمجھ اگرچہ کہ وہ تجھ سے دانہ کہے۔

حضرت ابو لیعلی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایمان والوں کے علاوہ کسی کو رازدار نہ بناؤ۔ غیر مسلموں کو بھی ایسے امور پر مقرر نہیں کرنا چاہیے کہ دوسروں کو مسلمانوں کے اداروں سے واقف کر دیں۔ اور نہ ہی مشرکوں سے اپنے کاموں میں مشورہ لینا چاہیے۔

(حصہ سوئم) آیات متعلقہ ادب و اطاعت و اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۸۸) اے ایمان والو ! تم راعنانہ کہا کرو بلکہ انظرنا کہا کرو اور سنتے رہا کرو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت ۱۰۴)

(۸۹) اے ایمان والو ! اطاعت کرو اللہ تبارک و تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اور ان کی جو تم میں امر والے ہیں پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اللہ تبارک و تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف رجوع کرو اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخر پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام بہت اچھا ہے (سورۃ نساء آیت ۵۹)

(۹۰) اے ایمان والو ! اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اور ان کا کہنا ماننے سے روگردانی مت کرو۔ اور تم سن لیتے ہی ہو۔ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو دعوے تو کرتے ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ سنتے کچھ نہیں۔ بے شک بدترین خلائق اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں، گونگے ہیں جو عقل نہیں کرتے۔ (سورۃ انفال آیت ۲۲۔ ۲۰)

(۹۱) اے ایمان والو ! تم اللہ تبارک و تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرمان کو بجا لایا کرو جب کہ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تم کو زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہیں اور جان لو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ آڑ بن جایا کرتا ہے۔ آدمی اور اس کے قلب کے مابین اور بے شک تم سب کو اللہ کے پاس جمع ہونا ہے (سورۃ انفال آیت ۲۴)

(۹۲) اے ایمان والو ! جب تم سے کہا جائے کہ مجالس میں ذرا کھل کر بیٹھو تو تم جگہ کشادہ کر دو اللہ تبارک و تعالیٰ تمہیں کشادگی دے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو جاؤ تو تم اٹھ کھڑے ہو جاؤ۔ اللہ تبارک و تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور جو علم دیئے گئے ہیں درجے بلند کر دے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر

اس کام سے جو تم کرتے ہو جانتا اور خبردار ہے (سورۃ مجادلہ آیت ۱۱)

(۹۳) اے ایمان والو ! اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو غارت نہ کرو (سورۃ محمد آیت ۳۳)

(۹۴) اے ایمان والو ! تم اللہ تبارک و تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت میں خلل مت ڈالو اور اپنی قابل حفاظت چیزوں میں خلل مت ڈالو۔ اور تم تو جانتے ہو۔ (سورۃ انفال آیت ۲۷)

(۹۵) اے ایمان والو ! ان لوگوں جیسے نہ بن جانا جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف دی۔ جو داغ وہ لگاتے تھے اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں اس سے بری کر دیا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذی عزت تھے (سورۃ احزاب آیت ۶۹)

(۹۶) اے ایمان والو ! اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقدم نہ کرو اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے (سورۃ حجرات آیت ۱)

(۹۷) اے ایمان والو ! اپنی صوت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صوت سے زیادہ نہ کرو اور نہ ان سے اونچی صوت سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بات کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ (سورۃ حجرات آیت ۲)

خلاصہ آیات

ان آیات مبارکہ کے ذریعے اللہ تبارک و تعالیٰ نے تعلیم امت محمدیہ کے لئے مومنین کو محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ذو معنی الفاظ کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔ رب جلیل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و اتباع میں زندگی بسر کرنے کی ہدایت فرمائی ہے اور مجلسی زندگی کے آداب سکھائے ہیں۔

ذو معنی الفاظ کہنے سے پرہیز کرو

بزرگان دین فرماتے ہیں کہ محبت ادب کا کل ہے یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں اس لئے اگر کسی میں ادب اور محبت دونوں بدرجہ اتم موجود ہوں تو پھر محبوب کبریا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے کوئی ایسا لفظ بولنا جو ذو معنی ہو ممکن ہی نہیں۔ یہودی اور بعض دوسرے گمراہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مخاطب ہوتے وقت اپنی بدباطنی کی وجہ سے کچھ الفاظ دبا کر بولتے تھے اور ان کا مطلب برا لیتے تھے۔ مثلاً وہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خطاب کرتے وقت "راعنا" کہا کرتے تھے۔ اس کے دو مطلب ہیں ایک سنئے یا رعایت کیجئے یا التجا ہے اور دوسرا میرے گڈریئے۔ رعونت اور سرکشی ہے۔ منافق و کفار موخرالذکر مطلب لیتے تھے۔ لیکن مومنین اول الذکر مفہوم لیتے تھے۔ چنانچہ اللہ جل شانہ نے اپنے کلام فرقان حمید میں منافقین و کفار کو راعنا کہنے سے روکا نہیں کیونکہ ان سے اللہ تبارک و تعالیٰ کا کوئی تعلق واسطہ نہیں بلکہ مومنین کو جو اس کے ماننے والے لوگ ہیں تعلیم دی ہے۔ کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ہمکلام ہوتے وقت راعنا کی بجائے "انظرنا" کہا کریں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جب یہود تم کو سلام کرتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور جملہ مومنین کو ملتے وقت سلام کرتے اور السلام علیکم کی بجائے السام علیکم کہتے تھے۔ سام کے معنی موت کے ہیں۔ احادیث میں ہے کہ تم ان کو جواب میں فقط و علیکم کہا کرو۔

حال پر وارثان نبوت' علماء کرام اور صاحب حال بزرگان دین ہیں اس لئے پیران طریقت' شاہدین اور ناصحین کے لئے بھی ایسے لفظ کا استعمال جس کے دو مطالب ہوں قطعاً ناجائز و ناروا ہے۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر صاحبان حق کی عظمت کا اعتراف ہو تو ان کے بارے میں ناقص خیالات کا امکان نہیں ہے۔ کیونکہ صاحبان حق شاہد بھی ہوتے ہیں اور مشہود بھی۔ جب ان کی

عظمت کا علم حاصل ہو اور اس علم کی بدولت جاننے والا عظیم ہو جائے تو اس کا اعتراف حقیقی ہے ورنہ غیر حقیقی ہے۔ الغرض قول و فعل میں پاک اور ناپاک کو ایک جیسا جاننا مومنین کی شان میں گستاخی و بے ادبی ہے اور اپنی آخرت کو برباد کرنے والی بات ہے۔

با ادب بامراد بے ادب بے مراد

حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب کرنے کا سلیقہ اس وقت آتا ہے جب کہ بزرگان دین کی معیت حاصل ہو اور کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ سید ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی الہجویری ملقب داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دین و دنیا کے تمام امور کی زیب و زینت ادب ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ اور ہر قسم کی مخلوق کے ہر قسم کے مقامات سے ہر مقام کے لئے ایک خاص ادب ہے اور لوگوں میں ادب سے مراد مروت کا تحفظ کرنا ہے جب کہ دین میں ادب سے مراد سنت کی حفاظت اور محبت میں' ادب سے مراد حرمت کی حفاظت کرنا ہے مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

از خدا جوئیم توفیق ادب
بے ادب محروم ماند از فضل رب

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

از ادب پر نور گشت ست این فلک
وز ادب معصوم و پاک آمد ملک

ترجمہ : ہم خدا سے ادب کی توفیق چاہتے ہیں بے ادب خدا کے فضل سے محروم رہا۔ بے ادب نے نہ صرف اپنے آپ کو خراب کیا بلکہ اس نے تمام اطراف میں

آگ لگا دی۔ یہ آسمان ادب سے پر نور بنا۔ اور ادب ہی سے فرشتے معصوم اور پاک ہوئے۔ حبیب خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا ارشاد عالیہ ہے کہ حسن ادب ایمان سے ہے اور جو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا ادب کرتا ہے وہ دونوں جہانوں میں بامراد و سرخرو رہتا ہے۔

ایک واقعہ

ایک شرابی سویا پڑا تھا۔ رات کو اسے پیشاب کی حاجت ہوئی۔ جب کرنے بیٹھا تو معاً" خیال آیا کہ کہیں کعبہ شریف اس طرف نہ ہو۔ اس خیال کے آتے ہی اس کا جسم کپکپایا' دوسری طرف منہ کیا' پر یہی حالت ہوئی۔ اسی طرح چاروں طرف کیا۔ پھر خیال آیا خواہ ایک بار سہی منہ ضرور کعبہ شریف کی طرف ہوا ہے۔ بہت رویا صبح ایک شخص آیا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا۔ "تمہیں فلاں بزرگ نے یاد کیا ہے" حیرت و استعجاب سے پوچھا "مجھے ؟" الغرض ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے اسے وضو کروایا اور فرمایا اس ادب کے طفیل جس کا مظاہرہ تم نے رات کیا ہے تم ایسے پاک ہو جیسے بچہ ماں کے پیٹ سے پاک پیدا ہوتا ہے۔

جہاں ادب اور محبت ہو وہاں مودب اور محب کی اپنی کوئی بات نہیں رہتی۔ وہ ہمیشہ وہی کرتا ہے جس سے اس کا محبوب راضی ہو۔ اور وہ قولاً' عملاً' علماً" اور اخلاص سے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے رخ پر رہتا ہے۔ اگر کسی چیز میں اختلاف نمودار ہوتا ہے تو وہ شخص اختلافی مسائل کا تصفیہ کتاب و سنت کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ قرآن پاک فرماتا ہے کہ حق کے بعد جو ہے وہ ضلالت و گمراہی ہے۔ اور جو شخص اپنے اختلاف کا حل کتاب و سنت میں تلاش نہیں کرتا وہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔

اتباع قول و اعمال

اللہ تبارک و تعالیٰ کا کلام جو قرآن حکیم کی صورت میں موجود ہے وہ قول ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عمل کے رتبے پر ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا عمل جو احادیث کی شکل میں موجود ہے وہ عمل ہے۔ لہٰذا قول و عمل دونوں کی اطاعت و اتباع لازمی ہے۔ خدائے رحمٰن اور رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے علاوہ اولی الامر منکم کی اطاعت کرنا بھی حکم خداوندی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ امر کرنے کا اختیار اللہ تبارک و تعالیٰ کو ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہے اور مومنین کو ہے۔ اولی الامر منکم سے مراد حاکم وقت نہیں ہے لیکن اگر حاکم وقت مومن ہو تو پھر وہ بھی اولی الامر منکم میں شامل ہے ورنہ نہیں۔ اگر مومن کسی کو کہہ دے کہ نماز پڑھو اور وہ نہ پڑھے تو اس شخص کی بخشش کا امکان ہی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا نماز پڑھو لیکن اسے نے نہ پڑھی۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا نماز پڑھو۔ اس نے پھر بھی نہ پڑھی۔ اب اگر اولی الامر منکم کا بھی کہا نہ مانا گیا تو کہیں ٹھکانا نہیں ہے کہ اس کے بعد امر کا کوئی مقام ہی نہیں رہتا۔ اسی لیے وہ نماز کا حکم نہیں کرتے۔ کیونکہ اگر کوئی ان کا بھی کہا نہ مان کر حد اصلاح سے گزر گیا تو اللہ تبارک و تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ میں نے تمہیں لوگوں کو جوڑنے کے لئے بھیجا تھا توڑنے کے لئے نہیں۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ حکم کا تعلق ماضی سے ہے۔ امر کا تعلق حال سے ہے اور اذن کا تعلق مستقبل سے ہے۔

امر کا اختیار رکھنے والی برگزیدہ ہستیوں کی محافل و مجالس میں ادب کا تقاضا یہ ہے کہ وہاں خاموش رہا جائے۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جس صاحب حق کا قرب حاصل ہو اس کا شکریہ ادا کیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ اس کا کچھ بنایا جا رہا ہے تو محبت برقرار رہتی ہے ورنہ نفس امارہ سے نجات نہیں ہوتی۔ میرے شیخ کا فرمان ہے اگر اہل قول کی محفل میں بیٹھنے کا اتفاق ہو تو وہاں سوال کرنا حق ہے۔ آپ فرماتے ہیں ان بزرگوں اور مومنین کی محفلوں میں عموماً تین قسموں کے لوگ آتے ہیں۔

(الف) دنیا کے خواہش مند : یہ لوگ صرف دنیا کے جویا و متلاشی ہوتے ہیں جب ان کی مراد بھر آتی ہے تو پھر پلٹ کر نہیں آتے۔ یہ لوگ راستے میں ہی رہ جاتے ہیں۔

(ب) دین کے خواہش مند : یہ لوگ ادھر ادھر سے پڑھ کر آجاتے ہیں اور اس معیار پر بزرگان دین کو پرکھتے ہیں یہ اپنے ہی خیالات میں مقید رہتے ہیں اور ان میں لچک پیدا کرنے کے روادار نہیں ہوتے۔ یہ بھی کچھ عرصے بعد چلے جاتے ہیں۔

(ج) بزرگان دین سے صرف وابستگی کے لئے : یہ لوگ بامراد ہوتے ہیں۔ یہ اس بات پر بھی عمل کرتے ہیں جو سمجھ میں آجائے اور اسے بھی تسلیم کرتے ہیں۔ جس کی سمجھ نہ آئے کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ ان کی اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

مجلسی آداب

مجلسی آداب کا تقاضا یہ ہے کہ نشست و برخاست میں بھی ایک دوسرے کا خیال رکھا جائے مجلس میں جب کوئی آئے تو اسے جگہ دینا حق ہے۔ مجلس میں کشادگی کے بدلے اللہ تعالیٰ کشادگی عطا کرتا ہے کیونکہ ہر عمل کا بدلہ اسی جیسا ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو کسی سختی والے پر آسانی کرے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس پر دنیا و آخرت میں آسانی کرے گا۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے کہ مجھ سے قریب ہو کر عقل مند صاحب فراست لوگ بیٹھیں۔ پھر درجہ بدرجہ اور یہ انتظام اس لئے تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مبارک ارشادات سنیں اور بخوبی سمجھیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ رحمتہ العالمین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تشریف فرما تھے کہ تین شخص آئے۔ ان میں سے ایک محفل کے درمیان خالی جگہ دیکھ کر وہاں آکر بیٹھ گیا۔ دوسرے شخص نے

محفل کے آخر میں جگہ بنا لی اور تیسرا شخص واپس لوٹ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ لوگو ! میں تمہیں تین اشخاص کی بابت خبر دوں۔ ایک نے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف جگہ لی اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے جگہ دی۔ دوسرے نے شرم کی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی اس سے حیا کی۔ تیسرے نے منہ پھیر لیا اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی اس سے منہ پھیر لیا۔ مسند احمد میں ہے کہ کسی کو جائز نہیں کہ دو اشخاص کے درمیان بغیر ان کی خوشنودی کے جگہ لے۔ اللہ والوں اور صحیح علم والوں کا یہی کام ہے کہ وہ خدا کے احکامات کے سامنے گردن جھکا دیں۔ اس سے وہ بلند درجوں کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

مسلوب الفہم لوگ

وہ لوگ جو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولی الامر منکم کی اطاعت سے باہر ہو جاتے ہیں۔ ان پر مصائب و آلام اور حزن و ملال وارد ہونے لگتے ہیں۔ تاریخ عالم شاہد ہے کہ جہاں جہاں بھی یہ صورت نمودار ہوتی ہے۔ وہاں لوگ خاک و خون کے دریاؤں' آہوں اور سسکیوں کے سمندروں' درد اور کرب کے قید خانوں' اور ذلت و رسوائی کے جزیروں سے گزر کر آگ' سانپوں' بچھوؤں اور فنا کی گھاٹیوں میں اتر گئے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جو لوگ خدائے قدوس کے فرمان' تاجدار انبیاء محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولی الامر منکم کی بات کو نہیں سنتے اور مانتے ۔۔ زبان اور کان رکھنے کے باوجود گونگے اور بہرے ہیں۔ بنی آدم کی یہ قسم "فطرتاً" ساری مخلوق سے بدتر ہے۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ انسانی علوم میں ماننا اور منوانا دو مقامات ہیں ماننے سے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور منوانے پر قائم ہو جانے سے ٹھہراؤ کا ہو جانا قدرتی ہے اس لئے جس کی بات ذاتی اغراض و غایات سے پاک ہو اس کی بلاشبہ ماننی چاہیے۔ اس کی حقیقت کا علم ماننے کے بعد ہو گا۔ بزرگان دین کے نزدیک بدترین وہ ہیں جو حق بات

سننے میں بہرے ہیں اور جو حق بات بولتے نہیں وہ گونگے ہیں۔ یہی بے شعور اور مسلوب الفہم ہیں۔ یہ کفار' مشرک اور منافق ہیں اور ان کی مثال ان جانوروں کی سی ہے جو پکارنے والے کی آواز کا مطلب تو کچھ نہیں سمجھتے صرف آواز کو سنتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی امانت میں نہ خلل ڈالو نہ ایذا دو

جہاں تک اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی امانت میں خلل ڈالنے کا تعلق ہے تو اس ضمن میں بزرگان دین نے مختلف تشریحات کی ہیں۔ حضرت عروہ بن زبیر رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ کرو کہ سامنے تو کسی کی مرضی کی بات کرو اور اس کے غیاب میں کسی سے اس کی غیبت یا مخالفت کرو۔ اصل خیانت یہی ہے۔ امانت اسی سے ختم ہوتی ہے۔ حضرت سدی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خیانت یہی ہے کہ آدمی باہمی خیانت کرے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لفظِ امانت سے وہ سارے اعمال مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کر رکھے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ فریضہ کو نہ توڑو۔ ترک سنت نہ کرو اور ارتکاب معصیت سے بچو۔ حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ بلحاظ مضمون یہ آیت قتل حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی پیش گوئی سے متعلق ہے کیونکہ امیر المومنین اور اولی الامر منکم کو فتنہ و فساد پیدا کر کے قتل کر دینا اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خیانت ہے۔ اولی الامر منکم جو کہ سربر آئے سلطنت ہو یا عام رعیت اس کے راستے میں روڑے اٹکانا' اسے ذہنی و جسمانی ایذاء پہنچانا۔ اس کی ادائیگی حقوق اللہ' حقوق الرسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حقوق العباد میں آڑے آنا خواہ وہ بطریق فتنہ و فساد ہو یا طعن و تشنیع یا سب و شتم کی صورت میں ہو یہ سب خدائے رحیم و کریم اور سیدالبشر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی امانت میں خلل

ڈالنے کے مترادف ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے بنی اسرائیل اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذاء دیا کرتے تھے۔

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقدیم میں اعمال کو بربادی ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت کا حق اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و اتباع میں رہنے سے ادا ہوتا ہے اور اطاعت و اتباع کا تقاضا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم بہ قدم رہا جائے اور تقدم نہ کیا جائے۔ قدم بہ قدم رہنے کا علم بزرگان دین سے حاصل ہوتا ہے۔ لغت میں تقدم کا مطلب ہے دوسروں سے پہلے قدم بڑھانا۔ دین میں اس لفظ کا یہ مفہوم ہے کہ جس کام کے کرنے کا جو طریقہ اور وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقرر فرما دیا ہے اس سے تجاوز کرنا۔ مثلاً اگر عیدالضحیٰ کو نماز عید سے قبل قربانی کر دی جائے تو یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقدم ہے۔ اور نہ ہی قربانی سمجھی جاتی ہے۔ المختصر جو عمل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کیا جائے وہ ناقص ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاہد بنا کر بھیجا ہے اس لیے جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقدم کرتے ہیں تو وہ اس طرح اللہ تعالیٰ سے بھی تقدم کرتے ہیں۔

تقدم کی اور بھی کئی صورتیں ہیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کتاب و سنت پر رائے سے تقدم کرنا یہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقدم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کتاب و سنت کے خلاف نہ کہو۔ حضرت ضحاک رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ امر دین اور احکام شرعی میں بجز خدا کے کلام کے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کے تم کسی اور چیز سے فیصلہ نہ کرو۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کسی قول و فعل بین اللہ عزوجل اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث

کے سوا تم کسی اور چیز سے فیصلہ نہ کرو اور سبقت نہ کرو۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں تقدم کی چار صورتیں ہیں۔

اولاً : **تقدم بالقول** یہ ہے کہ اپنے قول کو شاہد کے قول پر ترجیح دی جائے

ثانیاً : **تقدم بالعمل** یہ ہے کہ اپنے عمل میں شاہد کے عمل سے زیادہ زینت نظر آئے۔

ثالثاً : **تقدم بالعلم** یہ ہے کہ اپنا علم شاہد کے علم سے بہتر نظر آئے۔

رابعاً : **تقدم بالاخلاص** یہ ہے کہ جب اپنا اخلاص شاہد کے اخلاص سے اعلیٰ نظر آئے۔

سورۃ حجرات آیت ۲ میں جو بات بیان فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صوت سے اپنی صوت پست رکھو ورنہ اعمال غارت ہو جائیں گے۔ اگرچہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بظاہر ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن حقیقت میں ہمہ وقت موجود ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صوت مبارک اولی الامر منکم کی معرفت مسلسل سنائی دے رہی ہے' اس لئے ان پاک ہستیوں سے بھی عام لوگوں کی طرح گفتگو کرنا اور ان کی آواز سے آواز کو بلند کرنا معنی کے لحاظ سے رسول اللہ علیہ وسلم سے اپنی آواز بلند کرنا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صوت مبارک سے آواز اونچی کرنا منع ہے ۔ اولی الامر منکم کی اطاعت کرنا حکم خداوندی ہے۔ جب حکم خداوندی پر عمل نہ ہو بلکہ اس کے خلاف ہو اور جان بوجھ کر ہو یہ کفر ہے' حکم عدولی ہے' اور سرتابی ہے۔ اس لیے اعمال غارت نہیں ہوں گے تو اور کیا ہو گا۔

علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر اطہر کے پاس بھی بلند آواز سے بولنا اسی طرح ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

حیات طیبہ میں ان سے اونچا بولنا ہے۔ میرے شیخ فرماتے ہیں کہ سننے کا حق یہ ہے کہ پوری توجہ سے سنا جائے۔ اس طرح سننے اور سنانے کا حق ادا ہو سکتا ہے۔ حق سماعت یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صوت کے مقابل باقی تمام قسم کی آوازوں کی طرف سے کان بند کر لیے جائیں ۔ حق کی آواز کی شناخت یہ ہے کہ اس کو پرکھا جائے کہ میرے مرشد کی تعلیمات کے مطابق ہے یا نہیں اگر حق کی ایک آواز اور غیرحق کی دس آوازیں آ رہی ہوں تو حق کی آواز کی طرف توجہ دو۔ اس طرح غیر کی آوازیں خود بخود پیچھے چلی جائیں گی۔ عمل کے مقبول ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس پر شاہد موجودہ ہو اور حال پر ہو۔ یہ عمل زندہ کی دلیل اور سند ہے اس سے ماحول میں روشنی پیدا ہوتی ہے لیکن عمل مردہ کی صورت میں ایسا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ کہ ہر دور اور ہر زمانے میں اچھا اچھے اور برا برے کی طرف رجوع کرتا ہے۔ میرے شیخ نے اچھے اور برے کی یہ نشانی بیان فرمائی ہے کہ اچھے کو جب بری عادت سے منع کیا جاتا ہے تو وہ منع ہو جاتا ہے اور برا اس میں مشغول رہتا ہے۔ اس لئے بری عادت سے ہمیشہ دور رہنا چاہیے۔ بری عادت انسانوں کو برا بنا دیتی ہے۔

جو لوگ تقدم سے بچتے ہیں ان کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے شاہد کے سامنے اپنی آواز کو پست رکھتے ہیں۔ وہ قول کے مقام پر بھی اپنی محبوب کے قول سے تقدم نہیں کرتے اس لئے انہیں مغفرت مل جاتی ہے اجر عظیم ملتا ہے۔ اور جس عمل کی جزا عظیم ہے یقیناً وہ عمل عظیم ہے۔ اپنی آواز کو محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پست رکھنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک عمل عظیم ہے کیونکہ اس کا اجر عظیم ہے، ایسا شخص اپنے نفس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے۔

(حصہ چہارم) آیات متعلقہ عبادات

(۹۸) اے ایمان والو! اللہ تبارک و تعالیٰ پر اور ان کے رسول صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتاری ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہیں ایمان لاؤ۔ جو شخص اللہ تبارک و تعالیٰ سے اور اس کے رسولوں سے اور یوم آخر سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا (سورۃ نساء آیت ۱۳۶)

(۹۹) اے ایمان والو ! تم اللہ تعالیٰ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو۔ ممکن ہے کہ تمہارا گناہ دور کر دے اور تمہیں ایسی جنتوں میں لے جائے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جس دن اللہ تبارک و تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور ایمان والوں کو جو ان کے ساتھ ہیں رسوا نہ کرے گا ان کا نور ان کی سامنے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہو گا۔ یہ دعا کرتے ہوں گے اے ہمارے رب ہمیں نور عطا فرما اور ہمیں بخش دے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ (سورۃ تحریم آیت ۸)

(۱۰۰) اے ایمان والو ! رکوع و سجدہ کرتے رہو اور اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو اور نیک کام کرتے رہو تاکہ فلاح پاؤ۔ (سورۃ حج آیت ۷۷)

(۱۰۱) اے ایمان والو ! جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے منہ دھو لیا کرو اور ہاتھ کو کہنیوں سمیت اور اپنی سروں کا مسح کر لیا کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھو لیا کرو ۔ اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کر لیا کرو۔ ہاں اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی حاجت ضروری سے فارغ ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ملے ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو۔ اسے اپنے چہروں پر اور ہاتھوں پر مل لیا کرو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ تم پر کسی قسم کی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا۔ بلکہ اس کا ارادہ تمہیں پاک کرنے کا اور تمہیں اپنی بھرپور نعمت دینے کا ہے تا کہ تم شکر ادا کرتے رہو۔ (سورۃ مائدہ-آیت ٦)

(۱۰۲) اے ایمان والو ! جمعہ کے دن نماز کی آذان دی جائے تو تم اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذکر کی طرف آجایا کرو اور بیع چھوڑ دو یہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہے اگر

جانتے ہو (سورۃ جمعہ آیت ۹)

(۱۰۳) اے ایمان والو ! جب تم نشے میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ اپنی بات کو سمجھنے نہ لگو۔ اور نہ جنابت کی حالت میں جب تک کہ غسل نہ کر لو۔ ہاں اگر راہ چلتے مسافر ہو تو اور بات ہے۔ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی پاخانے سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو تیمم کرو اور اپنے منہ اور اپنے ہاتھوں پر مل لو۔ بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے (سورۃ نساء آیت ۴۳)

(۱۰۴) اے ایمان والو ! صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو اللہ تبارک و تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (سورۃ البقرہ آیت ۱۵۳)

(۱۰۵) اے ایمان والو ! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔ جس طرح اگلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم بچ جاؤ' گنتی کے چند ہی دن ہیں۔ لیکن تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اور دنوں میں گنتی کو پورا کرے۔ طاقت رکھنے والے فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا دیں اور جو نیکی میں سبقت کرے وہ اسی کے لئے بہتر ہے لیکن تمہارے حق میں افضل کام روزے رکھنا ہی ہے۔ اگر جانتے ہو۔ (سورۃ البقرہ آیت ۱۸۳۔۱۸۴)

(۱۰۶) اے ایمان والو ! کیا میں تمہیں وہ تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچا لے۔ (سورۃ صف آیت ۱۰)

(۱۰۷) اے ایمان والو ! تم ثابت قدم رہو اور ایک دوسرے کو تھامے رکھو۔ اور جہاد کے لئے تیار رہو تاکہ فلاح پاؤ (سورۃ آل عمران آیت ۲۰۰)

(۱۰۸) اے ایمان والو ! اپنے ہتھیار لیے رہو پھر گروہ گروہ بن کر کوچ کرو یا سب کے سب اکٹھے نکل کھڑے ہو (سورۃ النساء آیت ۷۱)

(۱۰۹) اے ایمان والو ! جب تم راہ خدا پر جا رہے ہو تو تحقیق کر لیا کرو۔ اور

جو تم سے سلام علیکم کرے تو اسے نہ کہہ دو کہ تو ایمان والا نہیں۔ تم زندگانی دنیا کے اسباب کی تلاش میں ہو تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے تم پر احسان کیا لہٰذا تم ضرور تحقیق و تفتیش کر لیا کرو بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے (سورۃ النساء آیت ۹۴)

(۱۱۰) اے ایمان والو ! اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو احسان تم پر کیا ہے اسے یاد کرو جب کہ ایک قوم نے تم پر دست درازی کرنی چاہیے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو تم تک پہنچنے سے روک دیا اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ مومنوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ (سورۃ المائدہ آیت ۱۱)

(۱۱۱) اے ایمان والو ! اللہ تبارک و تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کی طرف نزدیکی کی جستجو کرتے رہو اور اس کی راہ میں جہاد کیا کرو تاکہ فلاح پاؤ۔ (سورۃ المائدہ آیت ۳۵)

(۱۱۲) اے ایمان والو ! جب تم کافروں سے دو بدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرو۔ (سورۃ انفال آیت ۱۵)

(۱۱۳) اے ایمان والو ! جب تم کسی مخالف فوج سے بھڑ جاؤ تو ثابت قدم رہو اور بکثرت یاد خدا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ (سورۃ انفال آیت ۴۵)

(۱۱۴) اے ایمان والو ! اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو تم پر احسان کیا اسے یاد کرو جب کہ تمہارے مقابلے کو فوجیں در فوجیں آئیں پھر ہم نے اس پر تیز و تند آندھی اور لشکر بھیجے۔ جنہیں تم نے دیکھا ہی نہیں جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تبارک و تعالیٰ سب کو دیکھتا ہے (سورۃ احزاب آیت ۹)

(۱۱۵) اے ایمان والو ! ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس ہیں اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہیے اور یقین رکھو اللہ تبارک و تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے

(سورۃ توبہ آیت ۱۴۳)

(۱۱۶) اے ایمان والو ! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں کے حق میں جب کہ وہ سفر میں ہوں یا جہاد میں ہوں کہا کہ اگر یہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے نہ مارے ڈالے جاتے اس کی وجہ یہ تھی کہ اس خیال کو اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی دلی حسرت کا سبب بنا دے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جلاتا اور مارتا ہے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ تمہارے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے (سورۃ آل عمران آیت ۱۵۶)

(۱۱۷) اے ایمان والو ! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ چلو راہ خدا میں کوچ کرو تو زمین پکڑ لیتے ہو۔ کیا تم آخرت کے عوض دنیا کی زندگی پر ریجھ گئے ہو۔ زندگانی دنیا تو آخرت کی مقابلے میں کچھ یونہی سی ہے۔ (سورۃ توبہ آیت ۳۸)

خلاصہ آیات

ان آیات مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارکان اسلام' توبہ' صبر' قرب الی اللہ اور ایمان کے بارے میں ذکر فرمایا ہے۔ قرب الی اللہ بغیر عبادت و جہاد کے۔ عبادت کی قبولیت بغیر توبہ کے اور اس راہ میں پیش آمدہ مشکلات کے باوجود اس پر گامزن رہنا بغیر ایمان اور صبر کے ناممکنات میں سے ہے۔

بھول کا پھول

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بھول کا ہی پھول بنتا ہے اور اس کی وضاحت یوں فرماتے ہیں کہ جب شجر ممنوعہ سے کھانے کی بھول ہمارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی تو آپ علیہ السلام کی توبہ و استغفار سے در توبہ وا ہوا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو در توبہ ہمیشہ کے لئے بند رہتا اور حضرت انسان

کو اس کی ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بھول' خطا اور گناہ کی سزا ضرور ملتی۔ لہٰذا اس بھول سے ایک ایسا سدا بہار پھول کھلا کہ بڑے سے بڑا گناہ کرنے کے بعد اگر انسان خلوص دل سے تائب ہو کر در خدا پر حاضر ہو جائے تو اس کے تمام گناہ معاف فرما دیئے جاتے ہیں۔ یہ کتنی رحمت کی بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے جد امجد کی سنت کی ادائیگی میں مومن ہر وقت توبہ استغفار کرتا رہتا ہے کیونکہ توبہ کلید الاعمال ہے۔ صاحبزادہ رضا حسین فرماتے ہیں کہ توبہ کرنے کے بعد عمل کی ابتداء ہوتی ہے اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی کنویں میں اگر کوئی جانور گر جائے تو کنویں کو پاک کرنے کے لئے چاہے کتنی بھی شرائط کی جائیں کنواں پاک نہیں ہوتا۔ جب تک اندر گری ہوئی چیز باہر نہ نکالی جائے۔ اس کے بعد فقہ کے مطابق پانی نکالا جائے تو پھر کنواں پاک ہو گا۔ بعینہ اسی طرح باطن کے کنویں کو پاک کرنے کے لئے توبہ شرط اول ہے اس کے بعد جو عبادت کی جائے گی وہ شرف قبولیت سے سرفراز ہو گی۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تبارک و تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک خطبے میں بیان فرمایا کہ لوگو میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہے کہ خالص توبہ یہ ہے کہ انسان گناہ کی معافی چاہے اور پھر اس گناہ کو نہ کرے۔ علمائے سلف فرماتے ہیں توبہ النصوحا یہ ہے کہ گناہ کو اس وقت چھوڑ دے جو ہو چکا ہے اس پر نادم ہو اور آئندہ کیلئے نہ کرنے کا پختہ عزم ہو اور اگر گناہ میں کسی انسان کا حق ہے تو وہ حق باقاعدہ ادا کر دے نور مجسم حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ نادم ہونا بھی توبہ ہے۔ حضرت زر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا توبتہ نصوح کیا ہے ؟ فرمایا۔ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے یہی سوال کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "گناہ پر نادم ہونا' اللہ تعالیٰ سے معافی چاہنا اور پھر اس گناہ کی طرف مائل نہ ہونا" ۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں توبتہ نصوح یہ ہے کہ جیسے گناہ کی محبت تھی ویسا ہی بغض دل میں بیٹھ جائے اور جب وہ گناہ یاد آئے اس سے استغفار کرے۔ جب

کوئی شخص توبہ کرنے پر پختگی کر لیتا ہے اور اس پر جما رہتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی تمام پچھلی خطائیں مٹا دیتا ہے۔ توبتہ النصوح میں یہ شرط بھی ہے کہ توبہ کرنے والا پھر تا دم واپسیں اس گناہ کو نہ کرے۔ اور اس کے اعمال اس پر شاہد ہوں وگرنہ توبہ سچی ثابت نہیں ہو گی۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ چار طرح سے ہوتی ہے۔

اولاً : نام سے توبہ اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی کام نام کی خاطر نہیں کرنا چاہیے۔ مثلاً میرا نام دنیا میں رہ جائے تاریخ میں آجائے وغیرہ

ثانیاً : جسم سے توبہ اس سے مراد یہ ہے کہ خود کو نمایاں کرنے کی کوشش نہ کرے بلکہ پیچھے رہے اور اگر کسی محفل میں علم حق کے بیان کرنے سے پھوٹ پڑنے کا امکان ہو تو وہ بات نہ کہے یہ جسم سے توبہ ہے۔

ثالثاً : قلب سے توبہ اس سے یہ مراد ہے کہ دل دلبر کو دے دے۔ ہر وقت دل سے دو آوازیں آتی رہتی ہیں۔ لہٰذا قلب کی توبہ کا تقاضا یہ ہے کہ غیر کی آواز پر دھیان نہ دے۔ اور خیر کے در پر رہے۔

رابعاً : روح سے توبہ اس سے مراد یہ ہے کہ شاہد کی پسند اور ناپسند پر اپنی پسند اور ناپسند قربان کر دے۔ مثلاً شاہد کسی کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ اچھا ہے لیکن اس کا ذاتی تجربہ کچھ اور ہوتا ہے۔ تو پھر بھی یہی کہے کہ شاہد کی تصدیق کے بعد اگر کسی میں کمی نظر آئے تو وہ دیکھنے والے کی کمی ہی کو ثابت کرتی ہے۔ جو ان چاروں مقامات پر پورا رہتا ہے اس کی توبہ صحیح ہے۔ اور جب کسی سے کوئی گناہ یا غلطی سرزد ہو تو بزرگان دین سے استغفار کے لئے عرض کرنا چاہیے۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے عرض کیا تھا اس سے توبہ کی شہادت ہو جاتی ہے توبہ کا عملی ثبوت انبیاء سابقون علیہم السلام کی

حقانیت۔ تمام آسمانی کتابیں اور صحیفوں کی صداقت اور ملائکہ کی موجودگی پر ایمان اور خدائے قدوس کی عبادت سے ملتا ہے۔

عبادت اللہ تبارک و تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رضا کا نام ہے

عبادت عبد کے تمام افعال اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مطابق ہونے کی صفت کا نام ہے۔ نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ ہی عبادت نہیں ہے۔ بلکہ عبادت کا جز ہیں۔ اور نہ ہی یہ مقصود ہیں بلکہ یہ راستہ ہیں۔ مقصود اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے محبوب محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رضا ہے جو صرف نماز وغیرہ کو مقصود بنا لے تو یہ بھی راستے میں رہ جانے والی بات ہے۔ نماز تو اس لئے پڑھی جاتی ہے کیونکہ ایسا حبیب خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کیا ہے۔ اور جب تک تمام اقوال و افعال رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مطابق نہیں ہوتے عبادت کا حق ادا نہیں کیا سکتا۔ اس لئے عمل اور عبادت ثواب یا نیکی یا عذاب کے خوف سے نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ صرف اس لئے کرنی چاہئے کہ ایسا میرے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کیا ہے۔ لہٰذا ویسا میں کرتا ہوں۔ یہ جاننے کے لئے کہ جو عمل میں کر رہا ہوں وہ فی سبیل اللہ ہے یا نہیں اس کی پہچان میرے شیخ نے بیان فرمائی ہے۔ کہتے ہیں اگر کسی کی بات سے عمل متاثر نہ ہو تو وہ عمل فی سبیل اللہ ہے اور اگر عمل متاثر ہو جائے تو وہ عمل فی سبیل اللہ نہیں ہے۔ مثلاً کوئی کہتا ہے "بڑی نمازیں پڑھتا ہے۔ لوگوں کو دکھاتا ہے" اور وہ شخص نماز چھوڑ دے تو عمل فی سبیل اللہ نہیں ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ بڑا عظیم ہے۔ بخشا ہوا ہے اور وہ یہ سن کر لمبے لمبے سجدے کرنے لگے تو پھر بھی عمل فی سبیل اللہ نہیں ہے اور جب کسی کا عمل کسی کے کہنے سے متاثر نہیں ہوتا تو علم عبودیت کا تاج اس کے سر پر رکھ دیا جاتا ہے۔ علم عبودیت وہ ہے جس سے دوسروں کو فائدہ پہنچایا جاتا ہے۔ اور جب تک یہ علم نہیں ہوتا انسان کو علم انسانیت

گھیرے میں لیے رکھتا ہے۔ علم انسانیت ▪ ہے جس سے دوسروں سے اپنی ذات کے لئے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ حضرت فضل شاہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں علم کسب کی ابتداء خواہش سے ہوتی ہے۔ لہٰذا اس سے ہوس بڑھتی ہے۔ اس لئے اس سے راحت ہو ہی نہیں سکتی۔ جو علم صالح اعمال کے بعد عطا ہوتا ہے اس سے راحت ہوتی ہے۔ طیب قدم کی یہ شان ہے۔ قدم تمام علوم کا معدن ہے۔ علم قدم کی صفت ہے۔ بزرگان دین کا قدم شریعت ہے' نقش قدم طریقت ہے' حقیقت قدیم ہے' معرفت قدم کی انتہا ہے اور شریعت قدم کی ابتداء ہے۔

زکوٰۃ عمل ہے

عبادت الٰہی میں ارکان دین کو افضلیت حاصل ہے۔ ان میں کلمہ طیبہ' نماز' روزہ اور حج قول کا درجہ رکھتے ہیں جب کہ زکوٰۃ کا درجہ عمل کا ہے۔ اگر کوئی شخص اول الذکر چاروں ارکان پر بڑی سختی سے عمل پیرا ہے لیکن صاحب نصاب ہونے کی صورت میں زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو اس کا کوئی بھی عمل قابل قبول نہیں ہے۔ خلیفتہ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف اعلان جہاد فرمایا تھا کیونکہ انہوں نے عملاً اسلام کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ اڑھائی فیصد زکوٰۃ دے کر اکثر یہ سمجھا جاتا ہے۔ کہ بقیہ ساڑھے ستانوے فیصد اپنے ہیں اور انہیں جس طرح چاہیں اپنی مرضی سے خرچ کریں۔ یہ بات درست نہیں ہے۔ سو میں سے اڑھائی روپے دے کر تو مال پاک ہوتا ہے۔ اور اب اس قابل ہوا ہے کہ اسے راہ حق پر لگایا جا سکے۔ جب مال پاک ہو جائے تو اسے بتائے ہوئے طریقے کی مطابق خرچ کرنا چاہیے۔ اس مال میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے چھ حقدار قربیٰ' یتاما' مساکین' مسافر' سائلین اور رقاب بتائے ہیں۔ زکوٰۃ کی رقم اپنے عزیز رشتہ داروں کو دینے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ کیونکہ ان کا حق اللہ تبارک و تعالیٰ نے مال میں پہلے ہی رکھ دیا ہے' اس لئے اگر

اپنوں کو زکوٰۃ دے دی جائے تو حق ادا نہیں ہوتا۔ اگر بہ نظر حقیقت دیکھا جائے تو کلمہ طیبہ' نماز' روزہ اور حج بھی عمل ہے لیکن ان کا عمل باطن میں ہے۔ مثال کے طور پر کلمہ طیبہ پڑھنے کا عمل یہ ہے کہ لاالٰہ الااللہ کہنے سے انسان تمام خواہشات سے پاک ہو جائے۔ اور محمد الرسول اللہ تسلیم کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرمان کے مطابق عمل کیا جائے۔ اسی طرح نماز میں جب کہا جاتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ رحمٰن اور رحیم ہے تو نماز پڑھنے والے کو بھی رحمٰن اور رحیم کی صفت اختیار کرنی چاہئے۔ اگر کسی کے پاس کپڑے نہیں ہیں اور نمازی کا ٹرنک بھرا پڑا ہے تو اسے کپڑے دینے چاہییے۔ یہ نماز کا عمل ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر دین کے ہر رکن پر علیحدہ علیحدہ گفتگو کی جائے۔

کلمہ طیبہ

اس کا پہلا حصہ اللہ تبارک و تعالیٰ پر ایمان لانا ہے اور ایمان لانا یہ ہے کہ تمام کام اللہ تبارک و تعالیٰ کیلئے کئے جائیں۔ کلمہ طیبہ کا دوسرا حصہ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان لانا ہے۔ ایمان لانے کی صورت یہ ہے کہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے رخ پر کام کیا جائے کیونکہ معیار مطلق تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔ بالفاظ دیگر لاالٰہ الااللہ قول ہے اور محمد رسول اللہ عمل ہے۔ صرف لاالٰہ الا اللہ کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت نہ کی جائے۔ حدیث پاک میں ہے کہ جو ایک بار کلمہ طیبہ پڑھ لے وہ جنت میں جائے گا۔ میرے شیخ اس کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں کہ لاالٰہ الااللہ پڑھنے والا محبوب کبریا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے رخ پر عمل کرنے والا کبھی جہنم میں جا ہی نہیں سکتا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک چھوٹا سا لشکر روانہ فرمایا۔ اس میں حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ جب دشمنوں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ

سب تو ادھر ادھر ہو گئے ہیں ایک مالدار شخص وہاں رہ گیا ہے اس نے انہیں دیکھتے ہی **اشھد ان لا الہ الا اللہ** کہا۔ لیکن انہوں نے حملہ کر دیا اور اسے قتل کر دیا جب لشکر واپس پہنچا تو یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں پیش کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔ "تم نے یہ کیا کیا ؟ کل قیامت کے دن تم لاالٰہ الااللہ کے سامنے کیا کرو گے ؟" پھر فرمایا کہ اے مقداد (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ! وہ شخص مخفی مسلمان تھا جس طرح تو مکہ مکرمہ میں اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتا تھا۔ پھر تو نے اس کے اسلام ظاہر کرنے کے باوجود اسے مارا۔

نماز

اللہ تبارک و تعالیٰ پاک ہے لہٰذا اس کے دربار میں حاضر ہوتے وقت جسم اور لباس پاک ہونا اور باوضو ہونا لازمی ہے ورنہ حاضری قبول نہیں ہے۔ اس کے بعد نماز خضوع و خشوع کے ساتھ ادا کرنی چاہئے۔ نماز میں خشوع اس کی ہوتا ہے جو عذاب کے ڈر سے نماز نہ پڑھے بلکہ یہ سمجھ کر پڑھے کہ اس کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے اور فرمان ربی کی ادائیگی کا حق اسی صورت میں ادا ہو سکتا ہے کہ اس کے محبوب سے محبت ہو۔ جو لوگ محبت سے نماز نہیں پڑھتے وہ غافل ہیں انہیں دل میں یہ احساس نہیں ہوتا کہ وہ رب العالمین کی بارگاہ میں حاضر ہیں۔ اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی اتباع کر رہے ہیں۔ اور انعام یافتہ حضرات کے راستے پر چلنے کے لئے ہدایت طلب کر رہے ہیں بالفاظ دیگر نماز سے غفلت جزا پر یقین نہ ہونے کا ثبوت ہے۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ نماز کی حفاظت یہی ہے کہ اسے محبت سے پڑھا جائے وضو اس طرح سے ہو کہ محبوب دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کا حق ادا ہو رہا ہے۔ نماز کی نیت اس طرح کرے۔ "اے اللہ

تبارک و تعالیٰ ! تیرے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے طریقے کے مطابق تیرے دربار میں حاضر ہونے کی سعی ہے۔ میری خلوت و جلوت تیرے سامنے ہے۔ میرا علم تجھ پر ظاہر ہے تو میری نماز کو قبول فرما لے تو تیری بڑی مہربانی اور تیرے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا شکریہ" نماز میں نہ لذت کی خواہش ہو اور نہ دکھاوا مقصود ہو۔ جلوت میں نماز طویل نہ ہو مثلاً چھوٹی سورۃ پڑھی جائے اور خلوت میں طویل نماز پڑی جائے۔ پھر نماز میں نہ لب بند ہوں نہ بلند آواز سے پڑھی جائے۔ نماز ادا ہو جانے کے بعد یہ دعا کی جائے۔ "یااللہ ! میرے اعمال کی طرف نہ دیکھ بلکہ اپنے کرم اور فضل کی طرف دیکھ" اس طرح نماز کی حفاظت کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ ورنہ نماز کی ادائیگی سے دوسروں کے عیب نظر آنے لگیں گے۔ نماز پڑھنے کے بعد اس کا شکریہ ادا کیا جائے اس کا طریقہ یہ ہے کہ بعد میں کوئی سورۃ پڑھ لی جائے اس طرح قول کا شکریہ قول سے ادا ہو جائے گا۔

قرآن حکیم میں پنجگانہ نماز کے علاوہ جمعہ اور تہجد کے نوافل کا خصوصی طور پر ذکر فرمایا گیا ہے۔ جمعہ کا لفظ جمع سے مشتق ہے۔ وجہ **اشتقاق** یہ ہے کہ اس دن مسلمان بڑی بڑی مساجد میں خدا کی عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں اور یہ بھی وجہ ہے کہ اس دن تمام مخلوق کامل ہوئی۔ چھ دنوں میں ساری کائنات بنائی گئی ہے۔ اور جمعہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے۔ اسی دن جنت میں بسائے گئے۔ اسی دن وہاں سے نکالے گئے۔ اسی دن قیامت قائم ہو گی۔ اسی دن میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس وقت بندہ اللہ تعالیٰ سے جو طلب کرے وہ عنایت فرماتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے جمعہ کو یوم العروبہ کہا جاتا تھا۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا۔ "جانتے ہو جمعہ کا دن کیا ہے ؟" انہوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "اس دن تیرے ماں باپ (حضرت آدم و حوا علیہ السلام) کو اللہ تبارک و تعالیٰ

نے جمع کیا"

یوم جمعہ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے مومنین کے لئے پسند فرمایا تھا لہٰذا مومن اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و احدیت پر۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت پر تمام انبیاء و رسل کی حقانیت پر۔ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، تابعین تبع تابعین اور بزرگان دین کی صداقت و محبت پر' ہر چیز کی جامعیت' پر ٹھوس حقائق پر' مکمل علم الٰہی پر' آسمانی کتب و ملائکہ پر' انسان دوستی' خدمت و محبت پر' اعتماد و بھائی چارے پر' حقوق و انصاف پر' مروت و احسان پر' نیکی اور بدی کے نتائج پر اور نور و ظلمت کے فرق پر مکمل یقین و ایمان رکھتے ہیں۔ اور ان کی زندگیاں نور کے سانچوں میں ڈھلی ہوئی ہیں۔ ان کے شب و روز کوثر و سلسبیل میں دھلے ہیں۔ اور ان کی سانسیں عود و عنبر میں بسی ہوئی ہیں۔

نماز تہجد پڑھنے سے مقام محمود نصیب ہوتا ہے اسے پڑھنے سے پہلے دو رکعت نماز نفل ہدیہ سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پڑھنے چاہیں۔ اس سے ملت ابراھیمی میں داخلے کی سند ملتی ہے۔ نماز تہجد پڑھنے سے نفس پر جلدی قابو پا لیا جاتا ہے۔ نماز تہجد پڑھنے والوں کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ کوئی کام بھی اپنی خواہش کے لئے نہیں کرتے بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے کرتے ہیں۔ یہی وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جو ہمہ وقتی نماز میں مشغول رہتی ہیں۔

نماز سے قول پاک ہو جاتا ہے۔ قول پاک ہو جائے تو غیر اور غرور کی بات سے رک جانا لازم ہے۔ المختصر حقیقی نماز اس کی ہے جو پاک ہو۔ جو پاک نہ ہو اس کی نماز رواجی ہے۔ لیکن رواجی نماز والے کو نماز ترک نہیں کرنی چاہیئے کم از کم نمازیوں کی جماعت میں تو ہے۔ اور عام سے ہی خاص بنتا ہے۔ اور خاص سے خاص الخاص بنتا ہے۔

روزہ

روزے کی فضیلت کا اسی امر سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ سابقہ امم پر بھی فرض تھا۔ روزے کے معنی اللہ تبارک و تعالیٰ کے فرمان کی بجا آوری کی خالص نیت کے ساتھ ایک وقت کے لئے کھانے پینے اور جماع سے رک جانے کے لئے ہیں۔ اس سے نفس انسان پاک صاف اور طیب و طاہر ہو جاتا ہے۔ فرمان ربی ہے کہ ہم نے روزہ اتارا تاکہ تم متقی ہو جاؤ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر روزے متقی نہیں بنا رہے تو روزہ مقبول نہیں اور اگر متقی بنا رہے ہیں تو روزہ مقبول ہے۔

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم سے صراط مستقیم بنتا ہے اور اس پر چلنے والا متقی ہوتا ہے۔ متقی کی نشانی یہ ہے کہ وہ خود پر نظر رکھتا ہے اور روزہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا کے لئے رکھتا ہے اگر روزہ کسی میں تکبر و غرور پیدا کر رہا ہو اور بے روزہ شخص برا لگتا ہو اور گھٹیا نظر آتا ہو تو ایسے روزے کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ فاقہ ہے۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بے روزہ ہو تو اس کے کھانے پینے کا اہتمام کرنا چاہئے اور جو حاضر ہو پیش کرنا چاہئے لیکن تکلف سے گریز کرنا چاہئے۔ کیونکہ تکلف سے محبوب حق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اور جب روزہ افطاری کا وقت ہو تو اسے بھی دوسروں کے ساتھ روزہ کھولنے کے لئے بلانا چاہے۔ ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ اسے پہلے کھلا دیا ہے لہٰذا اب اسے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

روزہ کی حکمت یہ نہیں بتانی چاہئے کہ اس سے پیٹ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ یہ ہو جاتا ہے وہ ہو جاتا ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں رکھ رہا ہوں۔

حج

اللہ تبارک و تعالیٰ کے دوست کی اتباع کا نام حج ہے۔ جب حج کا حکم ہوا تو اس

وقت سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دو چادریں پہن رکھی تھیں۔ جسے احرام کہتے ہیں ۔ اگر ایسا لباس نہ پہنا جائے تو حج نہیں ہوتا۔ اسی طرح جہاں سعی تیز کی گئی تھی وہاں اگر آہستہ کی جائے گی اور جہاں آہستہ کی گئی تھی وہاں تیز کی جائے گی یا جب دو نمازوں کو اکٹھا ملا کر پڑھا گیا تھا ان کو علیحدہ پڑھا جائے تو بھی حج نہیں ہوتا۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ حج اکیلے بھی نہیں ہوتا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جماعت کے ساتھ حج فرمایا تھا۔ میرے شیخ فرماتے ہیں کہ حج کے موقعہ پر مرد اور عورتیں اکٹھے ہوتے ہیں۔ وہاں اگر عورت مرد کو اور مرد عورت کو دیکھ لے تو یہ فتنہ ہے۔ اس کا حج نہیں ہے۔ وہاں تو منشا ہی اور ہوتا ہے روضۂ اطہر کے گنبد شریف کا رنگ ایک جگہ اکھڑا ہوا تھا۔ ایک شخص کہنے لگا تم نے خیال نہیں کیا ؟ دوسرے نے جواب دیا۔ "مجھے یہاں تیس سال ہو گئے ہیں لیکن مجھے محبوب خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی یاد سے فرصت ہو تو کسی اور طرف دھیان دوں"۔ اس لئے وہاں کسی اور طرف دھیان کرنا بھی بہت بڑی سعادت سے محروم ہونا ہے۔ مختصراً یہ ہے کہ خانہ کعبہ دوست (سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام) کا گھر تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے اپنا گھر بنا لیا۔ مدینہ منور محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا گھر ہے۔ خانہ کعبہ میں حج کے بعد مدینہ منورہ جانا لازمی ہے۔ اگر وہاں نہ جایا جائے تو حج نہیں ہوتا۔ میرے شیخ فرماتے ہیں کہ حج قول سے بھی ہے اور عمل سے بھی مثلاً کسی کی زندگی سے تعطل دور کر دینا بھی حج کے برابر ہے

زندگی حرب و ضرب میں ہے

ارکان دین کے ذریعے ذاتی و معاشرتی اصلاح کا سبق دیا گیا ہے۔ اصلاح احوال و معاشرہ کے بعد دین کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ چنانچہ اس کے لئے مومنین کو جہاد فی سبیل اللہ کا حکم فرمایا گیا ہے۔

عبادت کی فیوض و برکات کی انتہا نہیں ہے لیکن جہاد فی سبیل اللہ کی سعادتیں

اور انعامات احاطہ تحریر میں لانا ناممکنات میں سے ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ جب جہاد کو جا رہے تھے تو انہوں نے یہ اشعار لکھ کر حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ کو بھیجے۔

یا عابد الحرمین لو ابصرتنا
لعلمت انک فی العبادۃ تلعب

من کان یخضب خدہ بدموعہ
فنحورنا بدمائنا تتخضب

او کان یتعب خیلہ فی باطل
فخیولنا یوم الصبیحۃ تتعب

ریح العبیر لکم و نحن عبیرنا
رھج السنابک و الغبار الاطیب

ولقد اتانا من مقال نبینا
قول صحیح صادق لا یکذب

لایستوی غبار خیل اللہ فی
انف امری و دخان نار تلھب

ھذا کتاب اللہ ینطق بیننا
لیس الشھید بمیت لا یکذب

ترجمہ : اے مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں رہ کر عبادت کرنے والو ! ہم مجاہدین کو دیکھ لیتے تو بالیقین تمہیں معلوم ہو جاتا کہ تمہاری عبادت تو ایک کھیل ہے۔ ایک وہ شخص ہے جس کے آنسو اس کے رخساروں کو تر کرتے ہیں اور ایک ہم ہیں جو اپنی گردن راہ خدا میں کٹوا کر اپنے خون میں آپ نہا لیتے ہیں۔ ایک وہ شخص ہے جس کا گھوڑا باطل اور بے کار کام میں تھک جاتا ہے اور ہمارے گھوڑے حملے اور لڑائی کے

دن ہی تھکتے ہیں۔ اگر کی خوشبوئیں تمہارے لئے ہیں اور ہمارے لئے اگر کی خوشبو گھوڑوں کے ٹاپوں کی خاک اور پاکیزہ گردو غبار ہے۔ یقین مانو ہمیں نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی یہ حدیث پہنچ چکی ہے کہ جس کسی کے ناک میں اس خدائی لشکر کی گرد بھی پہنچ گئی اس کے ناک میں شعلے مارنے والی جہنم کی آگ کا دھواں کبھی نہ جائے گا۔ اور لو یہ ہے خدا تعالیٰ کی پاک کتاب جو ہم میں موجود ہے اور صاف کہہ رہی ہے اور سچ کہہ رہی ہے کہ شہید مردہ نہیں ہے۔

مومن ہمہ وقت جہاد میں مصروف رہتا ہے کبھی وہ اپنے نفس کے خلاف نبرد آزما ہوتا ہے کبھی وہ ملت بیضا میں انتشار و افتراق پھیلانے والوں کے مقابل جہاد باللسان میں مصروف ہوتا ہے اور کبھی وہ دشمنان دین اسلام کے خلاف میدان کارزار میں جہاد بالسیف میں مگن ہوتا ہے اس لئے اسے ہر وقت ہتھیار بند رہنے کا حکم ہے تا کہ شیطان، منافق اور کفار ان پر کامیاب نہ ہو جائیں۔ علمی و حربی ہتھیاروں سے لیس رہیں اور اپنی قوت کو مضبوط کرتے رہیں اور جب بھی ضرورت ہو مردانہ وار جہاد کے لئے بیک آواز اٹھ کھڑے ہوں۔ ان مجاہدین اسلام کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی مدد اور ان کی فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ پانچ ہجری ماہ شوال میں جنگ احزاب کے موقع پر کس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے مومنین کی مدد تیز و تند آندھی اور فرشتوں سے کی تھی اور مشرکین کے دل اور سینے خوف اور رعب سے بھر دیئے تھے اس کے ہم آہنگ یہ بھی فرما دیا ہے کہ مومنین کو بذات خود دشمن سے بھڑنے کی تمنا نہیں کرنی چاہیے۔ ایک غزوے میں حضور مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سورج ڈھلنے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا۔ "اے لوگو! دشمن سے بھڑ جانے کی تمنا نہ کرو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے عافیت مانگتے رہو۔ لیکن جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو استقلال رکھو اور یقین مانو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔" حضرت عبدالرزاق رحمتہ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ دشمن کے مقابلے کی تمنا نہ کرو۔ اور مقابلے کے وقت ثابت قدمی اور اولوالعزمی دکھاؤ اگرچہ کہ وہ چیخیں چلائیں لیکن تم

خاموش رہو۔ طبرانی میں ہے کہ اللہ عزوجل کو تین وقتوں میں خاموشی پسند ہے۔ اول' تلاوت قرآن پاک کے وقت' دوئم۔ جہاد کے وقت اور سوئم جنازے کے وقت۔ اگرچہ بظاہر مومن خاموش ہوتا ہے لیکن دل میں وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پوری مشغولیت کے وقت یعنی جب تلوار چلتی ہو تب بھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا ذکر فرض کر رکھا ہے۔ حضرت عطا رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ چپ رہنا اور ذکر اللہ کرنا لڑائی کے وقت بھی واجب ہے۔

یہ مومن کی شان ہے کہ وہ میدان جہاد سے کبھی فرار نہیں ہوتا اور اگر کبھی پیچھے ہٹنے کی ضرورت ہو تو ہمیشہ مرکز کی طرف مراجعت کرتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔ (۱) شرک باللہ' (۲) جادو کرنا' (۳) کسی کا ناحق قتل کر دینا (۴) سود کھانا (۵) یتیم کا مال کھانا (۶) جہاد میں پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا اور (۷) پاک دامن اور بے گناہ عورتوں پر الزام لگانا۔ لیکن لڑائی کے لئے پینترا بدلنا ہو یا اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آنا ہو تو وہ مستثنے ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے بھیجے ہوئے ایک چھوٹے سے لشکر کا سپاہی تھا کہ لوگوں میں بھگدڑ پڑ گئی۔ میں بھی بھاگا۔ اب ہمیں احساس ہوا کہ ہم جنگ سے بھاگے ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہو گئے۔ اب کیا کریں ؟ ہم نے مشورہ کیا کہ مدینہ منورہ چلیں گے۔ محبوب خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے سامنے پیش ہوں گے۔ اگر ہماری توبہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے قبول فرمالی تو کیا کہنا ورنہ ہم کہیں بھی نکل جائیں گے۔ اور منہ نہ دکھائیں گے۔ چنانچہ ہم قبل از نماز ظہر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی بارگاہ مقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے پوچھا۔ "تم کون لوگ ہو ؟" ہم نے عرض کیا۔ "ہم بھاگنے والے لوگ ہیں" تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ

وسلم نے فرمایا۔ "نہیں بلکہ تم لوگ اپنے مرکز کی طرف آنے والے ہو۔ میں تمہارا اور تمہاری جماعت مومنین کا بندھن ہوں" ہم نے یہ سن کر آگے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ آج بھی کوئی شخص جنگ کے میدان سے ہٹ کر اپنے امیر یا اصحاب امیر کی طرف پناہ لے سکتا ہے لیکن یہ فرار اگر اس سبب کے سوا اور اسباب کی بنا پر ہو تو یہ حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

مومن اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کے لئے ہر وقت گوش بر آواز رہتا ہے خصوصاً جہاد کی نعمت سے محروم رہنے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ غزوہ تبوک کے وقت سخت گرمی پڑ رہی تھی پھل پک گئے تھے اور درختوں کے سائے بڑھ گئے تھے۔ ایسے وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دور دراز کے سفر کے لئے تیار ہو گئے لیکن کچھ مبتدی پیچھے رہ گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگشت شہادت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ "اس انگلی کو اگر کوئی سمندر میں ڈبو کر نکالے تو اس پر جتنا پانی سمندر کے مقابلے میں لگتا ہے اتنا ہی مقابلہ دنیا کا آخرت سے ہے" خلیفتہ المسلمین عبدالعزیز بن مروان نے اپنے انتقال کے وقت اپنا کفن منگوایا اور اسے دیکھ کر فرمایا۔ "بس میرا تو دنیا سے یہی حصہ ہے۔ میں اتنی دنیا لے کر جا رہا ہوں۔" حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نیت کا درست ہونا معیت حق کی سند ہے جو لوگ اپنی خواہشات اور اغراض کے پیش نظر جہاد فی سبیل اللہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں ان کا مقام **یھلکون انفسھم** (۹/۴۲) ہے۔ یعنی اپنے آپ کو ہلاک کرتے ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ راہ خدا میں ایک رات کا پہرہ ایک ہزار راتوں کی عبادت سے افضل ہے۔ جو تمام راتیں قیام میں اور تمام دن صیام میں گزارے جائیں۔ مسند احمد میں ہے کہ مرنے والے کے عمل ختم ہو جاتے ہیں۔ مگر جو شخص خدا کی راہ کی تیاری میں ہو اور اسی حال میں فوت ہو جائے تو اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے اور فتنہ قبر سے نجات ملتی ہے۔ مسند احمد کی

حدیث میں ہے کہ جو راہ خدا میں جان کا نذرانہ پیش کر دیتا ہے تو اسے چھ انعامات عطا ہوتے ہیں۔

۱۔ اس کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرتے ہی اس کے کل گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

۲۔ اسے اس کا جنت کا مکان دکھلا دیا جاتا ہے۔

۳۔ نہایت خوبصورت بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے اس کا نکاح کرا دیا جاتا ہے۔

۴۔ وہ بڑی گھبراہٹ سے امن میں رہتا ہے۔

۵۔ عذاب قبر سے بچا لیا جاتا ہے اور

۶۔ اسے ایمان کے زیور سے آراستہ کر دیا جاتا ہے۔

عطا کو پورا سمجھو یہی صبر ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب فرماتے ہوئے کفار و منافقین کے خلاف جہاد کرنے کو فرمایا ہے لہٰذا اس کے بارے میں مزید روشنی اس مقام پر ڈالی جائے گی عبادت و ریاضت' جہاد اور زندگی کے دوسرے معمولات و معاملات میں انسان کو صبر کے مقام سے گزرنا پڑتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ مومن کی کیا ہی اچھی حالت ہے کہ ہر کام میں اس کے لئے سراسر بھلائی ہے۔ اسے راحت ملتی ہے' شکر کرتا ہے تو اجر پاتا ہے' رنج پہنچتا ہے' صبر کرتا ہے تو اجر پاتا ہے۔ یہ صبر کیا ہے ؟ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "صبر اسے کہتے ہیں کہ جو حال پر ہو اسے پورا سمجھے اور عملاً اس کے ساتھ پورا رہے" ایک اور مقام پر صبر کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "اگر کسی کے پاس کسی عمل کی توفیق ہی نہ ہو تو اس کا اس عمل سے رک جانے کا دعویٰ کسی فضیلت کا ثبوت نہیں ہوا کرتا۔ توفیق کی موجودگی میں سیدھے رہنے کو صبر کہتے ہیں" اس کے علاوہ ایک اور صبر ہے جسے صبر جمیل کہتے ہیں۔ میرے شیخ فرماتے ہیں کہ صبر جمیل یہ ہے کہ کسی کے

ناقص قول کی وجہ سے ہمارے جمال میں فرق نہ آئے اور مخالف سے دوری نہ ہو۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہو کیونکہ چوٹ کو برداشت کرنے کا علم اللہ تبارک و تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی عطا ہوتا ہے۔ اور پاک لوگوں کے ساتھ رہنے سے ہی سہنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک صبر تو یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی فرمانبرداری میں استقلال سے لگے رہنا گو نفس پر شاق گزرے۔ طبیعت کے خلاف پڑے' جی چاہے اور دوسرا صبر یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی پسند پر اپنی پسند کو قربان کرتے رہنا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے صبر کے پانچ مقامات خوف' بھوک' کمی مال' کمی جان اور کمی رزق رکھے ہیں۔ جو ان مقامات پر پورا رہے۔ اُسے صابر کی بشارت عطا ہو جاتی ہے اور معیت حق کا شرف عطا ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

صبر تلخ آمد و لیکن عاقبت   میوہ شیریں دہد پُر منفعت

ترجمہ : صبر کڑوا ہوتا ہے لیکن بالآخر میٹھا اور مفید پھل دیتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ شخص اپنے دعویٰ میں صادق نہیں ہے جو اپنے مولا کی تکلیف پر صبر نہ کر سکے۔

صبر کا پھل صرف دنیا میں ہی نہیں بلکہ آخرت میں بھی بڑا عظیم ہے۔ حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں قیامت کے دن ایک منادی ندا کرے گا کہ صبر کرنے والے کہاں ہیں ؟ اٹھیں اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں چلے جائیں۔ کچھ لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور جنت کی طرف بڑھیں گے۔ فرشتے انہیں دیکھ کر پوچھیں گے کہ کہاں جا رہے ہو ؟ جواب دیں گے جنت میں۔ وہ کہیں گے "ابھی تو حساب بھی نہیں ہوا" کہیں گے ہاں' حساب سے بھی پہلے۔ پوچھیں گے' آخر

آپ کون لوگ ہیں ؟ جواب دیں گے "ہم صابر لوگ ہیں" اللہ تبارک و تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لگے رہے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہے۔ آخری دم تک اس پر اور اس پر صبر کیا اور جمے رہے۔" فرشتے کہیں گے "پھر تو ٹھیک ہے۔ بے شک تمہارا یہی بدلہ ہے۔ اور اسی لائق ہو۔ جنت میں مزے کرو۔ اچھے کام والوں کا اچھا ہی انجام ہے۔" حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صبر کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرے اور مصیبتوں کا بدلہ خدا کے ہاں جان کر اس پر ثواب طلب کرے۔ ہر گھبراہٹ' پریشانی اور کٹھن موقعہ پر استقلال اور نیکی کی امید پر وہ خوش نظر آتا ہے۔

جب انسان عبادت' جہاد' ایمان اور صبر تمام مقامات پر پورا رہتا ہے تو اس کی ہر جگہ حفاظت فرمائی جاتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ یہودیوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو قتل کرنے کے ارادے سے زہر ملا کر کھانا پکا کر دعوت کر دی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلع کر دیا اور سب بچ گئے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی مرضی کے اعمال سے اس سے قریب ہوتے جاؤ۔

(حصہ پنجم) آیات متعلقہ حلال و حرام

(۱۱۸) اے ایمان والو ! طیب چیزیں جو ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں انہیں کھاؤ پیو اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر کرو۔ اگر تم خاص اسی کی عبادت کرتے ہو۔ (سورۃ البقرہ آیت ۱۷۲)

(۱۱۹) اے ایمان والو ! اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو چیزیں تمہارے لیے طیب بنائیں ہیں انہیں حرام نہ کرو۔ اور حدود سے آگے نہ نکلو۔ بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کی حب نہیں رکھتا۔ (سورۃ المائدہ آیت ۸۷)

(۱۲۰) اے ایمان والو ! جو ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہو۔ اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ تجارت ہے نہ دوستی نہ شفاعت اور کافر ہی ظالم ہیں۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۵۴)

(۱۲۱) اے ایمان والو ! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر برباد نہ کرو۔ جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرے اور نہ اللہ تبارک و تعالیٰ پر ایمان رہے نہ قیامت پر۔ اس کی مثال اس صاف پتھر کی طرح ہے جس پر تھوڑی سے مٹی ہو پھر اس پر زور کا مینہ برسے اور وہ اسے بالکل صاف اور سخت چھوڑے۔ ان ریاکاروں کو اپنی کمائی میں سے کوئی چیز ہاتھ نہیں لگتی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۶۴)

(۱۲۲) اے ایمان والو ! اپنی طیب کمائی اور زمین میں سے تمہارے لئے ہماری نکالی ہوئی چیزوں کو خرچ کرو اس میں سے بری چیزوں کے خرچ کرنے کا قصد نہ کرو جسے تم خود لینے والے نہیں ہو۔ ہاں اگر آنکھیں بند کر لو تو۔ اور جان لو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ غنی اور حمید ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۶۷)

(۱۲۳) اے ایمان والو ! مت کھاؤ اپنے آپس کے مال ناجائز طریقے سے مگر یہ کہ آپس کی رضامندی سے خرید و فروخت ہو۔ اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ تم پر نہایت رحم کرنے والا ہے۔ (سورۃ النساء آیت ۲۹)

(۱۲۴) اے ایمان والو ! اکثر علماء اور عابد لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور راہ خدا سے روک دیتے ہیں اور جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیں۔ جس دن اس خزانے کو آتش دوزخ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور کمریں داغ دی جائیں گی۔ یہ ہے جسے تم اپنے لیے خزانہ بنا رہے تھے۔ پس اپنے خزانوں کا مزہ چکھو۔ (سورۃ توبہ آیت ۳۵-۳۴)

خلاصہ آیات

ان آیات مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے طیب چیزیں کھانے۔ صدقہ و خیرات کرنے اور اس توفیق پر اللہ کا شکر ادا کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ اس کے ہم آہنگ پاک اشیاء کو اپنے اوپر حرام کرنے اور لوگوں کا ناجائز مال کھانے سے سختی سے روکا ہے۔

حلال کو حلال رہنے دو

اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو انتہائی رحیم و کریم ہے اپنے بندوں کے لئے ان گنت نعمتیں پیدا فرمائی ہیں اور یہ سب اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل عطا فرمائی ہیں۔ لیکن بعض لوگ اپنی کوتاہ فہمی اور بے علمی کی بناء پر کئی طیب و پاک اور حلال اشیاء کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ بعض اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ علیہن سے کچھ سوالات کئے تو ان میں سے ایک کہنے لگا کہ میں اب سے کبھی گوشت نہیں کھاؤں گا۔ کسی نے کہا "میں کبھی کسی عورت کے پاس نہ جاؤں گا" تیسرے نے کہا "میں فرش خاک پر سوؤں گا اور کبھی بستر پر نہ سوؤں گا" یہ خبر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کوئی یہ کہتا ہے کوئی وہ کہتا ہے۔ میں تو روزہ رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا۔ سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں۔ گوشت بھی کھاتا ہوں اور نکاح بھی کرتا ہوں۔ جو میرے طور طریقے سے ہٹ گیا وہ مجھ سے نہیں"

شکر مبارک اور ناشکری منحوس ہے

ہر نعمت جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہے تقاضا کرتی ہے کہ اس

کے معطی مطلق کا شکر ادا کیا جائے۔ شکر کہتے ہیں کسی محسن کی عطا کردہ نعمتوں پر اس کی ثناء کرنے کو۔ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

شکر حق چوں طوق ہر گودن بود　　　　نے جدال و رو ترش کردن بود

ترجمہ : اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ہر گردن میں طوق کی طرح ہونا چاہیے۔ نہ کہ جھگڑا اور منہ بگاڑنا۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نعمت کا شکریہ ادا نہ کیا جائے وہ جلانے کے قابل ہے۔ اس کی برکت ختم ہو جاتی ہے اس لئے قول کا قول سے، عمل کا عمل سے، علم کا علم سے اور اخلاص کا اخلاص سے شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ قول کا شکریہ ادا کرنے کی یہ صورت ہے کہ فرمان کے مطابق عمل کرے اس سے جو علم حاصل ہو وہ دوسروں کو بتائے یہ قول کا شکریہ قول سے ہے۔ اور اگر کسی سے کوئی چیز عطا ہو تو اس کا نام لے کر کہنا چاہیے کہ یہ فلاں صاحب نے عطا کی ہے۔ یہی اس کا شکریہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نعمت شکر کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور شکر زیادتی کے ساتھ اور یہ دونوں ایک ہی سلسلہ سے منسلک ہیں۔ اور نعمت کی زیادتی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کبھی ختم نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ اس کے شکر کی ادائیگی بندہ کی جانب سے ختم ہو جائے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ارشاد فرماتی ہیں جو بندہ سادہ پانی پیئے اور اس کے پیٹ میں بغیر تکلیف کے آسانی سے اتر جائے اور بغیر تکلیف کے نکل جائے اس پر اس بات کا شکر ضرور واجب ہے۔

میرے شیخ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو بہت کچھ دے رکھا ہے۔ اگر وہ اس سے واپس لے لے یا نقصان دے تو وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ناشکرا بن جاتا ہے۔ اس کی معیت سے کنارا کشی کر کے دوسروں کے ساتھ چمٹ جاتا ہے۔ اور نتیجتاً" وہ قعر مذلت میں جا پڑتا ہے۔ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

زانکہ بے شکری بود شوم و شنار　　　　　می برد نا شکر را در قعر نار

ترجمہ : چونکہ ناشکری منحوس اور نامبارک ہوتی ہے اس لئے ناشکرے کو جہنم کے گڑھے میں لے جاتی ہے۔

اگر بہ نظر حقیقت دیکھا جائے تو توفیق ایزدی کی اتنی بڑی موجودگی میں اطاعت حق سے گریز بڑی ناشکری ہے۔

صدقہ بکرے کے سر کا نام نہیں

اللہ تبارک و تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت مال کی صورت میں ہو یا جان کی صورت میں یا کسی اور صورت میں انسان کو اسے اپنے مولا کریم کی راہ میں قربان کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ و تیار رہنا چاہئے اور جب وقت آئے تو صدق دل سے اسے اپنے آقا و مولا کے حضور پیش کر دے کیونکہ یہ دنیا مزرع آخرت ہے اور آخرت جزا کی کھیتی ہے اس لئے چاہیے کہ انسان اپنی زندگی میں ہی خیرات و صدقات دے کیونکہ قیامت کے دن نہ تو خرید و فروخت ہو گی نہ زمین بھر کر سونا دینے سے جان چھوٹ سکے گی اور نہ ہی کسی کا نسب اور دوستی کام آئے گی۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صدقہ وہ ہے جو صدق سے دیا جائے۔ فی سبیل اللہ دیا جائے۔ جس میں غرض و غایت نہ ہو صرف بکرے کے سر کا نام صدقہ نہیں ہے۔ اور صدقہ وہ بھی ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے نام پر بغیر خواہش کے دیا جائے۔ علاوہ ازیں دوسروں کے کام آنا بھی صدقہ ہے۔

صدقہ و خیرات میں سونا' چاندی' پھل اور اناج وغیرہ جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے دے رکھا ہے اس میں سے بہترین مرغوب طبع اور پسند خاطر عمدہ چیزیں اللہ تبارک و تعالیٰ کی راہ میں دینے کا حکم ہے۔ ردی' گلی سڑی' گری پڑی' بے کار و فضول اور خراب چیز راہ خدا میں دینا سخت معیوب ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ پاک ہے وہ خبیث و

ناپاک چیزوں کو قبول نہیں فرماتا۔ جو کہ انسان بذات خود بھی لینا پسند نہ کرے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ اس چیز کو کیسے لے لے گا۔ علاوہ ازیں حلال چیز کو چھوڑ کر حرام یا حرام مال سے خیرات و صدقہ دینا درست نہیں ہے یہ مال دوسروں کو ایذا پہنچا کر انہیں دھوکہ دے کر اور ظلم و ستم ڈھا کر حاصل کیا ہوتا ہے اور جو شخص ان حرام ذریعوں سے مال حاصل کرے اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ برکت نہیں دیتا نہ اس کے صدقے خیرات قبول کرتا ہے۔ اور جو مال وہ اپنے پیچھے چھوڑ کر جاتا ہے وہ سب اس کے لئے آگ میں جانے کا توشہ اور سبب بنتا ہے۔

صدقہ و خیرات خوش دلی و فراخ دلی سے دینا حق ہے۔ بزرگان دین فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں بے حساب دو وہ بھی تمہیں بے حساب دے گا اور اگر تم حساب سے دو گے تو وہ بھی حساب سے دے گا۔ اس سے اللہ تبارک و تعالیٰ سے معاملہ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اور جو سائل جو غرض لے کر آئے اسے وہی دو۔ کیونکہ وہ آیا ہی اسی غرض کے لئے ہے۔ مثلاً اگر کوئی آٹا مانگتا ہے اور اسے نمک دیا جاتا ہے تو یہ اس کی حاجت روائی نہیں ہے۔ حکم ہے کہ صدقات و خیرات کو منت و احسان رکھ کر اور تکلیف پہنچا کر برباد نہ کرو۔ اس احسان کے جتانے اور تکلیف کے پہنچانے کے گناہ کی وجہ سے صدقہ اور خیرات کا اجر باقی نہیں رہتا۔ جس صدقہ و خیرات میں سخاوت، فیاضی اور نیکی کی شہرت مدنظر ہو، لوگوں میں تعریف و ستائش کی چاہت ہو، صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضامندی مطلوب نہ ہو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی صاف چٹیل پتھر کی چٹان ہو جس پر مٹی پڑی ہو۔ پھر تیز بارش ہو جس سے پتھر کی تمام مٹی دھل جائے اور کچھ بھی باقی نہ رہے۔ اسی طرح ان لوگوں کے خرچ کی کیفیت ہے۔ میرے شیخ فرماتے ہیں کہ جو حق کی ادائیگی میں اجر کا سوال کرے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھی نہیں ہے۔

صدقہ و خیرات اس وقت تک بارگاہ ایزدی میں شرف قبولیت نہیں پاتا جب تک مال حلال سے نہ دیا جائے اور عبادت و ریاضت اس وقت تک قبول نہیں جب

تک کہ لقمہ حلال نہ کھایا جائے اور لقمہ حرام عدم قبولیت کا سبب ہے۔ ہادی کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک شخص لمبا سفر کرتا ہے وہ پراگندہ بالوں والا اور غبار آلود ہوتا ہے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرتا ہے گڑگڑا کر اپنے اللہ تبارک و تعالیٰ کو پکارتا ہے لیکن اس کا کھانا پینا اور غذا سب حرام کی ہیں اس لئے اس کی ایسے وقت کی ایسی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مال باطل سے جو سود خوری، قمار بازی اور حیلہ سازی وغیرہ سے حاصل کردہ ہو اس کے کھانے پینے کی ممانعت فرمائی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال پوچھا گیا کہ ایک شخص کپڑا خریدتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر مجھے پسند آیا تو رکھ لوں گا ورنہ کپڑا اور ایک درہم واپس کر دوں گا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ باطل مال کھانے میں شامل ہے۔ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نے لقمہ حرام و حلال کی نشاہی بیان فرماتے ہوئے لکھا ہے۔

چوں زلقمہ تو حسد بینی دوام   جہل و غفلت زاید آں را داں حرام

ترجمہ : جب تو دیکھے کہ لقمہ سے ہمیشہ حسد اور مکر، جہل اور غفلت پیدا ہوتی ہے تو اس کو حرام سمجھ۔

لقمہ کان نور افزو دو کمال
آن بود آوردہ ازکسب حلال

علم و حکمت زاید از لقمہ حلال
عشق و رقت زاید از لقمہ حلال

ترجمہ : جس لقمہ نے نور اور کمال بڑھایا ہے وہ حلال کی کمائی سے حاصل کیا ہوا ہوتا ہے۔ حلال رزق سے علم و حکمت پیدا ہوتی ہے۔ عشق اور دل کی نرمی لقمہ حلال سے پیدا ہوتی ہے۔

صحیحین میں ہے کہ جو شخص کسی لوہے سے خودکشی کرے وہ قیامت تک جہنم

کی آگ میں لوہے سے خودکشی کرتا رہے گا اور جو جان بوجھ کر مرجانے کی نیت سے زہر کھائے گا وہ شخص اپنے تئیں جس چیز سے قتل کرے گا وہ قیامت والے دن اسی چیز سے عذاب دیا جائے گا۔ فرمان رب قدوس ہے کہ جو شخص حرام جانتے ہوئے اس کا مرتکب ہو اور دلیرانہ طور پر حرام پر کاربند ہو وہ جہنمی ہے۔

اے عالمو' اے درویشو' اے صوفیو مال ناحق نہ کھاؤ

آخر میں ان علماء اور عابد لوگوں کو سرزنش کی گئی ہے جو لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور انہیں راہ خدا سے روک دیتے ہیں۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ حقیقی درویشوں اور صوفیوں کی نشاندہی فرماتے ہیں کہ جس کا لباس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہو وہ درویش ہے۔ جسے فاقے' قناعت اور ریاضت کا شرف ہے وہ فقیر ہے اور جو خلوت و جلوت میں صاف ہو۔ آپنے ساتھ بھی اور مخلوق اللہ کے ساتھ بھی وہ صوفی ہے یہ سب پاک جماعت کے افراد اور مقام ہیں۔

یہودیوں کے علماء کو احبار اور نصرانیوں کے عابدوں کو رہبان کہتے ہیں۔ حضرت سفیان بن عینیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء میں سے وہی بگڑتے ہیں جن میں کچھ نہ کچھ شائبہ یہودیت کا ہوتا ہے اور صوفیا اور عابدوں میں سے ہم مسلمانوں میں وہی بگڑتے ہیں جن میں نصرانیت کا شائبہ ہوتا ہے۔ صحیح حدیث شریف میں ہے کہ تم یقیناً اپنے سے پہلے لوگوں کی روش پر چل پڑو گے۔ ایسی پوری مشابہت کہ ذرا بھی فرق نہ رہے لوگوں نے عرض کیا۔ یہود و نصاریٰ کی روش پر۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہاں انہیں کی" ان کے اقوال و افعال سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ منصب ریاست اور وجاہت کے خوش رنگ طریقوں سے لوگوں کا مال ناجائز طور پر حاصل کرتے ہیں۔

(حصہ ششم) آیات متعلقہ اخلاقیات

(۱۲۵) اے ایمان والو! اللہ سے اتنے ہی ڈرو جتنا اس سے ڈرنا چاہیے۔ دیکھو

موت تک مسلمان ہی رہنا۔ (سورۂ آل عمران آیت ۱۰۲)

(۱۲۶) اے ایمان والو ! اگر تم اللہ تبارک و تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تبارک و تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا اور تم سے تمہارے گناہ دور کر دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ تبارک و تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ (سورۃ انفال آیت ۲۹)

(۱۲۷) اے ایمان والو ! اللہ تبارک و تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ (سورۃ توبہ آیت ۱۱۹)

(۱۲۸) اے ایمان والو ! اللہ تبارک و تعالیٰ سے ڈرو اور سیدھی سچی بات کیا کرو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے کام سنوار دے اور تمہارے گناہ معاف فرما دے۔ جو بھی اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرے اس نے بڑی کامیابی حاصل کر لی۔ (سورۃ احزاب آیت ۷۰ - ۷۱)

(۱۲۹) اے ایمان والو ! اللہ تبارک و تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاؤ اللہ تبارک و تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت کا دوہرا حصہ دے گا اور تمہیں نور دے گا جس کی روشنی میں تم چلو پھرو گے اور تمہارے گناہ بھی معاف فرما دے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے (سورۃ حدید آیت ۲۹)

(۱۳۰) اے ایمان والو ! اللہ تبارک و تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل (قیامت) کے واسطے اس نے اعمال کا کیا ذخیرہ کر رکھا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ (سورۂ حشر آیت ۱۸)

خلاصہ آیات

ان آیات مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا ہے کہ وہ ہر وقت اس سے ڈرتے رہیں۔ سچوں کے ساتھ رہیں۔ ہمیشہ قول سدیہ کہیں اور اس امر پر نگاہ رکھیں کہ آخرت کے لئے انہوں نے کیا توشہ جمع کر رکھا ہے۔ اس کے عوض اللہ عزوجل۔ انہیں دوہرا اجر دے گا گناہ معاف فرما دے گا۔ بخش دے گا اور سارے کام سنوارے گا۔ لیکن یہ سب کچھ اسی صورت میں ممکن ہے کہ تادم حیات مسلمان رہیں۔

ڈرو' ڈرو' ڈرو

خوف خدا اور خشیت الٰہی تمام صالح اعمال کی اصل اور اخلاقیات کی جڑ ہے کیونکہ اگر خوف خدا دل میں موجزن ہو تو کوئی برا کام کرنا' کسی کا حق غصب کرنا اور نواہی کے امور بجا لانا ممکن ہی نہیں ہے۔ خوف خدا یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت کی جائے۔ اس کی یاد کسی وقت نہ بھلائی جائے۔ اس کا ذکر کیا جائے' شکر کیا جائے' صبر کیا جائے اور کفرو شرک سے بچا جائے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انسان خوف خدا کا حق نہیں بجا لا سکتا۔ جب تک اپنی زبان کو محفوظ نہ رکھے۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری نوجوان پر خوف خدا غالب آگیا۔ وہ جہنم کو یاد کر کے رویا کرتا تھا۔ یہ کیفیت یہاں تک بڑھی کہ وہ گھر سے باہر نہیں نکلتا تھا۔ اس کا تذکرہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نوجوان کے پاس اس کے گھر تشریف لے گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب گھر میں داخل ہوئے اسے گلے لگایا۔ جوان گرا اور وصال پاگیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "خوف خداوندی نے اس کا کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے" حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر تم وہ بات جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم اپنی ازواج سے خوش طبعی نہ کرو اور تم اپنے بستروں پر قرار نہ پکڑو۔ خدا کی قسم مجھے یہ

بات پسند ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جس نے مجھے پیدا کیا تھا مجھے درخت بنایا ہوتا کہ میں کاٹا جاتا اور اس کا پھل کھایا جاتا۔ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نے ایمان کی بنیاد ہی خوف خدا قرار دیا ہے فرماتے ہیں۔

ہر کہ او را برگ این ایماں بود ہمچو برگ از بیم او لرزاں بود

ترجمہ : جس شخص کے پاس اس ایمان کا سازو سامان ہے وہ پتے کی طرح اس کے ڈر سے لرزاں ہو گا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ خوف خدا سے ہی معرفت حق و باطل عطا ہوتی ہے اور عزت و عظمت کی منزلیں نصیب ہوتی ہیں۔ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید ترسد از دے جن و انس وہر کہ دید

ترجمہ : جو (اللہ تبارک و تعالیٰ سے) ڈرا اور اس نے تقویٰ اختیار کیا تو اس سے جن اور انسان اور جو بھی اس کو دیکھے ڈرتا ہے۔

سچ کی منزل جنت اور جھوٹ کی منزل دوزخ ہے

جو ڈرتا ہے وہ ڈرنے والوں کی معیت میں رہتا ہے۔ یہی لوگ سچے اور صادق ہیں۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں سچا وہی ہے جو سچوں کی اتباع میں ہے۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے اگر صادقین کے ساتھ ہونا چاہتے ہو تو دنیا میں زہد اختیار کرو اور عام لوگوں سے میل جول کم کرو۔ میرے شیخ فرماتے ہیں صدق کا رخ ہمیشہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے اور کذب کا رخ ہمیشہ اپنی خواہش کی طرف ہوتا ہے۔ کذب وہ ہے جو کاذب کہے اگرچہ وہ بظاہر قرآن پاک ہی کیوں نہ سنائے اور سچ وہ ہے جو سچا کہے۔ حضرات ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "سچ بولا کرو کیونکہ سچ نیکی ہے اور نیکی جنت تک پہنچاتی ہے جو شخص سچ بولتا ہے وہ خدا کے دفتر

میں سچا لکھ دیا جاتا ہے۔ جھوٹ فسق و فجور کی طرف لے جاتا ہے اور فجور دوزخ میں پہنچاتا ہے۔ کوئی جب جھوٹ ہی جھوٹ بولتا رہتا ہے تو خدا کے دفتر میں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے" حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جھوٹ نہ سنجیدگی کے طور پر بول سکتے ہیں اور نہ دل لگی کے طور پر۔ جھوٹ اور سچ میں وقف رکھنے اور امتیاز کرنے کے لئے میرے شیخ نے اس کی نشانی بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں جس میں خواہش ہو وہ جھوٹ ہے اور جس میں خواہش موجود نہ ہو وہ سچ ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص آپ کے پاس بیٹھا ہے۔ اس کا دشمن آتا ہے جب یہ یقین ہو کہ اس کا پتہ بتانے سے فساد ہو گا تو کہہ دیں وہ اپنے مقام پر ہے یہ جھوٹ نہیں ہے۔ جب بات بالکل سیدھی۔ ایچ پیچ بغیر اور بھلی کہی جائے۔ دل میں تقویٰ اور زبان پر سچائی ہو اور سچوں کا ساتھ ہو تو اعمال صالح کی توفیق نصیب ہوتی ہے اور تمام گناہ معاف فرما دیئے جاتے ہیں۔

قول سدید کہو

حکم خداوندی ہے کہ قول سدید کہو۔ قول کی ادائیگی زبان سے کی جاتی ہے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے عرض کیا۔ "یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! میں امن و امان میں کس طرح رہ سکتا ہوں ؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر ارشاد فرمایا اس کی حفاظت کرو۔ حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ زبان کے بارے میں فرماتے ہیں۔

اے زبان ہم گنج بے پایان توئی
اے زبان ہم رنج بے درمان توئی

ہم خفیر و رہبر یاران توئی
ہم بلیس و ظلمت کفران توئی

ترجمہ : اے زبان بے شمار خزانہ تو ہے اور اے زبان لاعلاج مرض بھی تو ہے۔

دوستوں کی رہبر اور قاصد بھی تو ہے اور شیطان اور کفر کی تاریکی بھی تو ہے۔

جہاں تک قول سدید کا تعلق ہے تو اس کی مختلف تعریفات کی گئی ہیں۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قول سدید لا الٰہ الا اللہ ہے۔ حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں سچی بات قول سدید ہے۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ سیدھی بات قول سدید ہے۔ جب ہم کسی کو کہتے ہیں کہ سیدھی بات کرو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ بات کرو جو میں چاہتا ہوں۔ لیکن مومن کی یہ شان نہیں ہے۔ اس کا قول ہمیشہ سیدھا ہوتا ہے۔ قولاً سدید ہوتا ہے۔ سیدھا قول وہ ہوتا ہے جو خواہش سے پاک ہو مثلاً کسی نے سو روپے دینے تھے۔ اس نے اسی روپے لوٹائے تو یوں کہا جائے۔ آپ نے سو روپے دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اسی روپے عطا کئے ہیں۔ آپ بہتر سمجھتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے ؟ مہربانی ہو گی اگر مجھے بھی علم ہو جائے میرا خیال ہے آپ کو بھول ہوئی ہے۔ اس سے رشتہ بر قرار رہتا ہے اور انسان ایک دوسرے سے ٹوٹتا نہیں۔ یہ قول سدید ہے۔ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ تم نے بد دیانتی کی ہے۔ دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے تو تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔ یہ قول سدید نہیں ہے۔ جو لوگ قول سدید کہتے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے اعمال کی اصلاح کر دیتا ہے اس لئے بات کرتے وقت بڑا محتاط رہنا چاہیے۔

جو لوگ اللہ تبارک و تعالیٰ سے ڈرتے۔ سچوں کے ساتھ رہتے اور قول سدید کہتے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے دوہرا اجر عطا فرماتا ہے۔ خلیفتہ المومنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہودیوں کے ایک عالم سے پوچھا تمہیں ایک نیکی پر زیادہ سے زیادہ کس قدر فضیلت ملتی ہے۔ اس نے جواب دیا۔ ساڑھے تین سو تک۔ اس پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور فرمایا ہمیں تم سے دوہرا اجر ملا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین شخصوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ دوہرا اجر دے گا۔ ایک وہ اہل کتاب جو اپنے نبی علیہ السلام پر ایمان لایا پھر مجھ پر بھی ایمان لایا دوسرا وہ شخص جو اپنے آقا کی تابعداری کرے اور خدا کا حق بھی ادا کرے۔ اور تیسرا وہ شخص جو اپنی لونڈی کو ادب سکھائے اور بہت اچھا ادب سکھائے۔ یعنی شرعی ادب، پھر اسے آزاد کر دے اور نکاح کر دے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ آقا نامدار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے کہ جو بھی کسی اسلامی کار خیر کو شروع کرے اسے اپنا بھی اور اس کے بعد جو بھی اس کام کو کرے سب کا بدلہ ملتا ہے۔ لیکن بعد والوں کی اجر گھٹا کر نہیں۔ اسی طرح جو اسلام میں برے اور خلاف شرع طریقے کو جاری کرے اس پر اس کا اپنا گناہ بھی ہوتا ہے اور پھر جتنے لوگ اس پر کاربند ہوں سب کو جتنا گناہ ملے گا اتنا ہی اسے بھی ملتا ہے۔ مگر ان کے گناہ گھٹتے نہیں ہیں۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کو قرض دو۔ وہ دوگنا دے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر کسی نے ایک روپیہ دیا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اسے دو دے گا۔ بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ اس کا اجر دنیا میں بھی دیتا ہے اور آخرت میں بھی۔ یہ دوگنا ہے لیکن دیتا بے حساب ہے۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ گناہ کی معافی مشروط ہے۔ اس بات سے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو وحدہ لا شریک سمجھا جائے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اتباع کی جائے اور پھر اس پر استقامت اختیار کی جائے تو گناہ معاف فرما دیئے جاتے ہیں۔

(حصہ ہفتم) آیات متعلقہ آزمائش و امتحان

(۱۳۱) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ قدرے شکار سے تمہارا امتحان کرے گا جن تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں گے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ معلوم کرے کہ کون شخص اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے۔ جو شخص اس کے بعد حد سے نکلے گا اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (سورۃ مائدہ آیت ۹۴)

(۱۳۲) اے ایمان والو ! وحشی شکار کو قتل مت کرو۔ جب کہ تم حالت احرام میں ہو اور جو شخص تم میں سے اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس پر پاداش واجب ہو گی۔ جو کہ مساوی ہو گی۔ اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کریں۔ خواہ وہ پاداش خاص چوپاؤں میں سے ہو بشرطیکہ نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائی جائے۔ اور خواہ کفارہ مساکین کو دے دیا جائے۔ اور خواہ اس کے برابر روزے رکھ لیے جائیں تاکہ اپنے کئے کی شامت کا مزہ چکھے اللہ تعالیٰ نے گذشتہ کو معاف کر دیا اور جو شخص پھر ایسی ہی حرکت کرے گا تو اللہ تعالیٰ انتقام لے گا اور اللہ زبردست انتقام لینے والا ہے۔ (سورۃ مائدہ آیت ۹۵)

(۱۳۳) اے ایمان والو ! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان کر لیا کرو۔ در اصل ان کے ایمان کو بخوبی جانے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن اگر وہ تمہیں ایماندار معلوم ہوں تو اب تم انہیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو۔ یہ ان کے لئے حلال نہیں اور نہ وہ ان کے لئے حلال ہیں۔ جو خرچ ان کفار کا ہوا ہو وہ انہیں ادا کر دو۔ عورتوں کو ان کے مہر دے کر ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اور کافر عورتوں کی ناموس اپنے قبضہ میں نہ رکھو اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہو مانگ لو اور جو کچھ ان کافروں نے خرچ کیا ہو وہ مانگ لیں۔ یہ خدائی فیصلہ ہے جو وہ تمہارے درمیان کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ علیم اور حکیم ہے۔ (سورۃ ممتحنہ آیت ۱۰)

خلاصہ آیات

یہ زندگی مستعار بذات خود ایک آزمائش کے لئے ہے اور یہ دنیا امتحان گاہ ہے۔ اس لیے انسان پیدائش سے لے کر یوم حساب تک مسلسل آزمائش و امتحان کے سلسلوں سے گزرتا رہتا ہے۔ کبھی اس کی آزمائش مصائب و آلام کے گردابوں میں گھیر کر کی جاتی ہے ۔ کبھی اسے بلند و اعلیٰ منصب عطا کر کے اور عروج کے اونچے

محلوں میں بٹھا کر امتحان لیا جاتا ہے۔ اور کبھی وہ فراوانی زر کی سیمین چھاؤں اور کمی رزق کے اندھیروں کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔ حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

رز قلب زر نیکو در عیار بے محک ہرگز ندارد اعتبار

ترجمہ : کھوٹا سونا اور کھرا سونا پرکھنے میں بغیر کسوٹی کے ہرگز قابل اعتبار نہیں۔

اس آزمائش و امتحان کا مقصد وحید کھوٹے کھرے کو...... جھوٹے سچے کو۔۔۔ نور و ظلمت کو ایک دوسرے سے جدا کرنا ہے اور دیکھنا مقصود ہے کہ انسان راحت و غم میں...... عروج و زوال میں...... بست و کشاد میں اپنے اللہ...... رحیم و کریم اللہ ...... غفورالودود اللہ کے ساتھ جڑا رہتا ہے یا اس سے ناطہ توڑ کر غیروں کی ہمنوائی اختیار کرتا ہے۔ اس کا شکر ادا کرتا ہے یا ناشکری پر تل جاتا ہے...... صبر کا دامن تھامے رکھتا ہے یا بے صبری کی سلوں کی نیچے دب جاتا ہے۔

مصائب و آلام کی حقیقت

مصائب و آلام کی مختلف صورتیں ہیں۔ مصائب و آلام عام' خاص اور خاص الخاص سب پر آتے ہیں اس لئے کہ مصائب و آلام اگر ختم ہو جائیں۔ تو درجات اور بلندیاں بھی ختم ہو جائیں۔ ہر ایک درجے پر مصائب و آلام کے نتائج مختلف ہوتے ہیں۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ عام لوگوں پر جب مصائب و آلام آتے ہیں تو وہ انہیں باذن اللہ نہیں جانتے۔ اس لیے صابر نہیں رہ سکتے۔ اور معیت حق کا شرف انہیں حاصل نہیں ہوتا۔ وہ اللہ تعالٰی کی نعمت کی ناشکری کے مرتکب ہوتے ہیں۔ شیطان ان کے ساتھ لگ جاتا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالٰی کی معیت اختیار کرنے کی بجائے اسباب کی پناہ تلاش کرتے ہیں۔ اس طرح شرک

کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ظلم عظیم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ فلاح سے گزر جاتے ہیں اور خسارہ انہیں گھیر لیتا ہے۔ آزمائش میں ناکام ہو جاتے ہیں عام لوگوں کو مصائب و آلام اکثر ان کے ناقص اقوال کی بنا پر ہوتے ہیں ایسی صورت میں صاحبان حال اگر ان کے نام بدل دیں تو مصائب و آلام کی صورت بھی بدل جاتی ہے۔ جب بزرگان دین عنوان بدل دیتے ہیں تو سابقہ صفات معدوم ہو جاتی ہے۔ نئے عنوان پر سابقہ صورت موجود ہی نہیں ہوتی۔ بالکل اسی طرح جیسے مالی کسی پودے کو پیوند لگا دے تو اس کی پہلی صفتیں معدوم ہو جاتی ہیں اور جس کا پیوند لگایا جاتا ہے۔ اسی کے پتے' اسی کی شاخ' اسی کا پھول اور اسی کا پھل لگتا ہے۔

خاص لوگوں پر جب مصائب و آلام آتے ہیں۔ تو وہ اپنا احتساب کرتے ہیں۔ اور ان ناقص اعمال سے تائب ہو جاتے ہیں۔ جن کا نتیجہ انہیں گھیرے ہوئے ہوتا ہے۔ تائب ہونے کے بعد وہ اپنے عہد پر پورے رہتے ہیں۔ صالحین کی اتباع سے انہیں اصلاح کا راستہ ملتا ہے۔ ان پر روشن ہو جاتا ہے کہ وہ کیسے ہیں اور انہیں کیسے ہونا چاہیے۔ مصائب و آلام ...... آزمائش و امتحان ان لوگوں کے لئے سواری کا کام دیتا ہے اور یہ حال پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا کو پا لیتے ہیں۔ اس آزمائش سے ان صاحبان کے وجود میں قرب کی طغیانی آجاتی ہے۔ اور عشق الٰہی میں جو گوہر بار ان کی آنکھوں سے ٹپک رہے ہوتے ہیں ان کا ہر قطرہ جمال کا بلاوہ لے کر آتا ہے۔ حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "عشق اصل سرمایہ ہے۔ اور یہی ایمان کامل کا مقصود ہے۔ اس کے حصول کے لئے ایمان کا سرمایہ صرف کیا جاتا ہے۔ عشق کا بھاؤ اتنا تیز ہے کہ اس کی رتی بھر مقدار کے عوض منوں ایمان دینا پڑتا ہے۔" خاص الخاص لوگوں پر بھی مصائب و آلام آتے ہیں۔ یہ مخلصین پر' ایمان والوں پر' اللہ کی عاشقوں پر۔ اس لئے آتے ہیں کہ ان کے اخلاص کی بدولت ساتھ والوں کو اور پیچھے آنے والوں کو علم عطا ہو کہ ایسے مقامات پر حق کی ادائیگی کی احسن صورت کیا ہے۔ یہ لوگ مصائب و آلام کو منجانب اللہ جانتے

ہیں۔ اور صبر کرتے ہیں آزمائش میں بالکل پورے اترتے ہیں اس لئے انہیں معیت حق کا شرف عطا ہو جاتا ہے۔ اور ان کے قرب سے علم صبر عطا ہوتا ہے۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جو حال آیا ہوا ہو اسی پر راضی بہ رضا رہنا چاہیئے۔ صاحبان رضا کی اتباع کی حقیقت ہی رجوع الی اللہ ہے۔ اور یہی نجات کی صورت ہے۔ عام لوگ جن مصائب و آلام میں پس جاتے ہیں۔ خواص کے لئے وہی مصائب و آلام باعث راحت ہو جاتے ہیں۔ اور خاص الخاص کے قدم سے انعامات کے مزید دروازے کھلتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کسریٰ کا ساز و سامان لاکر رکھ دیا گیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "اے میرے اللہ ! مجھے خوب علم ہے کہ تیرے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات زیادہ محبوب تھی کہ کہیں سے کوئی مال آئے تو اس کو تیرے راستے میں اور تیرے بندوں پر خرچ کریں۔ اس کے بعد فرمایا۔ "اے میرے اللہ ! میں جانتا ہوں سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ بات پسند تھی کہ کہیں سے مال آتا اور وہ اس کو تیرے راستہ میں اور تیرے بندوں پر خرچ کرتے۔ تیری نظر عنایت اور تیری پسندیگی ان پر تھی" "اے میرے اللہ ! میں تیری مدد چاہتا ہوں اس بات میں کہ یہ (مال) تیری اور تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا پر ہی لگے۔"

خود احتسابی نہ کی جائے تو انسان راہ سے بھٹک جاتا ہے

انسان قبض و بسط کے دو مقامات میں سے کسی ایک پر ہر وقت رہتا ہے۔ لہذا اسے ہر وقت اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔ کہ اس کے قدم کسی لحظہ راہ حق سے ہٹ نہ جائیں۔ یہ خود احتسابی اسے اپنے ناقص اعمال سے فوراً کنارہ کشی اختیار

کرنے پر مائل کرتی ہے۔ حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ہر کہ نقص خویش را دیدو شناخت　　　اندر استکمال خود دو اسپ تاخت

ترجمہ : جس نے اپنے نقص کو دیکھ لیا اور پہچان لیا وہ اپنی تکمیل میں تیز دوڑتا ہے۔

اور اگر اس عمل کو جاری نہ رکھا جائے اور ذاتی احتساب و محاسبہ ترک کر دیا جائے تو انسان راہ راست سے بھٹک جاتا ہے۔ میرے شیخ فرماتے ہیں کہ جب انسان دکھ اور تکلیف۔ آزمائش و امتحان میں اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور مدد چاہتا ہے اور تائب ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اسے اس دکھ سے نکال دیتا ہے۔ دکھ سے نکالنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ دیکھے یہ انسان سچا ثابت ہوتا ہے یا نہیں ۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ لگ جائے تو وہ سچا ثابت ہوتا ہے۔ اگر بھول جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے پھر دوسری بار مہلت دے کر دیکھتا ہے جب اس بار بھی وہ مصیبت سے نکلنے کے بعد سچا ثابت نہیں ہوتا تو وہ فاسقوں میں لکھ لیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ رخ کا بھی امتحان لیتا ہے

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فضیلت اعمال کو نہیں رخ کو ہے۔ اور اس کی وضاحت یوں فرماتے ہیں کہ سب سے بڑا عمل شیطان کا تھا۔ اگر ساری دنیا کا عمل ایک طرف اور اس کا عمل دوسری طرف رکھ دیا جائے تو اس کے عمل کا پلڑا بھاری ہو جائے لیکن اس کا رخ درست نہیں تھا لہٰذا راندہ درگاہ قرار دیا گیا۔ اس کے پیش نظر دیگر آزمائش اور امتحانوں کے علاوہ مومنین کے رخ کی بھی آزمائش کی جاتی ہے متذکرہ بالا آیات میں رخ کی آزمائش کی جا رہی ہے اور رحمت کی یہ بات ہے کہ قبل از وقت بتا کر آزمائش کی جا رہی ہے اور ایمان کے دعویداروں کے رخ کا جائزہ لینے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حالت احرام میں

شکار کی ممانعت کر کے خواہ کمزور شکار ہو یا چھوٹا ہو آزما رہا ہے کہ تم ان کا شکار کرنے سے بچتے ہو یا نہیں تاکہ ثابت ہو جائے کہ سرا" اور اعلانیہ کون اطاعت کرتا ہے۔

حضرت مجاہد رحمتہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اگر کسی نے اپنی حالت احرام میں ارادتاً" قتل صید کا قصد کیا ہو تو اس کا گناہ کفار سے بھی بہت زیادہ ہے کیونکہ اس کا تو احرام ہی باطل ہو جاتا ہے۔ احکام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فرمان اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی ثبوت ملتا ہے کہ خطا سے قتل کرنے کی صورت میں کفار دینا پڑے گا لیکن عمداً" شکار کرنے والا کفارہ کے ساتھ گناہ گار بھی ہوا لیکن خطا والا گناہگار نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے کفارہ اس لئے واجب کیا ہے کہ اس کے حکم کی جو مخالفت کی ہے اس کی سزا پائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ محرم سے خطا اگر قتل صید سرزد ہو تو اس پر ہر قتل کے وقت یہ حکم صادر ہو گا لیکن اگر وہ عمداً قتل کرے تو پہلی دفعہ میں تو یہ سزا اس پر عائد ہو گی لیکن دوسری دفعہ اس سے کہا جائے گا کہ خدا تجھ سے انتقام لے۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب احرام نے شکار کیا اس پر فدیہ کی سزا عائد کی گئی اس نے دوبارا یہ جرم کیا تو آسمان سے آگ اتری۔ بجلی گری اور اسے جلا دیا۔

عورتوں کے ایمان کی پڑتال

صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کفار قریش کے درمیان جو شرائط طے ہوئی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی کہ جو کافر مسلمان ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے تو اسے اہل مکہ کو واپس کر دیا جائے گا لیکن قرآن حکیم نے ان میں سے عورتوں کو مستثنے کر دیا کہ جو عورت ایمان قبول کر کے آئے واپس نہ کی جائے۔ اور ان کا امتحان لے لیا جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان عورتوں کا امتحان کس طرح کرتے ہیں؟ فرمایا اس طرح کہ خدا کی قسم کھا کر سچ سچ کہے کہ وہ

اپنے خاوند کی ناچاقی کی وجہ سے نہیں آئی۔ صرف آب و ہوا اور زمین کی تبدیلی کے لئے بطور سیر و سیاحت نہیں آئی۔ کسی دنیا طلبی کے لئے نہیں آئی بلکہ اس نے صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں اسلام کی خاطر ترک وطن کیا ہے۔ اور کوئی غرض نہیں ہے۔ قسم دے کر ان سوالات کا کرنا اور خوب آزما لینا یہ کام سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد تھا۔ اگر آزمائش میں کسی دینوی غرض کا پتہ چل جاتا ہے۔ تو انہیں واپس لوٹانے کا حکم تھا۔ مثلاً میاں بیوی کی ان بن کی وجہ سے یا کسی اور شخص کی محبت میں چلی آئی ہے وغیرہ۔

مومن عورتیں کافروں پر اور کافر مرد مسلمان عورتوں کے لئے حلال نہیں۔ یہ رشتہ حرام ہے۔ اور نہ ہی کافر عورتوں کے ناموس اپنے قبضے میں رکھنے کی اجازت ہے۔ یعنی مسلمانوں کو کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھنا حرام ہے۔

(حصہ ہشتم) آیات متعلقہ گھریلو زندگی اور طرز معاشرت

(۱۳۴) اے ایمان والو ! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر ہاتھ لگانے سے قبل طلاق دے دو تو ان پر تمہارا کوئی حق عدت کا نہیں جسے تم شمار کرو۔ بھلے طریق پر انہیں رخصت کر دینا چاہیے۔ (سورۃ احزاب آیت ۴۹)

(۱۳۵) اے ایمان والو ! تمہیں حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کو ورثے میں لے بیٹھو۔ انہیں اس لئے روک نہ رکھو جو تم نے انہیں دے رکھا ہے۔ اس میں سے کچھ لے لو۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کوئی کھلی برائی اور بے حیائی کریں۔ ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بود و باش رکھو۔ اگر تم انہیں ناپسند کرو لیکن بہت ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو برا جانو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت ہی بھلائی کر دے۔ (سورۃ النساء آیت ۱۹)

(۱۳۶) اے ایمان والو ! تم سے تمہاری ملکیت کے غلاموں کو اور انہیں بھی جو تم میں سے بلوغت کو نہ پہنچے ہوں اپنے آنے کے تین وقتوں میں اجازت حاصل کرنی

ضروری ہے۔ نماز فجر سے پہلے اور ظہر کے وقت جب تم اپنے کپڑا اتار رکھتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد۔ یہ تینوں وقت تمہاری خلوت اور پردہ کے ہیں۔ ان وقتوں کے سوا نہ تو تم پر کوئی گناہ ہے نہ ان پر۔ تم سب آپس میں ایک دوسرے کے پاس بکثرت آنے جانے والے ہو۔ اللہ تعالیٰ اس طرح کھول کر اپنے احکام تم سے بیان فرما رہا ہے اللہ تعالیٰ علیم اور حکیم ہے۔ (سورۃ نور آیت ۵۸)

(۱۳۷) اے ایمان والو ! تمہارے آپس میں دو شخص وصی ہونا مناسب ہے جبکہ تم میں سے کسی کو موت آنے لگے جب وصیت کرنے کا وقت ہو وہ دو شخص ایسے ہوں کہ دیندار ہوں اور تم میں سے ہوں۔ یا غیر قوم کے دو شخص ہوں اگر تم کہیں سفر میں گئے ہو۔ پھر تم پر واقعہ موت کا پڑ جائے اگر تم کو شبہ ہو تو ان دونوں کو بعد نماز روک لو۔ پھر دونوں خدا کی قسم کھائیں کہ ہم اس قسم کے عوض کوئی نفع نہیں لینا چاہتے اگرچہ کوئی قرابت دار بھی ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی بات کو ہم پوشیدہ نہ کریں گے۔ ہم اس حالت میں سخت گناہ گار ہوں گے۔ (سورۃ مائدہ آیت ۱۰۶)

(۱۳۸) اے ایمان والو ! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ اجازت نہ لے لو۔ وہاں کے رہنے والوں کو سلام کرو۔ یہی تمہارے لئے سرا سر بہتری ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو (سورۃ نور آیت ۲۷)

(۱۳۹) اے ایمان والو ! جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھروں میں نہ جایا کرو۔ کھانے کے لئے بھی اجازت کے بعد جاؤ یہ نہیں کہ پہلے سے جا کر بیٹھ گئے۔ اور کھانا پکنے کا انتظار کرتے رہے بلکہ جب بلایا جائے جاؤ اور جب کھا چکو نکل کھڑے ہو جایا کرو۔ پھر وہیں باتوں میں مشغول نہ ہو جایا کرو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمہاری یہ حرکت ناگوار گزرتی ہے۔ لیکن وہ لحاظ کر جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بیان حق میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔ جب تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج رضی اللہ تعالیٰ علیہن سے کوئی چیز طلب کرو تو

پردے کے پیچھے سے طلب کیا کرو۔ تمہارے اور ان کے دلوں کی کامل پاکیزگی یہی ہے۔ نہ تمہیں یہ جائز ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف دو اور نہ تمہیں یہ حلال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں رضی اللہ تعالیٰ علیہن سے نکاح کرو۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ (سورۃ احزاب آیت ۵۳)

(۱۴۰) اے ایمان والو ! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ کردے جو ایسا کریں وہ بڑے ہی زیان کار ہیں۔ (سورۃ منافقون آیت ۹)

(۱۴۱) اے ایمان والو ! تمہاری بعض بیویاں اور بعض بچے تمہارے دشمن ہیں۔ خبردار ان سے ہوشیار رہنا اور اگر تم معاف کردو اور درگزر کر جاؤ اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورۃ تغابن آیت ۱۴)

(۱۴۲) اے ایمان والو ! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر ہیں جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں۔ جنہیں جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم کیا جاتا ہے بجا لائے ہیں۔ (سورۃ تحریم آیت ۶)

خلاصہ آیات

ان آیات مبارکہ میں گھریلو ازدواجی زندگی' میاں بیوی کے تعلقات۔ بچوں کی نگہداشت و حفاظت و تربیت۔ مال و اولاد کی دین۔ دشمنی اور اپنے اور دوسروں کے گھروں میں جانے کے متعلق شرعی ادب ' آداب اور احکامات معاشرت کا ذکر ہے

ازدواجی زندگی کے روشن اور تاریک پہلو

گھریلو ازدواجی زندگی کا آغاز مرد اور عورت کے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے

سے ہوتا ہے۔ اور یہ زندگی اسلام اور شرافت ذاتی کے ساتھ بسر کرنی چاہیے۔ شادی کے لئے دیکھ بھال کے وقت لڑکا موجود ہونا چاہیے کیونکہ شادی ایک طرح کی بیع ہے اور بیع ہمیشہ حاضر مال کی ہوتی ہے۔ وہ لڑکے جو ملک سے باہر ہوتے ہیں اور ان کا رشتہ یہاں طے کر کے لڑکی کو باہر بھیج دیتے ہیں یہ درست نہیں ہے۔ شادی کا مقصد چونکہ بقائے نسل انسانی ہوتا ہے اس لئے بڑی عمر کی عورت جس کی عمر پچاس سال یا اوپر ہو اس کی ساتھ شادی کرنا درست نہیں ہے۔ یہ ہوس رانی ہے۔

شادی کے وقت حق مہر باندھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دینے والوں سے خطاب فرمایا ہے۔ کہ مہر اچھی طرح دو اس لئے لڑکی والوں کو مہر باندھنے کا حق نہیں ہے۔ لڑکے والوں سے صرف اتنا کہہ دینا چاہیے کہ جو ادا کر سکو اتنا باندھو۔ بعض اوقات حالات ایسے کروٹ لے لیتے ہیں کہ عورت کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہی اسے طلاق دینا پڑ جاتی ہے۔ ایسی صورت میں اگر مہر مقرر ہو چکا ہو تو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق کی صورت میں آدھے مہر کی عورت مستحق ہے۔

اگر عورت فاحشۃ" مبینہ" کی مرتکب ہو تو اس صورت میں جائز ہے کہ اس سے مہر لوٹا لیا جائے۔ علاوہ ازیں کسی صورت میں بھی عورت کی بود و باش میں تنگ کرنا یا تکلیف دینا کہ وہ مجبور ہو کر اپنا سارا مہر چھوڑ دے یا اس میں سے کچھ چھوڑ دے۔ یا اپنے کسی اور واجبی حق وغیرہ سے دست برداری پر آمادہ ہو جائے۔ قطعاً درست و واجب نہیں ہے۔ اور جب تک عورت دین میں حائل نہ ہو اسے طلاق دینا ناجائز ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے کہ تم میں سے سب سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنی گھر والی کی ساتھ سب سے بہتر سلوک کرنے والا ہو۔ میں یعنی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی بیویوں سے بہت اچھی گھرداری برتتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواج کے ساتھ بہت لطف و کرم۔ نرم اخلاقی

اور خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔

حضرت ابو اسحاق سبیعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ علیہن کے پاس آئیں ان کا پھٹا پرانا لباس تھا اور خراب ہیئت تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ علیہن نے ان سے دریافت کیا۔ "تمہیں کیا ہوا ؟" انہوں نے عرض کیا "میرے شوہر رات کو کھڑے ہو کر عبادت کرتے ہیں اور دن بھر روزہ رکھتے ہیں" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی بیوی کے اس قول کی اطلاع دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور فرمایا۔ "کیا تمہارے لئے میرے اخلاق کی پیروی نہیں ہے ؟" حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ "کیوں نہیں' ضرور ہے' اور اللہ تعالیٰ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کرے" اس کی کچھ عرصہ کے بعد ان کی بیوی پھر آئیں۔ اچھے لباس میں تھیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تمہاری اچھائی میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں ہے اس لئے مومن کی یہ شان ہے کہ وہ عورت کے ساتھ اچھا سلوک روا رکھتا ہے ۔ خوش سلوکی سے رہتا ہے۔ عورت کو اچھی حالت میں رکھتا ہے اور خود بھی طاقت واستطاعت کے مطابق اچھی طرح رہتا ہے۔ صحیح حدیث پاک میں ہے کہ مومن مرد مومنہ عورت کو الگ نہ کرے۔ اگر اس کی کسی بات سے ناراض ہو گا تو کسی بات سے خوش بھی ہو گا۔ وظیفہ زوجیت و آرام کے لئے خلوت ضروری ہے۔ لہٰذا مومنین کے لئے اللہ تعالیٰ نے خلوت کے تین اوقات مقرر فرما دیئے ہیں جن میں لونڈی' غلاموں اور نا بالغ بچوں کو بھی اجازت لینے کا حکم ہے۔ پہلا وقت صبح کی نماز سے پہلے کا ہے کیونکہ وہ سونے کا وقت ہوتا ہے۔ دوسرا وقت دوپہر کا ہے جب انسان دو گھڑی آرام و راحت کے لئے لیٹتا ہے اور اپنے بالائی کپڑے اتار کر سوتا ہے۔ اور

تیسرا وقت نماز عشاء کے بعد کا ہے۔ ان اوقات میں انسان بے فکری سے ایسی حالت میں بھی ہوتا ہے کہ وہ دوسروں پر ظاہر نہیں ہونی چاہیے۔ لہٰذا حکم ہے کہ ان تین وقتوں میں وہ چپ چاپ نہ گھس آئیں بلکہ آنے سے پہلے اجازت طلب کریں۔ ان وقتوں کے علاوہ انہیں اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اسلام میں باندی کی حیثیت

باندیوں کے بارے میں کئی قسم کی غلط باتیں زبان زد عام ہیں لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بارے میں قدرے تفصیلاً ذکر کر دیا جائے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ باندی سے بغیر نکاح کے ازدواجی تعلقات رکھنا درست ہے اور ان کی تعداد پر بھی کوئی قدغن نہیں ہے۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باندی غلاموں کو تو شرم کے تین اوقات میں بغیر اذن اندر جانے کا حکم نہیں ہے۔ چہ جائیکہ ان سے خواہش نفسانی کو پورا کیا جائے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نکاح کے بغیر ہی لونڈی ان پر جائز ہے وہ عین جاہل ہیں۔ اور انہیں جان لینا چاہیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ **فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک ھم العدون** (۷ : ۲۳) تو جو ان دو کے سوا چاہیں وہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔ اگر لونڈیوں کی تعداد پر پابندی نہ ہو تو حد سے بڑھنے کا امکان ہی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حد ہو تو اس کا احترام حق ہوتا ہے۔ معلوم ہوا حد موجود ہے۔ اس سے صاف ہو گیا کہ لونڈیوں کی تعداد پر پابندی ہے اور ان کے متعلق بھی نکاح کے احکامات وہی ہیں۔ جو آزاد عورتوں کے ساتھ ہیں۔ اگر انہیں بغیر نکاح کے رکھ لیا جائے تو یہ بدکاری ہے اور بدکاری وہ عمل ہے جو مرد اور عورت میں بغیر نکاح کے مجامعت کی صورت میں ہوتا ہے۔

غزوات میں ہاتھ آئی ہوئی باندیاں مومنین کے پاس امانت ہوتی ہیں۔ اور ان پر باندی کے وہی حقوق ہیں جو ایک نگران کے ماتحت پر ہیں یعنی اس کے کھانے، پینے، لباس، رہائش کا انتظام کرے اور اس کا خیال رکھے امانت کی حیثیت سے۔ مومنین کی

اللہ تعالیٰ نے شان بیان فرمائی ہے۔ **والذین ھم عن اللغو معر ضون** (۳ : ۲۳) وہ لوگ لغو سے اعراض کرتے ہیں پھر فرمایا **والذین ھم لفرو جھم حفظون** (۵ : ۲۳) وہ لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ پھر ان کے متعلق فرمایا **والذین ھم لا منتھم و عھدھم راعون** ۸ : ۲۳) اور وہ لوگ اپنی امانتوں کی اور اپنے عہد کی رعایت کرتے ہیں۔ اس لئے باندی سے نکاح کے لئے بھی اسوۂ حسنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سامنے رہے۔ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جویریہ" خزاعیہ مصطلقیہ کو جو غزوہ مریسیع ۵ ہجری میں مسلمانوں کے ہاتھ آئی تھیں ان کو آزاد کیا پھر ان کی تمنا پر نکاح فرمایا۔ جو باندی کو فی سبیل اللہ آزاد کرے وہ برحق ہے اور جو کسی اور غرض کے لئے آزاد کرے وہ برحق نہیں ہے۔ آزاد ہونے کے بعد باندی چاہے جس سے نکاح کرے اور جب باندی سے نکاح ہو تو اس کا حق مہر بھی لازم ہے۔ فرمان الٰہی ہے۔ **اتوھن اجورھن بالمعر وف** (۲۵ : ۴) اور انہیں ان کے مہر دو۔

باندی سے نکاح کرنے کا حکم اس کے لئے ہے جو آزاد عورت سے نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو اللہ تعالیٰ نے اس کی سند نازل فرمائی ہے **ومن لم یستطع منکم طوہ ان ینکح المحصنت المومنات فمن ماملکت ایمانکم من فتیتکم المومنت** (۲۵ : ۴) اور جسے تم میں سے استطاعت نہ ہو بے مقدوری کے باعث آزاد مومنات سے نکاح کرنے کی تو وہ ان سے نکاح کرے جو ان کی ہاتھ کی مومن کنیزوں سے ہو۔ لیکن مشرک لونڈی سے نکاح کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ جب تک کہ وہ ایمان نہ لائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے **ولامتہ مومنیہ خیر من مشرکتہ ولو اعجبتکم** (۲۲۱ : ۲) اور مومن لونڈی مشرک لونڈی سے بہتر ہے۔ اگرچہ تمہیں مشرک لونڈی اچھی لگے۔

دشمن ازواج و اولاد

شادی کے بعد انسان کے ذمے ایک نیا کام لگ جاتا ہے۔ لہٰذا متنبہ کیا گیا ہے

کہ مال و اولاد کی محبت میں پھنس کر اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ ہو جانا۔ کیونکہ مال و دولت کے ذریعے اللہ تعالیٰ انسان کو پرکھتا ہے کہ معصیت میں مبتلا ہونے والے کون ہیں؟ اور اطاعت گزار و فرمانبردار کون ہیں؟ میرے شیخ فرماتے ہیں کہ اولاد کے لئے مال جمع کرنا اور اس کے لئے تمام ذرائع مہیا کرنا بہت بڑا شر ہے۔ اور وہ اس طرح کہ جب انسان سارا کچھ صرف اور صرف اپنی اولاد کے لئے کرتا ہے۔ تو شر سے پہلو تہی ممکن نہیں ہے فرمان ربی تو یہ ہے کہ تمام مومن بھائی بھائی ہیں۔ کیا بھائی کی اولاد اپنی اولاد نہیں ہے۔ لہٰذا مستحقین کے بچوں کو بھی پیار کرنا اور چیزیں دینا حق ہے۔ لیکن اس حقیقت سے صرف نظر کیا جاتا ہے اور غیر شعوری طور پر یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ وہ رب جو سب کو پالتا ہے وہ ہماری اولاد کو نہیں دے گا۔ اس سے بڑا اور شر بھلا کیا ہو گا۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ بعض عورتیں اپنے مردوں کو اور بعض اولادیں اپنے والدین کو یاد خدا ور نیک عمل سے روک دیتی ہیں۔ جو درحقیقت دشمنی ہے۔ اس لئے اپنے دین کی نگہبانی ان کی ناجائز ضروریات اور فرمائشوں کو پورا کرنے پر مقدم رکھنی چاہیے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرد جب گھر آتا ہے تو عورت سمجھتی ہے یہ اپنا وقت اچھے مقصد پر...... دینی علوم حاصل کرنے پر ــــ ناصحین کی محبت و معیت میں صرف کرے گا تو یہ کہتی ہے بچہ آپ کو بہت یاد کرتا ہے۔ اور وہ بچے کے ساتھ اس طرح مشغول ہو جاتا ہے کہ سب کچھ بھول جاتا ہے۔ یہ بھی فتنہ اولاد اور شر کی ایک صورت ہے۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو موجود ہو اس میں دوسروں کا حصہ رکھنا اور حقداروں میں تقسیم کرنا اور اللہ تعالیٰ کی عطا کو پورا جاننا اور اس پر پورا رہنا توکل ہے جو بیوی بچے توکل میں باعث رکاوٹ بنیں وہ دشمن وعدو ہیں ان سے بچنا چاہیے۔ مثلاً اگر آپ نے اپنی بیوی کو دو سوٹ بنا کر دیئے ہیں اور وہ کہتی ہیں یہ کم ہیں مجھے اور کی ضرورت ہے۔ تو یہ توکل میں حائل ہونے والی بات ہے۔ اسی طرح آپ کسی حقدار کو ایک سو روپے اپنے لڑکے کے سامنے دیتے ہیں اور

وہ کہتا ہے کہ بیس روپے مجھے بھی دیں تاکہ فضول اڑاؤں تو یہ بھی توکل میں دخل ہے۔ کیونکہ جب اولاد باپ کی تقسیم پر تنقید کرے تو توکل میں رکاوٹ ہے اس سے بچنا چاہیے۔

صاحبزادہ رضا حسین فرماتے ہیں دشمن بیوی اور اولاد سے چار طریقوں سے بچا جا سکتا ہے۔

اولاً" : قول سے ! اس کو سمجھاویں کہ تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ سے علیحدہ بات کی ہے توبہ کرو۔ اور وعدہ کرو آئندہ ایسی بات نہیں کرو گی یا کرو گے۔ پھر ہم اکٹھے رہ سکتے ہیں۔

ثانیاً" : علم سے ! ان سے معاملہ شاہد کی صورت سے ہو تو یہ عمل سے بچنا ہے۔

ثالثاً" : عمل سے ! اپنے علم کی اپنے شاہد کے علم سے تصدیق کرتا رہے۔

ربعاً" : خلوص سے ! شاہد کے فرمان کو بلا دلیل مانے۔

بچوں کی تعلیم و تربیت

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں مومنین، منافقین اور کفار کے ہاں جو بچے پیدا ہوتے ہیں وہ سب پاک ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ پاک ہے لہٰذا پاک ہی بھیجتا ہے لیکن مومن اور مسلمان کے گھر جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ جماعت سے ملا دیا جاتا ہے ثبوت اس کا یہ ہے کہ مسلمان کے ہاں بچہ پیدا ہوتے ہی اس کے ایک کان میں اذان اور دوسرے میں تکبیر سنائی جاتی ہے۔ اذان و تکبیر یہ دونوں اقامت جماعت کی شہادت ہیں۔ حکم خداوندی ہے کہ اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔ اس لئے جس طرح اچھی فصل لینے کے لئے بیج کی حفاظت کی جاتی ہے اور پھر پودے کی دیکھ بھال کی جاتی ہے اور اگر بیج کی حفاظت ٹھیک طرح نہ ہو اور وہ

خراب ہو جائے تو اچھی فصل کی توقع عبث ہے۔ اسی طرح اولاد سے تعلق خدائی مہمانوں کا سا ہو۔ ان کو راہ راست پر رکھنے کا حق ادا کیا جائے تو یہ تعلق رضائے الٰہی کے لئے ہو گا اور دائمی ہو گا۔

میرے شیخ رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ مدت رضاعت سے بچے کی بلوغت تک اسے خدائی مہمان سمجھا جائے۔ بچوں سے ایک سا پیار نہ کرنا بری بات ہے۔ فرمان کے مطابق دھیان رکھنا چاہیے۔ بولنے سے لے کر اس کی بلوغت تک اس کی تعلیم و تربیت کی جائے اور اس طرح کی جائے کہ وہ اسباب کی بجائے مسبب کے تابع رہے ورنہ علم غیر سے فساد ضرور ہوتا ہے۔ اس دوران میں جہاں اور جب بچے کو سمجھانے کی ضرورت محسوس ہو تو اسے پیار سے سمجھایا جائے۔ جو بچہ حکم کے درجے میں ہو اسے حکم دینا چاہیے اور جو مشورے کے درجے میں ہو اسے مشورہ دینا چاہیے۔ بزرگ کہتے ہیں کہ بچے کو اپنے باپ کو دوست بنانا چاہیے۔ باپ بہترین دوست ہوتا ہے۔ کوئی باپ اپنے بیٹے کو برا مشورہ نہیں دیتا۔ یہاں تک کہ چور بھی نہیں چاہتا کہ اس کا لڑکا چور بنے' اور جب لڑکا بات کرے تو اسے آرام سے سمجھا دے۔ سمجھانے کی کئی صورتیں ہیں مثلاً جب بچہ سودا خرید کر لائے اور وہ ٹھیک نہ ہو تو دوسری مرتبہ بچے کو خود لے کر بازار جائے اور بتائے کہ سودا کس طرح خریدتے ہیں۔ بچے کو جو کام کہا جائے اور وہ کر آئے تو اس میں نقص نہیں نکالنا چاہیے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ بہت اچھا ہے یہ کہنا کہ تم اتنے بڑے ہو گئے ہو کتنا برا سودا لائے ہو۔ تمہیں عقل نہیں ہے۔ کب تک بیوقوف رہو گے اس کی شخصیت کو توڑ دیتا ہے اور وہ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ کیا کرے۔ اس کا اثر اس کی ساری زندگی پر محیط ہو جاتا ہے۔

اہل خانہ کو آگ سے بچاؤ

گھر والوں کو آگ سے محفوظ و مامون رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ انہیں علم و ادب سکھایا جائے اور علم دنیا و کسب سکھانے سے پہلے انہیں علم دین سکھایا جائے۔

اس سے انہیں دنیا اور دنیا کی کثافتوں پر غالب آنے میں مدد ملے گی۔ حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دو اور نافرمانیوں سے روکتے رہو۔ ان پر اللہ تعالیٰ کے حکم قائم رکھو۔ اور انہیں احکام خداوندی بجا لانے کی تاکید کرتے رہو۔ نیک کاموں میں ان کی مدد اور برے کاموں پر انہیں ڈانٹو ڈپٹو۔ اکثر لوگ اپنے بچوں کو مارتے ہیں اس کی دو وجوہات ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مستقبل میں خود زندہ رہ سکیں۔ وہ اگر پڑھے لکھے ہیں تو بچے کو اس لئے پڑھاتے ہیں کہ وہ پڑھے لکھے کی حیثیت سے زندہ رہ سکیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سمجھتے ہیں کہ مارنے سے وہ ان کو اپنے رنگ میں ڈھال لیں گے جس رنگ میں وہ آئندہ بچوں کی صورت میں زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ یہ انداز حق سے تعلق نہیں رکھتا۔ بچے کو اس لئے مارنا چاہیے کہ وہ حق کی راہ پر گامزن ہو۔ مسند احمد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز پڑھنے کو کہتے سنتے رہا کرو۔ جب دس سال کا ہو جائے اور نماز میں سستی کرے تو اسے مار کر دھمکا کر پڑھاؤ'
حقیقت تو یہ ہے کہ جو والدین اولاد کو دین پر رکھتے ہیں وہ اپنا حق ادا کرتے ہیں اور جو اولاد کو دین پر رکھنے کی بجائے زینت دنیا کو ان کا مقصود بنا دیتے ہیں وہ خلق اللہ کو تبدیل کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں اور حکم خداوندی کے خلاف کرتے ہیں۔ میرے شیخ کا فرمان ہے کہ جو حق پر رہتا ہے بچوں کو حق پر رکھتا ہے وہ دین قیم پر ہے۔ جس کی یہ صورت نہیں وہ بے علم ہے اور اپنی ہی خواہش کو حق جانتا ہے۔

تعلقات کی ڈوریاں محبتوں کے رشتے

جہاں زندگی ہے وہاں زندگی کی رونقیں بھی ہیں...... نفرتیں بھی ہیں...... محبتیں بھی ہیں...... دشمنیاں بھی ہیں...... دوستیاں بھی ہیں...... واقفیت بھی ہے...... ملاقاتیں بھی ہیں اور تعلقات بھی ہیں۔ لیکن ہر بات اور ہر کام کے کرنے کا ایک ڈھنگ...... ایک انداز...... ایک طریق ہوتا ہے۔ اچھا اور برا...... غلط اور

صحیح...... مستحسن اور غیر پسندیدہ...... اگر ہدایت کی روشنی میں بات اور کام کیا جائے تو راحت اور عزت نصیب ہوتی ہے اور اگر فرمان کے خلاف کیا جائے تو شرمندگی و ذلت دامن تھام لیتی ہے۔ زندگی کے ہر معاملے کی ڈور تعلقات سے بندھی ہوتی ہے اور انسان مہد سے لے کر لحد تک۔ لحد سے لے کر یوم جزا تک اور یوم جزا سے لے کر جنت و دوزخ تک تعلقات کے دائرے میں ہی گھومتا رہتا ہے۔ تعلقات کے یہ دائرے بہت چھوٹے سے لے کر بہت بڑے تک ہوتے ہیں۔ انہیں تعلقات کی بنا پر دنیا میں ایک دوسرے کے گھر بھی جانا پڑتا ہے۔

شرعی ادب و حکم یہ ہے کہ جب کسی کے گھر جاؤ تو داخل ہونے سے پہلے اجازت مانگو جب اجازت مل جائے تو پہلے سلام کرو۔ اگر پہلی مرتبہ اجازت طلبی پر جواب نہ ملے تو پھر اجازت مانگو۔ تین مرتبہ مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سلام کہو پھر اجازت مانگو۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے تین مرتبہ اجازت طلب کی۔ جب کوئی نہ بولا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس لوٹ گئے۔ تھوڑی دیر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں سے فرمایا۔ دیکھو عبداللہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنا چاہتے ہیں انہیں بلا لو۔ لوگ گئے دیکھا تو وہ چلے گئے ہیں۔ واپس آن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر دی دوبارہ جب حضرت ابو موسیٰ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ملاقات ہوئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا۔ "آپ کیوں چلے گئے تھے ؟" جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ تین مرتبہ اجازت چاہنے کے بعد بھی اگر جازت نہ ملے تو واپس لوٹ جاؤ؛ میں نے تین بار اجازت چاہی۔ جب جواب نہ آیا تو اس حدیث پر عمل کر کے واپس لوٹ گیا۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس چار عورتیں گئیں۔ اجازت چاہی کیا ہم آجائیں ؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔ "نہیں تم میں جو اجازت کا طریقہ جانتی ہو اسے کہو کہ وہ اجازت لے۔ تو ایک عورت نے پہلے سلام کیا

پھر اجازت مانگی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اجازت مرحمت فرما دی۔

کسی کے گھر جانے کا دوسرا اصول یہ ہے کہ گھر کے دروازے کے بالمقابل کھڑے ہونا درست نہیں بلکہ دائیں بائیں قدرے ہٹ کر کھڑا ہونا چاہیے حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی تیرے گھر میں تیری اجازت کے بغیر جھانکنے لگے اور تو اسے کنکر مارے جس سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تجھے کوئی گناہ نہ ہو گا۔

ملاقات کے لئے جانے کا تیسرا اصول یہ ہے کہ پوچھنے پر اپنا نام بتایا جائے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ اپنے والد مرحوم کے قرضے کی ادائیگی کے فکر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "کون ہے ؟" حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ "میں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "میں' میں" گویا میں کہنے کو ناپسند فرمایا۔ اس لفظ کو ہر شخص اپنے لیے کہہ سکتا ہے۔ اس سے اجازت طلبی کا اصلی مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اپنی ماں اور بہنوں کے پاس بھی جانا ہو تو ضرور اجازت لے لیا کرو۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے خاوند عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب میرے پاس گھر میں آتے تو کھنگھار کر آتے۔ کبھی بلند آواز سے دروازے کے باہر کس سے باتیں کرنے لگتے۔ تاکہ گھر والوں کو آپ کے آنے کی اطلاع ہو جائے۔

گھر میں داخلے کی وقت اجازت طلب کرنے کا منشاء و مقصود ہی یہ ہے کہ پردے کا اہتمام کر لیا جائے۔ صحیحین میں ہے کہ تین باتیں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہیں جن کے مطابق رب العالمین نے احکام نازل فرمائے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! اگر آپ صلی اللہ علیہ

وسلم مقام ابراہیم علیہ السلام کو قبلہ بنائیں تو بہتر ہو۔ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی حکم اترا کہ **واتخذوا من مقام ابراہیم مصلی** (۲/۱۲۵) پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ازدواج مطہرات غیرت کی وجہ سے کچھ کہنے سننے لگیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ "کسی غرور میں نہ رہنا۔ اگر محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں چھوڑ دیں تو اللہ تعالیٰ تم سے بہتر بیویاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دلوائے گا" چنانچہ یہی آیت قرآن پاک میں نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پردے کا حکم نازل ہوا۔ صحیح مسلم شریف میں ایک اور موافقت بھی موجود ہے اور وہ بدر کے قیدیوں کا فیصلہ ہے۔

آداب دعوت

پردہ مردوں اور عورتوں کے دلوں کی پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ تم میں سے کسی کو جب اس کا بھائی بلائے تو اسے دعوت قبول کرلینی چاہیے خواہ نکاح کی ہو یا کوئی اور لیکن بقول حضرت مجاہد و قتادہ رحمہم اللہ علیہ کھانے کے پکنے اور اس کے تیار ہونے کے وقت ہی نہ پہنچو۔ جب سمجھا کہ کھانا تیار ہو گا جا گھسے۔ یہ خصلت اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ یہ طفیلی بننے کی حرمت پر دلیل ہے۔ اس سے پردے کا اہتمام مشکل ہو جاتا ہے اور نہ ہی بعد از دعوت زیادہ دیر تک بیٹھے رہنا چاہیے جس سے اہل خانہ کو تکلیف ہو۔

موت اور وصی

موت و حیات لازم ملزوم ہیں۔ ان دونوں کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے بزرگان دین فرماتے ہیں کہ موت وصال کا دروازہ ہے۔ جب کسی گھر میں کوئی وصال پا جائے تو اس صورت میں راضی برضا رہنا چاہیے۔ اور صبر جمیل کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ لیکن اگر حادثہ موت گھر سے باہر دوران سفر پیش آجائے تو وہ وصی مقرر کر دے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے سفر کیا ہو۔ اس

کے ساتھ مال ہو تو اگر مسلمانوں میں سے دو آدمی پائے تو اپنا ترکہ ان کے سپرد کر دے اور دو مسلمان گواہوں کو بھی اس پر گواہ بنا لے۔ یہ وصی بنانے کی صورت ہے۔ اگر ان دونوں کے ساتھ تیسرا وصی نہ ہو تو ان دونوں گواہوں میں وصایہ اور شہادۃ کے دونوں اوصاف بھی پائے جاتے ہیں۔

سفر میں وصیت کے وقت جب مسلمان موجود نہ ہوں تو غیر مسلم ہی سہی۔ "یہاں اس بات کا جواز نکلتا ہے کہ سفر میں وصیت کے وقت جب مسلمان موجود نہ ہوں تو ذمیوں کو گواہ بنایا جا سکتا ہے۔ حضرت شریح رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ سفر اور وصیت کے وقت کے سوا یہود و نصاریٰ کی شہادت کسی اور وقت جائز نہیں ہے۔ بجز امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ بقیہ تینوں آئمہ عظام رحمہ اللہ علیہم نے مسلمانوں پر اہل ذمہ کی شہادت جائز نہیں سمجھی جبکہ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ ذمی کی گواہی ذمی پر جائز قرار دیتے ہیں۔ حضرت زہری رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ طریق سنت یہی ہے کہ کافر کی شہادت نہ سفر میں جائز ہے اور نہ حضر میں' شہادت کا حق صرف مسلمان ہی کو ہے۔

(حصہ نہم) آیات متعلقہ معاشرتی و سماجی زندگی

(۱۴۳) اے ایمان والو ! کوئی جماعت دوسری جماعت سے تمسخر نہ کرے۔ ممکن ہے کہ یہ اس سے بہتر ہو اور نہ عورتیں عورتوں سے ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں۔ اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ کسی کو برے لقب دو۔ ایمان کے بعد گنہگاری برا نام ہے اور جو توبہ نہ کریں وہی لوگ ظالم ہیں۔ (سورۃ حجرات آیت ۱۱)

(۱۴۴) اے ایمان والو ! بہت کثیر ظن سے بچو۔ بیشک بعض ظن گناہ ہیں' اور تجسس نہ کیا کرو' اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے۔ تم کو اس سے گھن آئے گی۔ اور اللہ

تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ (سورۂ حجرات آیت ۱۲)

(۱۴۵) اے ایمان والو! تم جب سرگوشیاں کرتے ہو تو یہ سرگوشیاں گنہگاری اور ظلم و زیادتی اور نافرمانی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ ہوں۔ بلکہ نفع رسانی اور پرہیزگاری کی باتوں پر آپس میں تبادلہ خیالات کرو اور اس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے۔ (سورۂ مجادلہ آیت ۹)

(۱۴۶) اے ایمان والو! جب تم رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر اور اطہر ہے۔ ہاں اگر نہ پاؤ تو بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورۂ مجادلہ آیت ۱۲)

(۱۴۷) اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے میعاد مقرر پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ اور لکھنے والے کو چاہیے کہ تمہارا آپس کا معاملہ عدل سے لکھے کاتب کو چاہیے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے اسے سکھایا ہے وہ بھی لکھ دے۔ اور جس کے ذمہ حق ہو وہ لکھوائے اور اپنے اللہ تعالیٰ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ گھٹائے نہیں۔ جس شخص کے ذمہ حق ہے وہ اگر نادان ہو یا کمزور ہو یا یہ لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوا دے اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرو تاکہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے۔ گواہوں کو چاہیے کہ جب وہ بلائے جائیں تو انکار نہ کریں۔ قرض کو جس کی مدت مقرر ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو لکھنے میں کاہلی نہ کرو۔ خدا کے نزدیک یہ بات بہت انصاف والی ہے۔ اور گواہی کو بھی زیادہ درست رکھنے والی اور شک و شبہ سے بھی زیادہ بچانے والی۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ معاملہ نقد تجارت کی شکل میں ہو جو آپس میں تم لین دین کر رہے ہو تو تم پر اس کے نہ لکھنے میں کوئی گناہ نہیں۔ خرید و فروخت کے وقت بھی گواہ مقرر کر لیا کرو۔ نہ تو لکھنے والے

کو نقصان پہنچایا جائے نہ گواہ کو۔ اور اگر تم یہ کرو تو یہ تمہاری کھلی نافرمانی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں تعلیم دے رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر ہر چیز کو جانتا ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۸۲)

(۱۴۸) اے ایمان والو ! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو۔ اگر تم سچ مچ مومن ہو۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۷۸)

(۱۴۹) اے ایمان والو ! بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ فلاح پاؤ۔ (سورۃ آل عمران آیت ۱۳۰)

(۱۵۰) اے ایمان والو ! عہد و پیمان پورے کیا کرو تمہارے لئے مویشی چوپائے حلال کئے جاتے ہیں۔ بجز ان کے جن کے نام پڑھ کر سنا دیئے جائیں گے۔ مگر حالت احرام میں شکار کو حلال جاننے والے نہ بننا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جو چاہے حکم کرتا ہے۔ (سورۃ مائدہ آیت ۱)

(۱۵۱) اے ایمان والو ! تم للہیت کے ساتھ حق پر قائم ہو جاؤ۔ راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے۔ عدل کیا کرو۔ جو تقوے سے متصل ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ (سورۃ مائدہ آیت ۸)

(۱۵۲) اے ایمان والو ! عدل و انصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور خوشنودی خدا کے لئے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ گو وہ خود تمہارے اپنے ہو یا اپنے ماں باپ کے یا رشتے دار عزیزوں کے۔ وہ شخص اگر امیر ہو تو اور فقیر ہو تو دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے پس تم خواہش نفس کے پیچھے انصاف نہ چھوڑ دو۔ اور اگر تم نے کج بیانی یا پہلو تہی کی تو جان لو کہ جو تم کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔ (سورۃ النساء آیت ۱۳۵)

(۱۵۳) اے ایمان والو ! تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے آزاد کے

بدلے آزاد' غلام کے بدلے غلام' عورت عورت کے بدلے۔ جس کسی کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے اسے بھلائی کے پیچھے لگنا چاہیے۔ اور آسانی کے ساتھ دیت ادا کرنی چاہیے تمہارے رب کی طرف سے یہ تخفیف اور رحمت ہے۔ اس کے بعد بھی جو سرکشی کرے اسے دردناک عذاب ہو گا۔ (سورۃ البقرہ آیت ۱۷۸)

خلاصہ آیات

ان آیات مبارک میں معاشرتی و سماجی اصلاح کے لئے ان اہم نکات و امور کی طرف نشاندہی کی گئی ہے جن کو نظرانداز کرنے سے زندگی اجیرن اور معاشرہ تہ و بالا ہو جاتا ہے مثلاً انفرادی اور اجتماعی طور پر کسی کا تمسخر و مذاق اڑانا۔ ایک دوسرے کے اندر عیب و نقائص چننا اور نازیبا الفاظ و القابات سے نوازنا ایسے قبیح و ناپسندیدہ افعال ہیں جن سے باہمی رشتہ اخوت۔ تعلقات اور محبت و مروت کی موت واقع ہو جاتی ہے اور دلوں میں کدورتوں کے خار مغیلاں مدت المدید تک روحوں کو زخمی و مجروح کرتے رہتے ہیں علاوہ ازیں کسی کے بارے میں ظن' قیاس' گمان اور بدگمانیوں کو دل میں جگہ دینا۔ کسی کی خلوت اور تنہائیوں کے بارے میں ٹوہ لگاتے رہنا اور غیبت و چغل خوری کو طرہ امتیاز و مشغلہ بنا لینے سے قربتیں دوریوں میں اور دوستیاں دشمنیوں میں بدل جاتی ہیں۔ مجلسی زندگی میں باہمی سرگوشی اور کانا پھوسی اعتماد کے آبگینوں کو چکناچور کر دیتی ہے۔ باہمی لین دین۔ عہد و پیمان گواہی و شہادت اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا صحت مند اور صالح معاشرے کو وجود میں لانے کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ توانا جسم کے اندر صحت مند خون کا موجود ہونا زندگی کے لئے جزو لاینفک ہے۔

تمسخر اڑانا

لوگوں کو حقیر و ذلیل کرنے' ان کا مذاق و تمسخر اڑانے اور انہیں ذلیل و کمتر

خیال کر کے ان پر چڑھ دوڑنے اور لگائی بجھائی کے ارتکاب کو اللہ تعالیٰ نے ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ اگر اس صفت کی جزئیات میں جایا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ ذاتی اور گروہی تعلقات کو کشیدہ بنانے میں جتنا نقصان اس چیز نے پہنچایا ہے کسی اور چیز نے نہیں پہنچایا۔ اسی لئے فرد اور جماعت کو دوسروں کا تمسخر اڑانے سے منع فرمایا گیا ہے اور شریعت نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عین ممکن ہے جس فرد یا جماعت کی تحقیر و تذلیل کی جا رہی ہے جس سے مسخرا پن کیا جا رہا ہے جس کا تمسخر اڑایا جا رہا ہے وہ مذاق اڑانے والوں کی نسبت اللہ تبارک و تعالیٰ کے زیادہ قریب ہو لیکن اپنی حماقت و خبث باطن کی بنا پر اسے نظر حقارت سے دیکھا جاتا ہے۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ نے تمسخر کی چار صورتیں بیان فرمائی ہیں۔

اولاً : نسب کے لحاظ سے ۔ خاندانی برتری اور فضیلت کے پیش نظر دوسروں کو کمتر خیال کرنا حالانکہ ساری مخلوق حضرت آدم اور حضرت مائی حوا علیہم السلام کی اولاد ہے۔ اس لحاظ سے سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ پھر نسب کے پیش نظر کسی کا تمسخر اڑانا چہ معنی دارد۔

ثانیاً : صحت کے لحاظ سے ۔ اگر کسی کی آنکھ خراب ہے یا ٹانگ میں نقص ہے تو کسی کو تمسخر اڑانے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اس میں اس شخص کا اپنا قصور نہیں ہے۔ کون چاہتا ہے کہ اس میں کوئی جسمانی نقص ہو ؟

ثالثاً : زینت حیات کے لحاظ سے ۔ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے کسی کو زیادہ مال و دولت اور آسائشیں عطا کر رکھی ہیں تو یہ مقام شکر ہے نہ کہ اس خام بنیاد پر ان کا مذاق اڑایا جائے جن کے پاس وہ اشیاء نہیں ہیں۔ مال و دولت ڈھلتی چھاؤں ہے۔ اس لئے فخرو غرور کرنا اپنی بربادی کو دعوت دینا ہے۔

رابعاً : پیشے کے لحاظ سے ۔ مختلف پیشے تقسیم کار کے لئے ہیں۔ اس

لئے ہر پیشے والے کی مناسب عزت و تکریم لازمی ہے اس بنیاد پر کسی کا تمسخر اڑانا اسے ہیچ، ذلیل اور کمتر خیال کرنا گناہ ہے۔ بنی نوع انسان کی بھلائی کے جملہ علوم بشارت و انذار کا حق ادا کرنے والے شاہدین سے جاری ہوئے ہیں۔ نقصان سے متعلق علوم انسان خواہشات کا اتباع کا نتیجہ ہیں۔

عیب لگانا

کسی کے اندر کوئی عیب اس لئے تلاش کیا جاتا ہے کہ اسے طعنہ دیا جائے اور جو طعنہ دیتا ہے وہ فخر و غرور کا مرتکب ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ حق سے منہ موڑنے اور لوگوں کو ذلیل و خوار سمجھنے کا نام تکبر ہے۔ میرے شیخ فرماتے ہیں کہ طعنہ کی حقیقت یہ ہے کہ کسی میں کسی چیز کی کمی کو اپنی غیر حقیقی فضیلت کے مقابل کر کے دیکھا جائے اور اپنی انا کو تسکین دی جائے۔ مثلاً ایک شخص اچھا کام کرتا ہے تو پکارا جاتا ہے کہ اس کی نیت ٹھیک نہیں ہے۔ اگر وہ اس وار سے بچ جائے تو دوسرا حربہ استعمال کیا جاتا ہے۔ "وہ پہلے بھی ایسا کرتا رہا ہے۔" اگر اس مقام پر بھی اس پر اثر نہ ہو تو پھر اس سے جھگڑا کیا جاتا ہے۔ اگر اس پر بھی وہ الجھا نہیں تو اسے ذلیل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ عام صورتیں فساد کی ہیں۔ اس سے ہمیشہ دوری پیدا ہوتی ہے۔ بزرگان دین فرماتے ہیں۔ جو دوسروں پر اپنی فضیلت کو ثابت کرنے کے لئے انہیں طعنہ دیتا ہے اور ان کی پشت پیچھے ان کے عیب بیان کر کے اپنا امتیاز جتاتا ہے وہ اگر کسی صورت کا مذاق اڑاتا ہے تو یہ بڑی خرابی کی بات ہے۔ اگر وہ توفیق پر طعنہ زن ہوتا ہے تو توفیق کا معطی مطلق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یہ بھی سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔ اور اگر کسی کے طرز زندگی پر طعنہ زنی کرتا ہے تو اس کے اپنے طریق زندگی کی صحت کی سند کہاں موجود ہے۔ مومن کی تو یہ شان ہے کہ وہ نہ منہ پر طعنہ دیتا ہے اور نہ پیٹھ پیچھے اس کے عیب بیان کرتا ہے۔ جو کسی کو طعنہ دے کر اور کسی کا عیب بیان کر کے امتیاز جتاتا ہے اسے کوئی بھی خطرے سے خالی نہیں جانتا۔ نہ اس

کے قریب ہونے سے کسی کو خوشی ہوتی ہے اور نہ ہی اسے قریب کرنے پر کوئی راغب ہوتا ہے۔ انہیں لوگوں کے بارے میں قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔ **ویل لکل همزة لمزة** یعنی ہر طعنہ باز عیب جو کے لئے خرابی ہے۔ طعنے مہنے دینے اور کسی میں عیب و نقائص تلاش کرنا اکثر عورتوں کا شیوہ ہے لہٰذا انہیں بھی تنبیہہ کی گئی ہے کہ وہ بھی عیب گیری و نکتہ چینی سے باز آجائیں۔ اور اس ملعون خصلت کو حرام قرار دیا ہے۔

برے القاب دینا

حکم ہے کہ کسی شخص کی کوئی چڑ نہ نکالو جس لقب سے وہ ناراض ہوتا ہو۔ اس کے اندر حدت پیدا ہوتی ہو تو اس لقب سے اسے نہ پکارا جائے کیونکہ ایمان کی حالت میں فاسقانہ القابات سے آپس میں ایک دوسرے کو نامزد کرنا نہایت ہی دل دکھانے والی بات ہے۔ لہٰذا مومن اس سے ہمیشہ اجتناب کرتا ہے۔

ظن

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب خواہش جنم لیتی ہے تو ظن گمان معرض وجود میں آتا ہے اگر محبت ہو تو پھر ہر بات میں مثبت رنگ جھلکتا ہے وہاں نفی ہوتی ہی نہیں۔ اور جب محبت نہ ہو تو اس صورت خواہشات کے مطابق بات مان لی جاتی ہے۔ ظن گمان کے شکار انسان کی یہ نشانی ہے کہ وہ کار خیر سے منع کرتا ہے۔ اس طرح وہ ظن کی اتباع میں بڑھتے بڑھتے ایک ذن غیر کے ساتھ لگ جاتا ہے۔ اس کی دوسری نشانی یہ ہے کہ اس کا قول و عمل مستند نہیں ہوتا وہ جب کسی مستند قول کو سنتا اور مستند عمل کو دیکھتا ہے تو اپنی خواہشات کی بیخ کنی اسے قریب نظر آنے لگتی ہے۔ اس لئے وہ جھوٹ کے بند باندھنے کی کوشش کرتا ہے اور کار خیر سے منع کرتا ہے اور جب وہ تکذیب حق اور کار خیر سے روکنے سے باز نہیں آتا تو وہ اس درجے سے گرا دیا جاتا ہے۔ جہاں سے اس کی بات سنی جاتی تھی اس

لئے بزرگان دین کا قول ہے کہ حق کے لئے جہد حق کی اتباع ہے اور حق کی اتباع صاحب حق کی اتباع ہے۔ ظن کی اتباع سے بچنے کا یہی ایک راستہ ہے۔

حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ بدگمانی سے بچو کیونکہ گمان سب سے بڑی جھوٹی بات ہے۔ جب گمان ذاتی تجربے سے ٹکراتا ہے تو تشنید اور ظن پر استوار محل آن واحد میں زمین بوس ہو جاتا ہے۔ طبرانی میں ہے شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تین خصلتیں میری امت میں رہ جائیں گی فال لینا' حسد کرنا اور بدگمانی کرنا۔ ایک شخص نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر ان کا تدارک کیا ہے ؟ ارشاد فرمایا جب حسد پیدا ہو تو استغفار کرو۔ جب کوئی شگون لے خواہ نیک نکلے خواہ بد اپنے کام سے نہ رکے اور جب گمان پیدا ہو تو اسے چھوڑ دو اور یقین نہ کرو۔ امیرالمومنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "تیرے مسلمان بھائی کی زبان سے جو کلمہ نکلا ہو جہاں تک تجھ سے ہو سکے اسے بھلائی اور اچھائی پر معمول کرو۔ اور ظن گمان سے بچو۔ ابن ماجہ میں ہے کہ محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طواف کعبہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "تو کتنا پاک گھر ہے ؟ تو کیسی اچھی خوشبو والا ہے ؟ تو کس قدر عظمت والا ہے ؟ اور کیسی بڑی حرمت والا ہے ؟ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے کہ مومن کی حرمت اس کی اور اس کی جان کی حرمت اور اس کے ساتھ نیک گمان کرنے کی اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک تیری حرمت سے بہت بڑی ہے۔"

تجسّس

تجسس کا اطلاق عموماً برائی پر ہوتا ہے اور تحسس کا اطلاق بھلائی کے ڈھونڈنے پر۔ میرے شیخ فرماتے ہیں کہ کسی فرد کی خلوت کے بارے میں جاننا تاکہ اس کا تمسخر اڑایا جائے تجسس کہلاتا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا۔ تجسس نہ کرو۔ یعنی دوسرے کی برائیاں

اور راز تلاش نہ کرو۔ حدیث شریف میں ہے نہ تجسّس کرو نہ تحسّس کرو۔ نہ حسد و بغض کرو نہ منہ موڑو بلکہ سب مل کر اللہ تعالیٰ کے بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ۔ حضرت اوزاعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک تجسّس کہتے ہیں کسی چیز میں کرید کرنے کو اور تحسّس کہتے ہیں ان لوگوں کی سرگوشی پر کان لگانے کو جو کسی کو اپنی باتیں سنانا چاہتے ہوں۔ اور تدابر کہتے ہیں ایک دوسرے سے رک کر قطع تعلقات کرنے کو لہٰذا ان سب سے خود کو بچانا عین حق ہے۔

غیبت

لوگوں نے حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! غیبت کیا ہے ؟" فرمایا "یہ کہ تو اپنے مسلمان بھائی کی کسی ایسی بات کا ذکر کرے جو اسے بری معلوم ہو۔" عرض کیا گیا "اگر وہ بات اس میں ہو جب بھی" فرمایا۔ "ہاں غیبت تو یہی ہے ورنہ بہتان اور تہمت ہے۔" ابن جریر میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس طرح تم اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے گھن کرتے ہو اس سے بہت زیادہ نفرت تم کو غیبت سے کرنی چاہئے۔ حضرت سدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان رضی تعالیٰ عنہ ایک سفر میں دو شخصوں کے ساتھ تھے جن کی خدمت یہ کرتے تھے اور وہ انہیں کھانا کھلاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالہ عنہ آرام فرمانے لیٹ گئے اور قافلہ آگے چل پڑا۔ پڑاؤ پر پہنچ کر ان دونوں نے دیکھا کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں آئے۔ تو اپنے ہاتھوں سے انہیں خیمہ کھڑا کرنا پڑا اور غصہ سے کہا۔ "سلمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تو بس اتنے ہی کام کا ہے کہ پکی پکائی کھائے اور تیار خیمے میں آرام کرے۔" تھوڑی دیر میں حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچے۔ ان دونوں کے پاس سالن نہ تھا تو کہا۔ "تم جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمارے لئے سالن لے آؤ۔" یہ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی خدمت میں عرض کی۔ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ! مجھے میرے دونوں ساتھیوں نے بھیجا ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس سالن ہو تو دے دیجئے" آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "وہ سالن کیا کریں گے۔ انہوں نے تو سالن پا لیا۔" حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس گئے اور جا کر ان سے یہ بات کہی۔ وہ اٹھے اور خود حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ! ہمارے پاس تو سالن نہیں نہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھیجا ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "تم نے سلمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے گوشت کا سالن کھا لیا جب کہ تم نے اسے یوں یوں کہا۔"

مسند احمد میں ہے ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ تھے جو نہایت سڑی ہوئی مردار کی طرح بدبودار ہوا چلی۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ "جانتے ہو' یہ بو کس چیز کی ہے یہ بدبو ان کی ہے جو لوگوں کی غیبت کرتے ہیں۔" ابوداؤد میں ہے جس نے کسی مسلمان کی برائی کر کے ایک نوالا حاصل کیا اسے جہنم کی اتنی ہی غذا کھلائی جائے گی۔ اسی طرح جس نے مسلمان کی برائی کرنے پر پوشاک حاصل کی اسے اسی جیسی پوشاک جہنم کی پہنائی جائے گی۔ اور جو شخص کسی دوسرے کی برائی دکھانے سنانے کو کھڑا ہوا اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دکھاوے سناوے کے مقام پر کھڑا کر دے گا۔ شب معراج میں محبوب کبریا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بہت سے لوگوں کو دیکھا جن میں مرد عورت دونوں تھے کہ فرشتے ان کی کروٹوں سے گوشت کاٹتے ہیں اور پھر انہیں اس کے کھانے پر مجبور کر رہے ہیں اور وہ چبا رہے ہیں۔ دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ وہ لوگ طعنہ زن' غیبت گو اور چغل خور تھے۔ چغل خور وہ ہوتا ہے جو دوسروں کے فساد اور جھگڑے سے فائدہ اٹھا کر ایک کی بات دوسرے کو بتا کر اس کے قریب ہونے کی کوشش کرتا ہے۔

سرگوشی

ابن ابی حاتم کی ایک حدیث ہے کہ ہم لوگ باری باری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ اگر کوئی کام ہو تو کر دیں۔ ایک مرتبہ زیادہ لوگ آگئے تو ہم چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ اتنے میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا۔ "یہ سرگوشیاں کیا ہو رہی ہیں ؟" کیا تمہیں اس سے روکا نہیں گیا فرمان ربی ہے کہ اس قسم کی سرگوشی جس سے مسلمان کو تکلیف پہنچے اور اسے بدگمانی ہو۔ شیطان کی طرف سے ہے۔ شیطان ان منافقوں سے یہ کام اس لئے کراتا ہے کہ مومنوں کو غم و رنج ہو ان لوگوں کی سرگوشیاں یا تو خانگی نوعیت کی ہوتی ہیں یا پھر گناہ کے کاموں پر ہوتی ہیں۔ جس میں ان کا ذاتی نقصان ہے۔ یا ظلم پر ہوتی ہیں۔ جس میں دوسروں کے نقصان کی ترکیبیں سوچتے ہیں۔ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم تین آدمی ہو تو دو مل کر کان میں منہ ڈال کر باتیں کرنے نہ بیٹھ جاؤ اس سے تیسرے کا دل میلا ہو گا۔ لیکن اگر اس کی اجازت ہو تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن ایسی کانا پھوسی جو کسی مسلمان کو ناگوار گزرے حدیث میں بھی منع ہے۔ مومنین کو صرف ایک دوسرے کی نفع رسانی اور پرہیزگاری کی باتوں پر تبادلہ خیالات کرنے کا حکم ہے۔ کسی کی بدخوئی، چغل خوری وغیرہ کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کوئی مسلمان ایسی بات کرنا چاہتا ہو جس کا اظہار دوسروں کے سامنے وہ مناسب خیال نہ کرتا ہو۔ تو اس صورت میں اسے حضور مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی کرنے کی اجازت تھی۔ لیکن اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ اصول ٹھہرا دیا کہ راز کی بات کرنے سے پہلے خیرات دو۔ تاکہ بات کرنے والا پاک ہو جائے اور اس قابل ہو جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مشورہ کر سکے۔ لیکن اگر کوئی غریب شخص ہو تو اس سے مستثنیٰ ہے۔ یہی صورت حال پر بزرگان دین سے راز کی بات کرنے کی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اسی لڑی کے موتی ہیں جس کا تعلق محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔

قرض

حضرت ابن جریج رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص ادھار دے وہ لکھ لے اور جو سودا بیچے وہ گواہ کر لے۔ حدیث پاک میں ہے کہ جو علم کو جان بوجھ کر چھپائے گا قیامت کے دن اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب قرض دیتے وقت لکھا جا رہا ہو اور اس کے لئے کسی کو گواہ بننے کے لئے بلایا جائے تو اس وقت اختیار ہے کہ بلائے جانے والا شخص گواہ بنے یا نہ بنے۔ لیکن جب گواہ بن جائے تو پھر بوقت ضرورت گواہی دینے کے لئے جب بلایا جائے تو ضرور جانا پڑے گا۔ اور لیت و لعل کی گنجائش نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اچھے گواہ وہ ہیں جو بے پوچھے ہی گواہی دے دیا کریں۔ حدیث پاک میں ہے کہ پھر ایسے لوگ آئیں گے جن کی قسمیں گواہیوں پر اور گواہیاں قسموں پر پیش پیش رہیں گی۔ ان کی گواہی نہ لی جائے گی تاہم وہ گواہی دیں گے۔ یہ مذمت جھوٹی گواہی دینے والوں کی ہے۔

حضرت ابو سلیمان مرعشی رحمتہ اللہ علیہ جو حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت پاک میں بہت رہے تھے۔ انہوں نے ایک دن اپنے قرب والوں سے کہا۔ اس مظلوم کو بھی جانتے ہو۔ جو اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اس کی دعا قبول نہیں ہے۔ لوگوں نے عرض کیا یہ کس طرح ؟ فرمایا۔ "یہ وہ شخص ہے جو ایک مدت تک کے لئے ادھار دیتا ہے اور نہ گواہ رکھتا ہے نہ لکھت پڑھت کرتا ہے۔ پھر مدت گزرنے پر تقاضا کرتا ہے اور دوسرا شخص انکار کر جاتا ہے۔ اب یہ خدا سے دعا کرتا ہے لیکن پروردگار قبول نہیں کرتا۔ اس لئے کہ اس نے کام اس کے فرمان کے خلاف کیا اور اپنے رب کا نافرمان ہوا ہے۔ ابن مردویہ اور حاکم میں ہے کہ تین اشخاص ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں لیکن قبول نہیں کی جاتی۔ ایک وہ کہ جس کے گھر بداخلاق عورت ہو اور وہ اسے طلاق نہ دے۔ دوسرا وہ شخص جو کسی یتیم کا مال اس کی بلوغت سے پہلے اسے سونپ دے۔ اور تیسرا وہ شخص ہے جو کسی کو مال قرض دے اور گواہ نہ رکھے۔

سود

مسند احمد میں ہے جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کی دعائیں قبول ہوں اور اس کی تکلیف و مصیبت دور ہو جائے اسے چاہئے کہ تنگی والے لوگوں پر کشادگی کرے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں آتے ہوئے زمین کی طرف اشارہ کر کے فرمایا جو شخص کسی نادار پر آسانی کرے یا اسے معاف کر دے اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی گرمی سے بچائے گا۔ سنو جنت کے کام خواہش کے خلاف ہیں' اور جہنم کے کام خواہش نفس کے مطابق ہیں۔ نیک بخت وہ لوگ ہیں جو لوگ فتنوں سے بچ جائیں۔ وہ گھونٹ جو انسان غصے کا پی لے اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو کوئی اور گھونٹ پسندیدہ نہیں ہے۔ ایسا کرنے والے کا دل اللہ تعالیٰ ایمان سے پر کر دیتا ہے۔ طبرانی میں ہے جو شخص کسی مفلس شخص پر رحم کر کے اپنے قرض کی وصولی میں اس پر سختی نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ بھی اس کے گناہوں پر اسے نہیں پکڑتا یہاں تک کہ وہ توبہ کرے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص قیامت کے دن خدا کے عرش کا سایہ چاہتا ہو وہ یا تو تنگی والے شخص کو مہلت دے یا قرض معاف کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ اگر تنگی والا شخص ہو اور اس کے پاس تمہارے قرض کی ادائیگی کے قابل مال نہ ہو تو اسے مہلت دو کہ کچھ اور مدت بعد ادا کر دے۔ بلکہ بہتر بات تو یہ ہے کہ ایسے غرباء کو اپنا قرض معاف کر دو۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قرض ایک شخص کے ذمہ تھا وہ تقاضا کرنے کو آتے لیکن وہ چھپ رہتے اور نہ ملتے۔ ایک دن آئے۔ گھر سے ایک بچہ نکلا آپ نے اس سے پوچھا اس نے کہا ہاں گھر میں موجود ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اونچی آواز سے انہیں پکارا اور فرمایا۔ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ تم گھر میں موجود ہو آؤ باہر آؤ۔ جواب دو۔ وہ بے چارے باہر نکلے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ "کیوں چھپ رہے ہو"۔ عرض کیا۔ "حضرت بات یہ ہے کہ میں مفلس

ہوں اس وقت میرے پاس رقم نہیں ہے بوجہ شرمندگی کے آپ سے نہیں ملتا"۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ قسم کھاؤ۔ اس نے قسم کھائی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رو دیئے اور فرمانے لگے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جو شخص نادار کو ڈھیل دے یا اپنا قرضہ معاف کر دے وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے سائے تلے ہو گا۔ لہٰذا میں آپ کو اپنا قرضہ معاف کرتا ہوں۔

ایک حدیث میں ہے کہ سود کے تہتر گناہ ہیں۔ سب سے بڑا سود مسلمان کی ہتک عزت کرتا ہے۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ لوگ سود کھائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ سودخور سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ اپنے ہتھیار لے لے اور خدا سے لڑنے کے لئے آمادہ ہوجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں امام وقت پر فرض ہے کہ سودخور لوگ جو اسے نہ چھوڑیں ان سے توبہ کرائے اور اگر وہ نہ کریں تو ان کی گردن مار دے۔ شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے پیٹ مثل بڑے بڑے گھڑوں کے تھے۔ پوچھا یہ کون لوگ ہیں ؟ بتایا گیا یہ سودخور بیاج لینے والے ہیں۔ ایک اور روایت کے مطابق ان کے پیٹوں میں سانپ بھرے ہوئے تھے۔ جو باہر سے نظر آتے تھے۔ ایک مطول حدیث میں ہے کہ ہم جب ایک سرخ رنگ نہر پر پہنچے جس کا پانی مثل خون کے سرخ تھا۔ تو میں نے دیکھا اس میں کچھ لوگ ہیں۔ وہ بمشکل تمام کنارے پر آتے ہیں لیکن کنارے پر ایک فرشتہ بہت سے پتھر لئے بیٹھا ہے۔ ان کا منہ پھاڑ کر ایک پتھر منہ میں اتار دیتا ہے وہ پھر بھاگتے ہیں۔ پھر یہی ہوتا ہے۔ پوچھا تو معلوم ہوا یہ سودخوروں کا گروہ ہے۔ یہ وبال ان پر اس باعث ہے کہ یہ کہتے تھے کہ تجارت بھی مثل سودخوری کے ہے۔ یہ اعتراض ان کا شریعت پر اور احکام خداوندی پر تھا۔ اور اس سے وہ سود کو مثل بیع کے حلال جانتے تھے۔

عہد و پیمان

حضرت ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ اس پر اجماع بتاتے ہیں کہ عہد و پیمان خواہ

قسمیہ ہو یا وعدے ہوں سب کو پورا کرنا فرض ہے۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ امانت کی حفاظت یہ ہے کہ اس کو اپنی خواہش پر نہ لگایا جائے اور اس کی حفاظت کی جائے عہد کی رعایت یہ ہے کہ اس کو ادب سے نبھایا جائے۔ اپنی زبان سے نکلے ہوئے لفظوں کی قدر کرنے والے ہی اس قابل ہوتے ہیں کہ ان سے بے خطر معاملہ کیا جائے۔ فرماتے ہیں کہ اپنے ساتھیوں کے عہد کو پورا کرنا بھی ہم پر حق ہے۔ حضرت زید بن اسلم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عہد چھ طرح کے ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کا عہد (۲) آپس کی یگانگت کا قسمیہ عہد (۳) شرکت کا عہد (۴) تجارت کا عہد (۵) نکاح کا عہد اور (۶) قسمیہ وعدہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ عہد کو پورا کرنے میں اللہ تعالیٰ کے حلال کو حلال جاننا۔ اس کے حرام کو حرام جاننا۔ اس کے فرائض کی پابندی کرنا۔ اس کی حدبندی کی نگہداشت کرنا بھی ہے کسی بات کا خلاف نہ کرو۔ کسی حد کو نہ توڑو۔ کسی حرام کام کو نہ کرو۔ اس پر بہت سختی ہے۔

عدل و انصاف

مسلمان کی حقیقت سلامتی ہے۔ وہ اپنے ساتھ بھی سلامت رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ بھی سلامت رہتا ہے۔ یہی انصاف ہے۔ انصاف کا معیار اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا ہے۔ لیکن جو بے انصاف ہوتے ہیں وہ لوگ اپنی خواہشات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے سے بہتر کسی کو مانتے ہی نہیں اور اس لئے بے انصاف اپنے آپ پر ہی ظلم کرتا ہے لیکن جو مسلمان ہے اور حقیقی مسلمان ہے وہ کبھی بے انصاف ہو ہی نہیں سکتا۔

میرے شیخ فرماتے ہیں کہ انصاف اسی صورت میں ممکن ہے جب ملزم کی بات کو پوری طرح سنا جائے اور اس پر عائد کردہ الزام کو سمجھا جائے۔ اگر جرم عائد کرنے والے کو سچا مان لیا جائے تو کرسی انصاف پر بیٹھنے والا شخص ملزم کو غور سے نہیں سنے

گا۔ عین ممکن ہے کہ مدعی ہی جھوٹا و کاذب ہو۔

دور حاضر کی عدالتوں میں جب کوئی منصف فیصلہ کرنے لگتا ہے تو کہتا ہے (اگر میں درست ہوں) وہ اگر کہہ کر شرط لگا دیتا ہے اب اس الگ فیصلہ کون کرے کہ وہ صحیح ہے۔ درحقیقت یہ کالا قانون ہے۔ اسے یہودیوں نے بنایا تھا اس کی سب سے بڑی نص یہ ہے کہ فرمان ربی کے خلاف بنایا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر لاعلمی میں گناہ ہو جائے تو وہ قابل معافی ہے۔ لیکن موجودہ قانون' کالا قانون کہتا ہے کہ لاعلمی قابل معافی نہیں اس لئے قانون کے تحت کسی کے ساتھ عدل کرنا ناممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عدل و انصاف پر مضبوطی سے جمے رہو۔ اس سے ادھر ادھر نہ ہٹو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی کے ڈر کی وجہ سے یا کسی لالچ کی بنا پر یا کسی کی خوشامد میں یا کسی پر رحم کھا کر یا کسی کی سفارش سے عدل و انصاف چھوڑ بیٹھو۔ سب مل کر عدل و انصاف کو قائم و جاری رکھیں ایک دوسرے کی اس معاملہ میں مدد کریں اور خلق خدا میں عدالت کے سکے جما دیں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل خیبر کے پاس ہر سال خیبر کی کھجوروں کا تخمینہ کرنے کے لئے جایا کرتے تھے اور جو کچھ ان کے تخمینہ میں آتا اس کا آدھا اہل خیبر پر مقرر کر آتے تھے۔ اہل خیبر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ وہ تخمینہ پیداوار سے زیادہ لگا آتے ہیں اور ادھر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رشوت کا لالچ دیا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ "اے اللہ کے دشمنو ! تم مجھ کو حرام کھلاؤ گے ؟ میں تمہارے پاس ایک ایسی ذات گرامی کی طرف سے آیا ہوں جو تمام لوگوں سے مجھے محبوب ہے۔ اور تم لوگ مجھے ایسے مبغوض ہو کہ تمہاری تعداد کے برابر بندر اور خنزیر بھی ایسے مبغوض نہیں ہیں۔ لیکن میرا تم سے یہ بغض رکھنا اس بات پر آمادہ نہیں کر سکتا کہ میں تمہارے ساتھ انصاف نہ برتوں"۔ یہ سن کر یہود نے کہا۔ انہیں باتوں یعنی عدل و انصاف کی بدولت تو آسمان و زمین قائم ہیں۔

صحیحین میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میرے باپ نے مجھے ایک عطیہ دے رکھا تھا۔ میری ماں عمرہ بنت رواحہ نے کہا میں تو اس وقت تک مطمئن نہیں ہونے کی جب تک کہ تم اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہ بنا لو۔ میرے باپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ واقعہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا اپنی اولاد کو بھی ایسا عطیہ دیا ہے ؟ عرض کیا کہ نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اپنی اولاد میں عدل کیا کرو۔ جاؤ میں کسی ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔ چنانچہ میرے باپ نے وہ صدقہ لوٹا دیا۔ پھر فرمایا۔ دیکھو کسی کی عداوت اور ضد میں آکر عدل سے نہ ہٹ جانا۔ دوست ہو یا دشمن تمہیں عدل و انصاف کا ساتھ دینا چاہیے۔ تقویٰ سے زیادہ قریب یہی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مصر کے باشندوں میں سے ایک شخص نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آکر عرض کیا۔ ”اے امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ! میں ظلم سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پناہ پکڑنے آیا ہوں“۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ میں نے تجھے پناہ دی۔ اس آدمی نے کہا۔ ”میں نے ابن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوڑنے میں بازی لگائی اور میں اس سے آگے نکل گیا تو اس نے مجھے کوڑے سے مارنا شروع کیا۔ اور کہتا جاتا تھا میں بڑے آدمیوں کا بیٹا ہوں۔ یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف لکھا اور ان کو آنے کا حکم دیا اور اس بات کا کہ اپنے لڑکے کو بھی اپنے ساتھ لائیں۔ جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ ”وہ مصر کا رہنے والا کہاں ہے ؟ کوڑا لے اور اس کو مار۔“ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ کی قسم اس مصری نے مارا اور بیشک اسے مارا اور ہم پسند کرتے تھے کہ وہ مارا جائے وہ مصری مارنے سے نہ رکا۔ یہاں تک کہ ہم

نے تمنا کی کہ اب یہ مصری اپنا ہاتھ اٹھا لے اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصری سے کہا کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کھوپڑی پر مار۔ اس مصری نے عرض کیا۔ "اے امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ! ان کے بیٹے ہی نے مجھے مارا ہے۔ انہوں نے نہیں اور میں اس سے اپنا بدلہ لے چکا۔" اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "کب سے تم نے لوگوں کو غلام بنا لیا ہے۔ حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا ہے ؟" حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا "اے امیرالمومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے اس قصہ کا کچھ علم نہیں اور نہ ہی یہ آدمی میرے پاس آیا تھا۔"

حکم ہے کہ عدل و انصاف کے لئے گواہیاں اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے دو جو بالکل صحیح، صاف، سچی، اور بے لاگ ہوں۔ بدلو نہیں، چھپاؤ نہیں...... چبا کر نہ بولو...... صاف صاف سچی شہادت دو۔ اگرچہ وہ خود تمہارے اپنے ہی خلاف کیوں نہ ہو لیکن تم حق گوئی سے نہ رکو اور یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت گزار بندوں کی مخلصی کی بہت سی صورتیں نکال دیتا ہے۔ کچھ اس پر موقوف نہیں کہ جھوٹی شہادت سے ہی اس کا چھٹکارا ہو گا۔ اگرچہ کہ شہادت ماں باپ کے خلاف ہوتی ہو۔ رشتہ داروں کا نقصان ہوتا ہو لیکن تم سچ کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اس لئے کہ حق ہر ایک پر حاکم ہے۔ گواہی کے وقت نہ تو تونگر کا لحاظ کرو۔ نہ غریب پر رحم کرو۔ ان کی مصلحتوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ تم سے بہت بہتر جانتا ہے دیکھو کسی کے برے میں آکر خود اپنا برا نہ کرلو۔ کسی کی دشمنی میں عصبیت اور قومیت میں فنا ہو کر عدل و انصاف ہاتھ سے نہ چھوڑ دینا۔ بلکہ ہر حال میں ہر آن عدل و انصاف کے پیکر بنے رہو۔

(حصہ دہم) آیات متعلقہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر

(۱۵۴) اے ایمان والو ! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ

کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں ان سے بالکل الگ رہو تاکہ فلاح پاؤ۔ (سورۂ مائدہ آیت ۹۰)

(۱۵۵) اے ایمان والو ! مشرک بالکل نجس ہیں۔ وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ بھٹکنے پائیں۔ اگر تمہیں مفلسی کا خوف ہے تو اللہ تمہیں غنی کر دے گا۔ اپنے فضل سے اگر چاہے۔ اللہ تعالیٰ علیم اور حلیم ہے۔ (سورۂ توبہ آیت ۲۸)

(۱۵۶) اے ایمان والو ! شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔ جو شخص شیطان کی اتباع کرے تو وہ بے حیائی اور برائی کے کاموں کا حکم کرے گا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ جسے پاک کرنا چاہے کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سمیع اور علیم ہے۔ (سورۂ نور آیت ۲۱)

(۱۵۷) اے ایمان والو ! اللہ تعالیٰ کے نشانوں کی بے حرمتی نہ کرو۔ اور ادب والے مہینوں کی نہ حرم میں قربان ہونے والے جانوروں کی اور نہ ان پٹے والے جانوروں کی جو کعبہ کو جا رہے ہیں اور نہ ان لوگوں کی جو بیت اللہ کے قصد سے اپنے رب کے فضل اور اس کی رضاجوئی کی نیت سے جا رہے ہوں۔ ہاں جب تم احرام اتار ڈالو تو شکار کھیل سکتے ہو۔ جن لوگوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا ان کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم حد سے گزر جاؤ۔ نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (سورۂ مائدہ آیت ۲)

(۱۵۸) اے ایمان والو ! ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہاری ناگواری کا سبب ہوں اور اگر تم زمانہ نزول قرآن میں ان باتوں کو پوچھو تو تم سے ظاہر کر دی جائیں۔ گذشتہ سوالات اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ غفور اور حلیم ہے۔ (سورۂ مائدہ آیت ۱۰۱)

(۱۵۹) اے ایمان والو ! تم وہ بات نہ کہو جو کرتے نہیں ہو۔ تم جو نہ کرو اس کا کہنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ (سورۂ صف آیت ۳۔۲)

(۱۶۰) اے ایمان والو ! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تفتیش کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو پھر اپنے کئے پر ندامت اٹھاؤ۔ (سورۂ حجرات آیت ۶)

(۱۶۱) اے ایمان والو ! اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرتے رہا کرو۔ اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرو۔ (سورۂ احزاب آیت ۴۲۔۴۱)

(۱۶۲) اے ایمان والو ! اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو ! تم بھی ان پر درود بھیجو۔ اور اچھی طرح سلام بھی بھیجتے رہا کرو۔ (سورۂ احزاب آیت ۵۶)

خلاصہ آیات

ان آیات مبارکہ میں شراب' جوا' بت اور قرعہ اندازی کی حقیقت' شیطان کا طریقہ' مشرکین کی اصلیت' اللہ تبارک و تعالیٰ کے نشانوں کی حرمت' مومنین کی نیکی کے امور میں سبقت' ظلم و تعدی اور ظالموں کی معیت سے نفرت' غیر ضروری سوالات دریافت کرنے اور بغیر عمل کے بات کرنے کی ممانعت' فاسقوں کی خصلت اور ذکر اللہ و درود پاک کی کثرت کے بارے میں مذکور ہے۔

شراب' جوا' بت اور قرعہ اندازی

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان چاروں چیزوں کا ایک ہی جگہ ذکر فرما کر ان کو شیطانی فعل قرار دیا ہے۔ حضرت ابی میسرہ رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ تحریم خمر کی آیت اترنے سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دعا مانگی تھی۔ "اے اللہ تعالیٰ ! حرمت شراب کے بارے میں ہمارے پاس اپنی وحی بھیج" تو یہ

آیت اتری تھی۔ کہ اس میں نقصان زیادہ اور فائدہ کم ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یہ آیت سنائی گئی تو انہوں نے پھر یہ دعا مانگی۔ "اے خدا بیان شافی و کافی نازل فرما" تو سورۂ النساء میں یہ آیت اتری کہ "اے ایمان والو! نشے کی حالت میں ہرگز نماز نہ پڑھو" تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موذن نے **حی علی الصلوۃ** کے بعد پکار کر کہا کہ نشے کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت آ گئی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ وحی سنا دی گئی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر فرمانے لگے۔ "اے باری تعالیٰ! بیان شافی و کافی اتار۔" تو سورۂ مائدہ میں یہ آیت نازل ہوئی کہ "شراب بالکل حرام ہے اس سے بالکل رک جاؤ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے کہ رک گئے۔ اے اللہ تعالیٰ ہم رک گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عقل پر پردہ ڈال دینے والی ہر پینے کی چیز خمر ہے۔ اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے جو شخص کوئی نشہ آور چیز پیئے گا اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہ ہو گی۔ لیکن اگر وہ توبہ کرے تو توبہ قبول کر لی جائے گی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ "اے لوگو! شراب حرام ہو گئی ہے اور ان پانچوں چیزوں میں سے جس سے بھی بنائی جائے وہ شراب ہے۔ وہ چیزیں انگور' کھجور' شہد' گیہوں اور جو ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ محبوب حق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شراب کے دس متعلقات یعنی خود شراب پر' شراب پینے اور پلانے والے پر' خریدنے اور شراب کشید کرنے والے پر' شراب بنانے' اسے اٹھا کر لے جانے والے اور جس کی طرف لے جا رہا ہو اس پر اور شراب کی قیمت کھانے والے' ان سب پر لعنت ہے۔

حضرت ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے نشے کی وجہ سے ایک وقت کی نماز کھو دی تو گویا کہ ساری دنیا کی دولت اس کو حاصل تھی چھن گئی اور جس نے نشہ کی وجہ سے چار

وقت کی نماز کھو دی تو اب اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ اس کو طینتہ الخبال پلائے۔ فرمایا طینتہ الخبال اہل نار کا پیپ ہے اور جس نے کسی بچہ کو شراب پلائی جو حرام حلال کو نہیں پہچانتا تو اس شخص کو بھی طینتہ الخبال پلایا جائے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے دنیا میں شراب پی اور توبہ نہیں کی تو آخرت کی شراب اس پر حرام ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تین آدمی ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نظر اٹھا کر نہیں دیکھے گا ایک جو اپنے والدین کی نافرمان اولاد ہے۔ دوسرا وہ جو ہمیشہ شراب پینے والا ہے۔ تیسرا وہ جو احسان کر کے جتلاتا ہو یہ تینوں کبھی جنت میں نہیں جائیں گے۔ حضرت عثمان ابن عفان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ شراب سے بہت بچتے رہو۔ کیونکہ وہ ساری برائیوں کی جڑ ہے۔

حضرت مجاہد اور طاؤس رحمہم اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ہر چیز جس میں قمار کا لگاؤ ہو جوا ہے۔ حتیٰ کہ بچوں کا شرطیں لگا کر منکے یا کوڑیاں کھیلنا یہ سب جوا ہے۔ اسلام آنے تک یہ جوا زمانہ جاہلیت میں خصوصیت کے ساتھ کھیلا جاتا تھا' اور آج کی نام نہاد مہذب دنیا میں بھی جوا ان گنت طریقوں سے کھیلا جاتا ہے۔ حضرت زہری رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جوا یوں ہوتا تھا کہ اموال و اثمار پر پانسے پھینکے جاتے تھے اور اس طرح جوئے کے ذریعے ان پر قبضہ کیا جاتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانسوں کے ذریعے جو کھیل کھیلا جاتا ہے وہی جوا ہے۔ اسی طرح جس چیز کو کھیلتے وقت مار کر جیتا جاتا ہے وہ بھی قمار ہے۔ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے کہ جو شطرنج یا چوسر کھیلے گویا کہ اس نے اپنا ہاتھ سور کے گوشت میں ڈال دیا اور اس کے خون میں ڈبو دیا ہو۔ حضرت عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے اپنے باپ سے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ چوسر کھیل کر نماز پڑھنے کو کھڑا ہو' اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی پیپ اور خنزیر کے خون سے وضو کر کے نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے بہت سے صحابہ اکرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ "انصاب" ان پتھروں کو کہتے ہیں جن پر مشرکین قربانیاں کر کے بتوں پر چڑھاتے تھے۔ اور "ازلام" ان پانسوں کو کہتے ہیں جنہیں تقسیم کر کے فال لیا جاتا ہے اور جو بھی اچھی یا بری فال نکلتی اس پر پختہ یقین کر لیتے۔ آجکل بھی یہ رسم ہندوؤں میں موجود ہے۔ ضعیف الاعتقاد مسلمانوں میں بھی یہ لعنت کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔ جہاں تک بت پرستی کا تعلق ہے تو یہ دو طرح کی ہوتی ہے ایک جلی اور دوسری خفی۔ جلی بت پرستی یہ ہے کہ بتوں کی پوجا کی جائے جیسے ہندو کرتے ہیں اور یہ ان کے مذہب کا حصہ ہے۔ دوسری خفی بت پرستی ہے اور یہ سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ شراب' جوا' انصاب اور ازلام جتنے بھی افعال ہیں یہ شیطانی اعمال کی گندگی ہے۔ شیطان کا کام چونکہ بھکانا ہے اس لئے لوگوں کو ام الخبائث خمر اور ام الجرائم میسر میں مبتلا کر کے ان میں بغض و عداوت پیدا کر دیتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے غافل کر دیتا ہے۔

اتباع شیطان

ارشاد فرمایا گیا ہے۔ کہ شیطان کی اتباع و پیروی نہ کرو۔ کیونکہ جو اس لعین و مردود کے پیچھے لگ جاتا ہے وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے کیونکہ یہ تو برائی کا پیشوا اور بے حیائی کا امام ہے لہٰذا یہ اور کسی طرف رہنمائی کر بھی نہیں سکتا۔ اس لئے ہر قدم اٹھاتے وقت غور کرنا چاہیے کہ کہیں شیطان کے قدم پر تو نہیں پڑا' شیطان کے قدم بقدم ہونے کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً

ا۔ حضرت ابو رافع رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے اور میری بیوی کے درمیان جھگڑا ہو پڑا۔ وہ بگڑ کر کہنے لگی۔ ایک دن وہ یہودیہ ہے اور ایک دن نصرانیہ ہے اور اس کے تمام غلام آزاد ہیں اگر تو اپنی بیوی کو طلاق نہ دے دے۔ میں نے آکر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسئلہ دریافت کیا تو آپ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ یہ شیطانی حرکت ہے اور اس کے قدم بقدم ہونا ہے۔

۲۔ شیطان نے چوری نہیں کی تھی، زنا نہیں کیا تھا، قتل نہیں کیا تھا، صرف تکبر کیا تھا۔ میرے شیخ فرماتے ہیں کہ عطائے حق کو اپنی کوشش اور کاوش کا نتیجہ جاننا اور علم الٰہی میں اپنی چاہت کو داخل کرنے کا نام تکبر ہے۔ اس لئے جس بات میں تکبر ہو وہ گناہ کبیرہ ہے اور جو تکبر کرے وہ شیطان کے قدم بقدم ہے۔ متکبر کی نشانی یہ ہے کہ وہ اخلاقی اقدار سے دور ہوتا ہے۔ وہ خواہشات کا غلام ہوتا ہے اور انہی کی پیروی کرتا ہے اور خواہشات جدھر لے جائیں اس کے مطابق عمل اور بات کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے کردار میں یکسانیت نہیں ہوتی۔

۳۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم فرماتے ہیں۔ جو جانتے ہوئے کہ یہ غیر کا راستہ ہے اس پر چلنے سے بچے وہ خبردار ہے اور جو جاننے کے باوجود غیر کے راستے پر گامزن ہو وہ بے خبر ہے اور شیطان کے قدم بقدم ہے۔

۴۔ جب حق میں اپنی چاہت کو داخل کیا جاتا ہے تو اس سے اختلاف پیدا ہوتا ہے ورنہ ممکن نہیں اور جو اختلاف کرتے ہیں وہ یقیناً شیطان کی معیت میں ہیں۔ اور یہی اس کے قدم بقدم ہونا ہے۔

وہ لوگ جو شیطان کے قدم بقدم ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے باغی اور سرکش ہیں انہی لوگوں کو حضرت مولانا رومؒ مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

گر نہ فرزند بلیسی اے عنید   پس بتو میراث آں سگ چوں رسید

ترجمہ : اے سرکش ! اگر تو ابلیس کی اولاد نہیں ہے تو تجھے اس کتے کی میراث کیسے ملی ہے ؟

مشرک نجس ہیں

مشرک شرک سے بنتا ہے۔ میرے شیخ فرماتے ہیں جب منفی اور مثبت نتائج کسی

انسان کی طرف سے تصور کئے جائیں یا ترقی و تنزلی کا باعث کسی شخص کو ٹھہرایا جائے تو لاالہ الااللہ کہنے والے پر حرف آتا ہے۔ یہ شرک ہے۔ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق کہتے ہیں کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں کسی اور کی محبت شامل کرنا شرک ہے۔ صاحب حال بزرگ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ”حق کے مقابل اپنی چاہت کے ساتھ لگنا شرک ہے۔ اور معیت حق سے اجتناب کرنے والا مشرک ہے۔ اس لئے شرک سے پاک رہنے کی صورت خواہشات کی عدم اتباع ہے“ آپ فرماتے ہیں۔ ”شرک سے پاک رہنے کی صورت یہ ہے کہ جہاں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے منع رہنا چاہیے جس کا حکم دیا ہے اس پر کاربند رہنا چاہیے“ حضرت ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ انسان کا یہ کہنا کہ اگر یہ کتا نہ ہوتا تو چور رات کو ہمارے گھر میں گھس آتے یہ بھی شرک ہے۔ صاحبزادہ رضا حسین فرماتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کا رخ رکھنے کے بجائے اشیاء کا رخ رکھے تو وہ شرک کا مرتکب ہو گا۔ بہ الفاظ دیگر حق کے مقابل اپنی چاہت کے ساتھ لگنا شرک ہے۔ ایک مشرک وہ ہے جو بت پرستی میں مبتلا ہے۔ دوسرا مشرک وہ ہے جو مصیبت کے وقت تو اللہ تبارک و تعالیٰ کو مانتا ہے اور مصیبت کے بعد اپنی خواہش کو مانتا ہے تیسرا مشرک وہ ہے جس کی دنیا کے فائدے کے لئے کوئی قیمت مقرر ہو جائے۔ الغرض جس میں مشرکین کی صفات پائی جائیں وہ انہیں میں سے ہے۔ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو مشرک سے مصافحہ کرے ہاتھ دھو لے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مشرکین کو نجس قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نشان

حضرت ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کام کے کرنے کا خدا کا حکم ہو اور انسان اسے نہ کرے یہ اثم ہے اور دین میں جو حدود اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دی ہیں۔ جو فرائض اپنی جان یا دوسروں کے بارے میں باری تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں

ان سے آگے نکل جانا عدوان ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے کہ اپنے رب کے نشانوں کی توہین نہ کرو۔ ان نشانوں میں مناسک حج' صفا و مروہ' قربانی کے جانور اونٹ' اللہ تعالٰی کی حرام کردہ ہر چیز' حرمت والے مہینوں کی توہین نہ کرنا' ان کا ادب و لحاظ کرنا' ان مبارک و محترم مہینوں میں اپنے دشمنوں سے از خود لڑائی نہ چھیڑنا وغیرہ سب شامل ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حرمت والے تین مہینے ہیں۔ اول رجب المرجب' دوئم شعبان المعظم اور سوئم رمضان المبارک۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "رجب کا مہینہ اللہ تعالٰی کا مہینہ ہے شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان میری امت کا مہینہ ہے" بعض اصحاب کا مقولہ ہے کہ رجب توبہ کا مہینہ ظلم چھوڑنے کے لئے' ماہ شعبان اعمال دین کے عہد کے لئے اور رمضان کا مہینہ صدق و صفا کے لئے ہے۔ رجب توبہ کا شعبان محبت کا۔ رمضان قرب الٰہی کا مہینہ ہے۔ رجب عزت کا مہینہ ہے۔ شعبان خدمت کا اور رمضان نعمت الٰہی کا مہینہ ہے۔ رجب ایسا مہینہ ہے جس میں اللہ تعالٰی نیکیاں دو چند کر دیتا ہے۔ شعبان کے مہینے میں اللہ تبارک و تعالٰی برائیوں کو دور کر دیتا ہے اور رمضان عطا اعزاز کا مہینہ ہے۔ رجب نیکیوں میں سب سے آگے بڑھ جانے والے کا مہینہ ہے۔ شعبان میانہ روی اختیار کرنے والوں کا اور رمضان گناہگاروں کی معافی کا مہینہ ہے۔

نیکی میں ساتھ دو اور ظلم میں مدد نہ کرو

اللہ عزوجل نے قرآن حکیم میں **فاستبقوا الخیرات** کا اعلان فرما کر نیکیوں میں سبقت کرنے کی تلقین فرمائی ہے اور وہ لوگ جو نیکیوں میں پیش قدمی کر رہے ہیں ان کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ ایسے لوگوں کی ایک جماعت تشکیل پا لے جس کا کام یہ ہو کہ وہ باہم ایک دوسرے کو اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اطاعت

خدا ایں مدد دیں۔ لیکن وہ لوگ جو ظلم و زیادتی کا ارتکاب کرتے ہیں ان کی مدد نہ کی جائے کیونکہ ظالم کا ساتھی و ہمنوا بھی ظالم ہوتا ہے اور ظالم سے نیکی و شرافت' ہمدردی و محبت کی توقع عبث ہے اور نہ ہی انسان کو اپنی ذات پر ظلم کرنے کا حق ہے۔

میرے شیخ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف رہتے ہیں ان کا راستہ ظلم کا ہوتا ہے۔ ان کے اعمال سے آگ پیدا ہوتی ہے لہٰذا آگ ہی ان کی منتظر رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو بڑا رحیم و کریم ہے۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے کہ جو شخص کسی ظالم کے ساتھ جائے تاکہ اس کی اعانت و امداد کرے اور وہ جانتا ہو کہ یہ ظالم ہے وہ یقیناً دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے۔ "ظلم سے انسان ظالم بنتا ہے اور ظالم سے اظلم بنتا ہے" یعنی چوٹی کا ظالم۔ ظلم کے ارتکاب کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً غیراللہ کی پوجا کرنا ظلم ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے نازل کردہ فرمان کے مطابق عمل نہ کرنا اپنے آپ پر ظلم ہے اور جو خدائی فرمان کے مطابق حکم نہ کرے وہ ظالم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ان گنت نعمتوں مثلاً کان' آنکھ' ناک' وغیرہ سے نوازا ہے۔ جب ان میں سے کوئی ضائع ہو جائے تو پتہ چلتا ہے کہ کتنی بڑی نعمت تھی۔ فضلات کا خارج ہونا بھی اللہ کی رحمت ہے۔ اگر ان کا اخراج نہ ہو تو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ جب انسان اللہ تبارک و تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو ان کے منشاء کے خلاف استعمال کرتا ہے تو یہی انسان کا ظالم ہونا ہے۔ مثلاً اعضائے تناسل بقائے نسل انسانی کے لئے ہیں ان کا منشاء کے خلاف غلط استعمال بے انصافی اور ظلم ہے۔ اسی طرح کانوں سے غیرشرعی باتیں سننا۔ بری نظروں سے کسی کو دیکھنا سب دائرہ ظلم میں شمار ہوتے ہیں اور جب انسان ظالم ہو تو اس کا ناشکرا ہونا یقینی و لازمی ہے۔ حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نے ظلم۔ کی فطرت اور ظالم کی صفت کے بارے

میں کیا خوبصورت فرمایا ہے۔

بر ضعیفاں گر تو ظلمے میکنی
دان کہ اندر قعر چاہ بے بنی

آہن و سنگ از ہستم برہم مزن
کایں دو میزایند ہچو مرد و زن

اے بسا ظلمے کہ بینی در کساں
خوئے تو باشد در الیشاں اے فلاں

ترجمہ : اگر تو کمزوروں پر ظلم کرتا ہے تو سمجھ لے کہ تو اتھاہ کنویں کی گہرائی میں ہے۔ ظلم کے لوہے اور پتھر کو باہم نہ ٹکرا اس لئے کہ دونوں مرد اور عورت کی طرح بچے دیتے ہیں۔ اے ظالم ! ظلم (کی صفت) جو تو لوگوں میں دیکھتا ہے ! اے فلاں وہ اکثر تیری ہے خصلت ان میں ہوتی ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے "اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو"

عرض کیا گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی حکمت عطا ہو جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اسے ظلم نہ کرنے دو، ظلم سے روک لو، یہی اس وقت اس کی مدد ہے" حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کسی پر ظلم کر رہا ہو تو اس کا ہاتھ روکو۔ اور اگر تم پر خود ظلم ہو رہا ہو تو صبر کرو۔ مسند احمد میں ہے جو مسلمان لوگوں سے ملے جلے اور ان ایذاؤں پر صبر کرے وہ اس مسلمان سے زیادہ اجر والا ہے۔ جو نہ لوگوں سے ملے جلے نہ ان کی ایذاؤں پر صبر کرے۔

غیر ضروری سوالات اور قول بلا عمل سے اجتناب کرو

اپنی ذات اور مخلوق خدا کو ظلم کے سایوں سے دور رکھنے اور پریشانیوں کے جنگل میں گھرنے سے بچانے کے لئے ضروری، لایعنی اور بے مقصد سوالات پوچھنے اور

ان باتوں کے کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ جن پر عمل کی شہادت کی مہر نہ لگی ہوئی ہو۔ اس سے معاشرے میں خیر و برکت محبت و رافت کا ایسا سورج طلوع ہوتا ہے جو ہمیشہ نصف النہار پر چمکتا رہتا ہے۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے سوال اس مشکل کا نام ہے جو مدارج یا کسی کام کی تکمیل میں باعث رکاوٹ ہو۔ جو بھی قول مبارک کو سن کر حق کی احسن ادائیگی کی سعی کرتا ہے اس کے لئے سوال کا کسی مقام پر بھی پیدا ہونا حق ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ **فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون** ○ (۲۱/۷)

(تم اہل ذکر سے سوال کرو اگر تمہیں علم نہ ہو) لیکن جو ساکن ہوتا ہے اس کا سوال وقت کا ضائع کرنے والی بات ہے اور لغو ہے۔ ایسے سوالات کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ آپ فرماتے ہیں سوال کرنے والے کا حق یہ ہے کہ وہ سوال میں اپنی اس مشکل کو بیان کرے جو اسے حق کی احسن ادائیگی میں پیش آرہی ہے۔ سوال اس سے کیا جانا چاہیے جو کسی اجر کا سوال بھی نہ کرے اور ہو بھی ہدایتؒ یافتہ اگر جواب دینے والا نتائج کے قطعی اور یقینی ہونے کی ضمانت نہیں دیتا تو اس کا اہل علم سے ہونا ہی ثابت نہیں۔ اچھے طالب علم کے سوال میں یہ خوبیاں ہوتی ہیں۔

۱۔ اس کا سوال مفروضات اور گمان پر مبنی نہیں ہوتا۔

۲۔ اپنے ذاتی مشاہدے اور تجربے کی بنا پر پیدا ہونے والی صورت سے متعلق ہوتا ہے۔

۳۔ صراط مستقیم پر استقامت سے رہنے کے لئے ہوتا ہے۔

۴۔ دوسروں کے لئے مشکلات پیدا کرنے کے لئے نہیں ہوتا ان کی آسانیاں مقصود ہوتی ہیں۔

۵۔ سوال میں جس قدر بھی ہو سکے خیر کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔

جو سوال متذکرہ بالا معیار پر پورا نہیں اترتا اس کے پوچھنے کا حق نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری "وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا" (جس کو استطاعت ہو اس پر حج کرنا فرض ہے) تو لوگوں نے پوچھا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! ہر سال؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ دوبارا پوچھا گیا۔ "ہر سال" آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر خاموش رہے۔ تیسری بار پھر دریافت کیا تو فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دوں تو ہر سال فریضہ حج سے کون بچ سکتا ہے جس کی تم قدرت نہ رکھو گے۔ اور اگر نہ ادا کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلے کی امتیں اسی طرح تو ہلاک ہوئیں۔ اگر میں تمہارے لئے ساری دنیا و مافیہا بھی حلال کر دوں اور قدم برابر جگہ حرام کر دوں تو اسی کی حرص تمہیں دامن گیر ہو جائے گی اسی لئے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تمہارے سوال کا جواب دے دیا جائے تو تم پر نہایت شاق گذرے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ ہادی کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے جو بیان نہیں کیا اس کو خفی ہی رہنے دو۔ کثرت سوال نے اور انبیاء علیہم السلام کے حکم سے اختلاف کرنے ہی نے اگلی قوموں کو تباہ کیا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرائض قرار دے دیئے ہیں۔ ان کو ضائع نہ ہونے دو۔ عمل کے حدود مقرر کر دیئے ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور جو باتیں حرام کی گئی ہیں ان کے مرتکب نہ ہو۔ میں بعض باتوں سے عمداً ساکن ہوں۔ یہ تم پر اقتضائے رحمت کی بنا پر ہے۔ میں بھول جانے کے سبب ساکت نہیں ہوا ہوں۔ اس لئے ہرگز سوالات نہ کرو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا کہ ایسا خطبہ میں نے کبھی نہیں سنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم وہ سب کچھ جانتے جو میں جانتا ہوں تو بہت تھوڑا ہنستے اور زیادہ روتے۔ تو صحابہ اکرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین منہ ڈھانپ کر رونے لگے۔ ایک شخص اٹھ کر پوچھنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرا باپ کون تھا؟ کیونکہ لوگ اس

کے باپ کو بدنام کہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "حذافہ تھا" پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور عرض کیا "ہمیں کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے۔ اسلام ہمارا دین ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے رسول ہیں۔ ہم کسی فتنے کے ظاہر ہونے سے پناہ مانگتے ہیں" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "آج کی طرح میں نے کبھی خیر اور شر کو عیاں نہیں دیکھا۔ جنت اور دوزخ اس طرح میرے سامنے مجسم ہیں گویا اس دیوار کے پیچھے ہی واقع ہیں۔" ابن حذافہ کے پوچھنے پر ام عبداللہ بن حذافہ کہنے لگی تجھ سے زیادہ نالائق لڑکا میں نے نہیں دیکھا کہ جسے سوال کرنا بھی نہیں آتا۔ تجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تزکیہ اور برکت طلب کرنی چاہیے ہر بچہ پاک پیدا ہوتا ہے۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ "نطق کے تین مقامات ہیں۔ ایک یہ ہے کہ ضروری ہو۔ دوسرا یہ ہے کہ پہلے اس کی وضاحت موجود نہ ہو یا اگر ہو تو احسن نہ ہو اور تیسرا یہ ہے کہ سند موجود ہو۔ اسی طرح بولنے کے بھی تین مقامات ہیں۔ (اول) سامع کے فائدے کے لئے بولنا۔ (دوئم) سامع کے خسارے کے لئے بولنا۔ اور (سوئم) بے مقصد بولنا یا بات برائے بات کرنا۔ بے مقصد گفتگو لغو ہے اور سامع کے خسارے کے لئے بولنا گناہ ہے۔"

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے کہ "منافق کی تین عادتیں ہوتی ہیں جب وہ وعدہ کرے خلاف کرے' جب بات کرے جھوٹ بولے' جب اسے امانت دی جائے خیانت کرے" منافق کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے اس لئے ایسی بات کرنے سے منع فرما دیا گیا ہے جس پر عمل کی مہر نہ لگی ہوئی ہو۔ مثلاً کسی بے نمازی کو نماز کے پڑھنے کی تلقین کا حق نہیں پہنچتا۔ حضرت عبداللہ بن عامر ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ میں اس وقت چھوٹا بچہ تھا۔ کھیل کود کے لئے جانے لگا تو میری والدہ نے مجھے آواز دی اور کہا۔ ادھر آ کچھ دوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کچھ دینا بھی چاہتی ہو۔

میری والدہ نے عرض کیا۔ "جی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھجوریں دوں گی۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پھر تو خیر ورنہ یاد رکھو کچھ نہ دینے کا ارادہ ہوتا اور یوں کہتی تو تم پر ایک جھوٹ لکھا جاتا۔

بلا تحقیق فاسق کی بات پر یقین نہ کرو

ارشاد خداوندی ہے۔ **اذا جاء ک المنفقون قالوا نشهد انک لرسول الله والله یعلم انک لرسوله ط والله یشهد ان المنفقین لکذبون ○**
(سورۂ منافقون آیت ۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اس بات کے گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں۔

منافقین نے غلط نہیں کہا تھا۔ بات درست تھی لیکن وہ منافق تھے۔ جھوٹے تھے اس لئے ان کی بات بھی جھوٹی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی بات کر رہا ہو تو یہ دیکھنا از بس ضروری ہے کہ بات کرنے والا کون ہے؟ اور یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ وہ لوگ سچے نہیں ہوتے جو یہ کہتے ہیں کہ کہنے والے کو نہیں دیکھو بلکہ یہ دیکھو وہ کیا کہہ رہا ہے یہ اغیار کی سازش ہے۔ اس لئے جو بات مومن کہے وہ درست ہے اور جو بات کافر یا منافق کہے تو وہ بات غلط اور جھوٹ ہے۔

فاسق و منافق کی پہچان کے لئے میرے شیخ نے کئی ایک نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔ چند ایک یہ ہیں۔

۱۔ فرمان الٰہی کے خلاف جو بات کہتا ہے وہ منافق ہے، فاسق ہے، ظالم ہے، کافر ہے۔

۲۔ جو قرآن پاک کو اپنے مطلب کے مطابق بنا کر پیش کرے وہ فاسق ہے۔ ایسے راہ نہیں دکھائی جاتی۔

۳۔ جو پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائے وہ منافق و فاسق ہے۔

۴۔ جو اپنی نہ مانے یعنی پہلے اقرار کر لیتا ہے اور پھر اس پر پورا نہیں رہتا وہ فاسق ہے۔

چونکہ فاسق نہ اپنے ساتھ نہ دوسرے کے ساتھ مخلص ہوتا ہے اس لئے حکم ہے کہ فاسق کی خبر کا اعتماد نہ کرو جب تک پوری طرح تحقیق و تفتیش سے اصل واقعہ صاف طور پر معلوم نہ ہو جائے، کوئی حرکت نہ کرو۔ اگر تم اس کی خبر کے مطابق کوئی کام کر گزرو گے تو دراصل یہ اس کی پیروی ہو گی اور مفسد لوگوں کی پیروی حرام ہے۔ محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تحقیق و تلاش بردباری اور دوربینی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور عجلت و جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو

بزرگان دین فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو اپنا مقصد حیات پورا کر رہی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے مومن چونکہ مومنین و صالحین کے ساتھ ہوتے ہیں اس لئے وہ بھی تسبیح کرتے ہیں۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا "کیا میں تم سے تمہارے بھلے اعمال کو اور ایسے عمل کو جو تمہارے مالک حقیقی کے نزدیک زیادہ محبوب ہو اور تمہارے درجات میں زیادتی پیدا کرے نہ بتا دوں؟ اور اس بات سے بھی افضل ہو کہ تم اپنے دشمنوں سے غزوہ کرو اور تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں اور درہم و دینار کے صدقہ کرنے سے بھی افضل ہے؟" لوگوں نے عرض کیا۔ اے ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ کیا عمل ہے؟ فرمایا وہ ذکر اللہ ہے۔ دو اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ایک نے عرض کیا۔ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اچھا شخص کون ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جو لمبی عمر پائے اور نیک اعمال کرے" دوسرے نے عرض کیا۔ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم احکام اسلام تو بہت سارے ہیں مجھے کوئی چوٹی کا حکم بتا دیجئے کہ اس سے چمٹ جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "ذکر اللہ میں ہر وقت اپنی زبان کو تر رکھ۔ یہاں تک کہ لوگ تمہیں مجنون کہنے لگیں" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہر فرض کام کی کوئی حد ہے پھر عذر کی حالت میں وہ معاف بھی ہے لیکن ذکر اللہ کی کوئی حد نہیں ہے۔ نہ وہ کسی وقت ٹلتا ہے۔ ہاں دیوانہ ہو تو اور بات ہے۔ کھڑے' بیٹھے رات کو' دن کو' خشکی میں' تری میں' سفر میں' حضر میں' غنا میں' فقر میں' صحت میں' بیماری میں' جلوت میں' خلوت میں غرض ہر حال میں ذکر اللہ کرنا چاہیے۔

میرے شیخ فرماتے ہیں زبان قول ہے اور دل عمل ہے۔ زبان سے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں لگے رہنا چاہیے۔ اور دل سے درود پاک میں مصروف رہنا چاہیے۔ بیک وقت دونوں کام ہوتے ہیں زبان ذکر کرتی ہے اور دل درود پاک پڑھتا ہے ذکر کرنے والا محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بن جاتا ہے اور درود پاک پڑھنے والا اللہ تبارک و تعالیٰ کا بندہ بن جاتا ہے۔ اس طرح دونوں کا ساتھ ہو جاتا ہے۔ ایک سوال کے جواب میں کہ جب دل میں آنے والے وساوس پر مواخذہ نہیں ہے تو دل میں ذکر الٰہی اور صلوٰۃ و سلام کا اجر کیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا یہ رحمت خداوندی ہے کہ برائی ہو جائے تو ایک ذمے لگتی ہے اور نیکی کی جب سے نیت ہو اس کا اجر شروع ہو جاتا ہے۔ ذکر خفی اور ذکر جلی کو اپنے اپنے مقام پر جاری رکھنا ضروری ہے۔

ذکر قول ہے۔ اگر ذاکر کا عمل فی سبیل اللہ ہے تو ذکر حق ہے ورنہ نہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر اس پہاڑ پر ہوا جس کو جمدان کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "چلو یہ جمدان ہے اور مفرد سبقت لے گئے" "صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مفرد کون ہیں؟" فرمایا "جو اللہ تعالیٰ کے ذکر پر زیادہ فریفتہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر ان لوگوں سے ان کے بوجھ

کو ہلکا کر دیتا ہے۔ یہ بروز قیامت اللہ تعالیٰ کے پاس ہلکے ہو کر آئیں گے۔ ذکر کرنے والے کو اللہ تبارک و تعالیٰ دنیا کے کاموں سے فارغ کر دیتا ہے اور اس کے سارے کام خود سنبھال لیتا ہے۔" حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین قسم کے لوگ ہیں جن کی بات ماننی چاہیے۔

۱۔ صبح و شام اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کام کرنے والے۔

۳۔ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آگے نہ دیکھنے والے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ دعا سنی ہے جسے میں کسی وقت ترک نہیں کرتا۔ **اللھم اجعلنی اعظم شکرک واتبع نصحیتک و اکثر ذکرک و احفظ و صیتک** (اے اللہ ! تو مجھے اپنا بہت بڑا شکر گزار' فرمانبردار' بہ کثرت ذکر کرنے والا اور تیرے احکام کی حفاظت کرنے والا بنا دے)

صلوٰۃ و سلام پڑھو

حضرت عطا رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کی صلوٰۃ **سبوح قدوس سبقت غضبی** ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام کا حکم دینے کا مقصود یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر و منزلت' عزت و مرتبت لوگوں کی نگاہوں میں بچ جائے۔ وہ جان لیں کہ خود رب ودود اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ثنا خوان ہے۔ اس کے فرشتے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ ملاء اعلیٰ کو یہ خبر دے کر اب زمین والوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم بھی میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجا کرو تاکہ عالم علوی اور عالم سفلی کے رہنے والوں کا اس پر اجماع ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب تم حضور صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجو تو بہت اچھا درود پڑھا کرو۔ محبوب دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "سب سے قریب روز قیامت مجھ سے وہ ہو گا جو سب سے زیادہ مجھ پر درود پڑھا کرتا تھا۔" ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "جب تک کوئی شخص مجھ پر دورد بھیجتا رہتا ہے تب تک فرشتے بھی اس کی لئے دعائے رحم کرتے رہتے ہیں اب تمہیں اختیار ہے کہ کمی کرو یا زیادتی کرو۔" لیکن یوم جمعتہ المبارک درود پاک میں عام دنوں کی بہ نسبت زیادتی کا حکم ہے۔

ایک مرتبہ سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے اللہ تبارک و تعالیٰ اس پر اپنی دس رحمتیں بھیجتا ہے۔ اس پر ایک شخص نے کہا۔ پھر میں اپنی دعا کا آدھا وقت درود میں ہی خرچ کروں گا۔ فرمایا جیسے تیری مرضی۔ اس نے کہا پھر میں دو تہائی کر لوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا۔ اگر چاہیے اس نے عرض کیا پھر تو میں اپنا سارا ہی وقت اس کیلئے وقف کر دیتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ تجھے دین و دنیا کے غم سے نجات دے گا۔ تمام گناہ معاف فرما دے گا اور دنیا و آخرت کے تمام مقاصد پورے کر دے گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ دعا آسمان و زمین میں معلق رہتی ہے یہاں تک کہ تو درود پڑھے تب آسمان پر چڑھتی ہے۔

میرے شیخ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کو سوائے درود پاک پڑھنے کے اور کوئی کام نہیں ہے کیونکہ وہ سب کچھ خلق کر چکا ہے۔ اس نے درود پاک باجماعت فرشتوں کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور مؤمنوں کو پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا بندہ بننا ہو تو درود پاک پڑھنا چاہیئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ درود شریف پڑھتا ہے۔ درود شریف پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ دین کے کاموں سے فارغ کر دیتا ہے۔ یعنی اس کا ہر عمل دین بن جاتا ہے۔ اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتی بننا ہو تو ذکر کرنا چاہیے۔

کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ذکر کیا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ درود پاک صرف نماز میں ہی پڑھنا چاہیے۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ باوضو پڑھنا چاہیے۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ جس نے ہمیشہ اور تسلسل کی ساتھ پڑھنا ہو تو وہ ہر حالت میں پڑھ سکتا ہے۔ مثلاً اٹھتے، بیٹھتے، لیٹتے، چلتے وغیرہ۔ لیکن جس نے کبھی کبھی پڑھنا ہو اسے باوضو پڑھنا چاہیے۔ ایک سوال کے جواب میں کہ بعض موذن اذان سے قبل اور بعد صلوٰۃ و سلام اس طرح پڑھتے ہیں جیسے وہ اس کا حصہ ہو۔ صاحبزادہ رضا حسین نے فرمایا۔ "جو موذن اذان کا حکم فرمانے والے سے محبت رکھتا ہو وہ ضرور صلوٰۃ و سلام پڑھے گا۔ جو اذان کو محض بلاوا جانتا ہو اس کی یہ صورت نہیں ہے۔" اللہ تعالیٰ جب اپنے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجتا ہے تو ہمیں بھی اس پر پورے رہنا چاہیے۔ عبادت قول ہے صفت و ثنا عمل اور حقائق علم۔ درود پاک اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ نے پڑھا یہ قول ہے۔ اس پر **مودت فی القربی** شاہد ہو تو پڑھنے والا سچا ہے ورنہ نہیں۔

درود پاک پڑھنے کی ان گنت فیوض برکات ہیں اور درود شریف نہ پڑھنے کی بے شمار ذلتیں اور زحمتیں ہیں۔ چند ایک کا ذکر درج ذیل ہے۔

۱۔ حضرت محمد بن سعد بن مطرب رحمتہ اللہ علیہ سونے سے پہلے درود شریف کا ایک خاص تعداد معینہ میں وظیفہ کرتے تھے۔ ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھتے ہیں کہ ان کے گھر میں تشریف لائے ہیں ان کے مکان کو نور جمال سے منور فرمایا اور فرمایا کہ اپنا منہ سامنے لا تاکہ اس کو بوسہ دوں۔ اس لئے کہ تو درود شریف بہت پڑھتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے شرم آئی کہ میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے اپنے منہ کو لے جاؤں۔ لیکن میں نے اپنے رخسار کو آنسرور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دہن مبارک کے سامنے کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے میرے رخسار پر بوسہ دیا۔ جب میں بیدار ہوا میرا تمام مکان مشک کی خوشبو سے بھرا ہو تھا۔ اور میرے رخسار سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔

۲۔ ریاض المذکرین میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات کو مجھ پر ایک سو بار درود شریف پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجات پوری کرے گا۔ اور ستر آخرت کی ضروریات پوری کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کرے گا کہ اس شخص کا تحفہ درود پاک مجھ تک پہنچائے۔ یہ تحفہ اس طرح پیش کیا جائے گا جس طرح تمہارے احباب تمہیں طشتریوں میں رکھ کر اپنے تحائف پیش کرتے ہیں۔ یہ تحفہ صحیفہ بیضا میں لپٹے ہوتا ہے اور اس پر درود پاک پڑھنے والے کا نام فلاں ابن فلاں مرقوم ہو گا یہ صحیفہ قیامت تک میرے پاس رہے گا۔"

۳۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ کہے گا **اللھم صلی علی محمد وعلی ال محمد** اگر وہ بیٹھا ہوا ہو گا تو اللہ تعالیٰ اسے اس سے پہلے بخش دے گا۔ کہ وہ اپنی جگہ سے اٹھے۔ اگر کھڑا ہو گا تو اللہ تعالیٰ اسے اس سے پہلے بخش دے گا کہ وہ بیٹھے۔ یہی عرصہ ہے کہ امیرالمومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ درود پاک گناہوں کو اس طرح پاک کر دیتا ہے کہ جس طرح ٹھنڈا پانی آگ کی تیزی کو بجھا دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام پہنچانا محبین کی شان ہے۔

۴۔ ایک دن حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اصحاب اکرام اور احباب عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اردگرد حلقہ بنائے بیٹھے تھے۔ ایک اعرابی آیا اور آتے ہی سلام کیا۔ السلام علیک یا اہل القوی الشائخ و الکرام السادج۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آنے والے کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ترجیح دی اور اپنے پاس بٹھایا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس تقدم و ترجیح کی حکمت دریافت فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابوبکر! (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یہ اعرابی مجھ پر درود و سلام بھیجتا رہتا ہے اور ان الفاظ میں درود پڑھتا ہے کہ آج تک کسی دوسرے نے نہیں استعمال کیے تھے۔

دریافت کیا تو فرمایا وہ درود پاک یہ ہے **اللھم صلی علی محمد وعلی ال محمد فی الاولین و الاخرین و فی الملائکتہ الاعلی الی یوم الدین** حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ! مجھے اس درود پاک کے ثواب کے بارے میں فرمائیں۔" فرمایا۔ "اگر دنیا بھر کے تمام سمندر سیاسی بن جائیں۔ دنیا کے تمام درخت قلمیں بن جائیں۔ تمام ملائکہ کاتب بن جائیں۔ سمندر خالی ہو جائیں گے۔ قلمیں ٹوٹ جائیں گی مگر اس درود پاک کا ثواب لکھا نہ جا سکے گا۔"

۵ ۔ حضرت ابو سعید **الخدری** رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ "جس مجلس میں لوگ جمع ہوں اور درود پاک نہ پڑھیں تو اس مجلس پر قیامت تک حسرت برستی رہتی ہے۔"

۶ ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رحمتہ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک جماعت کو حکم ہو گا کہ انہیں بہشت میں بھیجا جائے مگر وہ بہشت کا راستہ بھول جائیں گے۔ صحابہ اکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! یہ کون لوگ ہوں گے ؟ فرمایا یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے سامنے میرا نام لیا گیا مگر انہوں نے درود شریف نہ پڑھا۔

۷ ۔ حضرت عبدالرحمٰن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے اور فرمایا کل رات خواب میں میں نے اپنی امت کا ایک آدمی پل صراط سے گزرتے دیکھا جو کانپ رہا تھا۔ افتاں و خیزاں جا رہا تھا درود پاک کا وہ تحفہ جو اس نے اپنی زندگی میں مجھ پر بھیجا تھا۔ اس نے اس کا ہاتھ پکڑا ور پل صراط سے پار کرا دیا۔

۸ ۔ کوفہ میں ایک ایسا شخص تھا جو کتابت کیا کرتا تھا مگر اس کا ایک طریقہ تھا کہ کسی کی کتاب لکھتا۔ اگر اس میں کہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام پاک آتا تو اپنی

طرف سے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اضافہ کر دیا کرتا اور زبان پر درود پاک لاتا۔ اس کی موت کے بعد لوگوں نے اسے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمہارا کیا معاملہ رہا؟ اس نے بتایا مجھے بخش دیا گیا اور بخشش کا سبب صرف یہی تھا کہ میں درود پاک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک کے ساتھ لکھ دیا کرتا تھا اور اس میں میں نے کبھی کوتاہی نہیں کی تھی۔

۹۔ اسلاف میں ایک صاحب لکھتے ہیں کہ ہم لوگ ایک کشتی میں بیٹھے سمندر سے گزر رہے تھے ایک طرف سے طوفان اٹھا اور ہماری کشتی طوفان میں پھنس گئی کشتی میں سوار لوگ اپنی زندگیوں سے مایوس ہو گئے اور ایک دوسرے کو الوداعی سلام کہنے لگے۔ اس حالت میں مجھ پر غنودگی سی چھا گئی۔ اور میں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے حکم دے رہے ہیں کہ کشتی والوں کو کہو کہ درود پاک پڑھیں ابھی ہم لوگوں نے درود شریف پڑھا ہی تھا کہ طوفان تھم گیا۔

قصہ مختصر جس شخص کو وصال ذکر کی نعمت عطا ہو جاتی ہے اس کا شکریہ شرف درود پاک ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندے کو مشرب بہ صلوٰۃ و سلام کر دیتا ہے اور وہ شخص جو رحمتہ العالمین، محبوب خدا، نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف نہیں بھیجتا اس سے زیادہ بدنصیب کوئی نہیں ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک دن نکلا اور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو لوگوں میں سے زیادہ بخیل نہ بتادوں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا۔ فرمائیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! فرمایا "جس شخص کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے یہ ابخل الناس ہے۔"

حاصل بیان

☆ راہ زہد و تقویٰ پر گامزن ہونے سے قبل دوسروں پر کئے ہوئے مظالم سے توبہ

کی جائے غصب شدہ حقوق ادا کئے جائیں اور ہر لحظہ اپنے نفس کا محاسبہ کیا جائے۔

☆ حقیقی متقی اللہ تعالیٰ کے اولیاء ہیں اور قیامت کے دن بھی یہ ایک دوسرے کے دوست ہوں گے جب کہ دوسری سب دوستیاں ٹوٹ جائیں گی۔

☆ مردان حق تزکیہ عطا کرنے کا شرف رکھتے ہیں ان کے اندر اجر کا سوال نہیں ہوتا انہیں ہی اولی الامر منکم کہتے ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی صورت یہ ہے کہ تمام کام اسی ذات کے لئے کئے جائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کا مطلب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں کام کیا جائے۔

☆ جس کا ایمان درست ہوتا ہے اس کی نیت درست اس کا قول سچا اور عمل صالح ہوتا ہے۔ لیکن جن کے دل میں ایمان نہیں نفاق ہوتا ہے وہ مومن سے بغض رکھتے ہیں۔

☆ سچا مومن ہر حال میں راضی برضا رہتا ہے۔ اور حزن و ملال سے پاک ہوتا ہے۔

☆ اسلام میں پورا داخل ہونا خلوص نیت اور محبت کے ساتھ ایک شاہد کے ساتھ لگ جانے کا نام ہے۔ کیونکہ معیار کی عدم موجودگی میں عمل ہمیشہ گمان پر مبنی ہوتا ہے۔

☆ وہ لوگ جو اسلام کے مقابل کفر و الحاد کو عزیز جانتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نظروں میں وہ ظالم ہیں۔

☆ بزرگان دین کے لئے ذو معنی الفاظ بولنا سوئے ادب اور وجہ گمراہی ہے۔

☆ انسان کو ہمیشہ ماننے کے مقام پر رہنا چاہیے۔ منوانے سے زندگی میں جمود پیدا ہو جاتا ہے۔

☆ توبہ کلید الاعمال ہے۔ اور عبادت عبد کے تمام افعال اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ

و آلہ وسلم کے مطابق ہونے کا نام ہے۔ یہ صفت بزرگان دین کے قدم بقدم ہونے سے نصیب ہوتی ہے۔ اور قدم بقدم رہنا محبت و معیت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

☆ مومن ہمہ وقتی جہاد میں مصروف رہتا ہے کبھی وہ اپنے نفس کے خلاف کبھی انتشار و افتراق و فتنہ پھیلانے والوں کے خلاف اور کبھی دشمنان دین اسلام کے خلاف سینہ سپر رہتا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے جسے حلال قرار دیا ہے اسے حرام بنانا اور حرام کو حلال بنانا منع ہے۔

☆ صدقہ و خیرات خلوص نیت اور مال حلال سے دینا چاہیے۔ صدقہ محض بکرے کے سر کا نام نہیں ہے۔

☆ رزق حلال سے علم و حکمت اور نرمی دل پیدا ہوتی ہے جبکہ مال حرام سے حسد' مکر' جہل اور غفلت جنم لیتی ہے۔

☆ خشیت الٰہی اخلاقیات و اعمال صالح کی جڑ ہے۔

☆ مصائب و آلام غیر سے چھڑانے اور بلندی درجات کیلئے ہیں اس لئے راضی برضا رہنا چاہیے۔

☆ شادی بیاہ کے معاملات میں ہمیں نگاہوں کے سامنے اپنی ناک نہیں بلکہ شریعت رکھنی چاہیے اور اپنی ازواج سے بہترین حسن سلوک روا رکھنا چاہیے۔

☆ دشمنان اسلام کی بے سروپا باتوں پر کان نہیں دھرنا چاہیے۔ جیسے انہوں نے باندیوں اور لونڈیوں کے بارے میں فضول اور لغو باتیں پھیلا رکھی ہیں۔

☆ ہمیں داخلی اور مجلسی زندگی میں بہرحال اپنے اسلاف کے نقش قدم پر رہنا چاہیے۔ بصورت دیگر غیر کو گلے پڑنے سے روکا نہیں جا سکتا اس کے لئے ضروری ہے کہ نہ تو کسی کا تمسخر اڑایا جائے نہ عیب لگایا جائے نہ کسی کو برا لقب دیا جائے نہ غیر ضروری ٹوہ اور تجسس میں رہا جائے۔ نہ غیبت کی جائے اور کسی حال میں بھی عدل

و انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔

☆ شیطانی اعمال مثلاً شراب، جوا، قرعہ اندازی اور مشرکانہ افکار و افعال سے دور رہا جائے نیکی کے کاموں میں لوگوں کی مدد کریں اور غیر ضروری و لغو سوالات دریافت کرنے سے گریز کریں۔

☆ قول کی پاکیزگی اور اعمال کی صالحیت کے لئے انسان کو ہر وقت اپنی زبان کو ذکر اللہ اور درود بر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تر رکھنا چاہیے۔

مومن کی یہ شان ہے کہ وہ ہر مقام پر پورا رہتا ہے۔ اور اپنے شاہدین کے وسیلے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم بقدم رہتا ہے اس کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے ہوتا ہے۔ اس کے وجود سے خیر و برکت، راحت و آرام، طمانیت و سکینہ اور محبت و مودت کے پھول کھلتے رہتے ہیں۔ اس کی نیت نیک، قول پاک عمل صالح اور علم خالص ہوتا ہے۔ اور خلوص کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔ اور لوگ ان کے قرب سے سکون و اطمینان پاتے ہیں۔ ان کی نسبت سے اپنے حال کو دیکھنا ضروری ہے۔

باب نمبر ۶

یَاَیُّھَا الرَّسُوْلُ

اے رسول ! (صلی اللہ علیہ وآلہ سلم)

رسول ' رب اور نبی

رسول کے لغوی معنی " بھیجا ہوا ہے " یہ لفظ عام انسان کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر آپ کسی کو کسی کے پاس بھیجتے ہیں تو وہ آپ کا رسول ہے۔ اس کی سند قرآن پاک میں موجود ہے۔ جب شاہ مصر نے اپنے خواب کی تعبیر بذریعہ قاصد حضرت یوسف علیہ السلام سے دریافت کی تو بادشاہ نے انہیں اپنے پاس بلانے کے لئے اپنا ایلچی بھیجا چنانچہ اس مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

(۱۶۳) اور کہا آپ (علیہ السلام) کو میرے پاس لاؤ جب اس (بادشاہ) کا رسول پہنچا تو آپ (علیہ السلام) نے فرمایا اپنے رب کی طرف لوٹ جاؤ اور اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا حقیقی واقعہ کیا ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے ؟(سورۃ یوسف آیت ۵۰)

اس آیت مبارکہ میں نہ صرف لفظ رسول اس ایلچی کے لئے استعمال ہوا ہے بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے شاہ مصر کے لئے رب کا لفظ بھی بولا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک اور مقام پر رسولوں کو مخاطب فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

(۱۶۴) اے رسولو ! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو تم جو کچھ کر رہے ہو

اس سے میں بخوبی واقف ہوں۔ (سورۃ مومنون آیت ۵۱)

اس آیت مبارکہ میں خدائے عزوجل نے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے اور حال پر انہیں حلال و طیب چیزیں کھانے اور صالح عمل کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ ماضی میں جو رسول ہو گزرے ہیں ان کے بارے میں ذکر نہیں ہے۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ ان رسولوں سے مراد ہر زمانے اور حال پر وہ بزرگان دین اور مقربین رب ودود ہیں جن سے رشد و ہدایت کے چراغ روشن ہیں اور وہ ناصحین و شاہدین کے مقام پر فائز ہیں۔

یہ بات ہر شخص کے مشاہدے و تجربہ کی ہے کہ جو شخص بھیجے ہوئے کی عزت و تکریم نہیں کرتا وہ حقیقت میں بھیجنے والے کی توقیر و تعظیم نہیں کرتا۔ اس لئے اللہ کے بھیجے ہوئے ان بزرگان دین کی بہت زیادہ عزت و احترام کرنا چاہئے ورنہ بھیجنے والے کو ماننے اور اس کے ساتھ تعلق کا ثبوت موجود نہیں ہو گا۔ لیکن اگر کوئی بھیجے ہوئے کی تذلیل و مخالفت کے باوجود بھیجنے والے کے ساتھ محبت اور قرب کا اظہار کرے تو کذاب ہے' ریاکار ہے' مکار ہے اور حیلہ ساز ہے۔

جب لفظ رسول کے ساتھ اسم اللہ لگ جاتا ہے تو اس سے صرف وہ مخصوص برگزیدہ و مکرم ہستی مقصود ہوتی ہے جو تمام لوگوں سے افضل و برتر' معصوم' شرف و ہدایت سے آراستہ' محبوب حق اور لائق اتباع ہوتی ہے جس کی اگر بات نہ مانی جائے تو وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا انکار ہو گا۔

فقہ و سیر کی کتب کے مطابق سب سے پہلے نبی حضرت آدم صفی اللہ علیہ السلام تھے اور سب سے پہلے رسول جو کفار پر بھیجے گئے وہ حضرت نوح علیہ السلام تھے۔ انہوں نے ساڑھے نو سو سال ہدایت فرمائی۔ ان کے زمانے کے کفار بہت سخت تھے۔ ہر قسم کی تکلیفیں پہنچاتے' استہزاء کرتے اور ماسوائے گنتی کے چند لوگوں کے جو مسلمان ہوئے باقی سب اپنے کفر و الحاد سے چمٹے رہے۔ جب آپ علیہ السلام نے

دیکھا کہ وہ حق کو قطعاً قبول کرنے پر آمادہ و تیار نہیں ہیں تو بارگاہ خالق کل میں دعا کی کہ یہ لوگ حد اصلاح سے گذر گئے ہیں بلکہ ان کی اولاد بھی فاسق و فاجر ہو گی لہٰذا ان سب کو غرق کر دیا گیا۔ صرف وہ کشتی کے مسلمان اور ہر جانور کا ایک ایک جوڑا بچا جو کشتی میں سوار کر لئے گئے تھے۔ آپ علیہ السلام کو آدم ثانی بھی کہتے ہیں کیونکہ اس وقت روئے زمین پر صرف یہی لوگ بچے تھے جو آپ علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں تھے جن سے آگئے سلسلہ نسل شروع ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم، خاتم النبین، کافتہ اللناس اور رحمتہ العالمین ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت جملہ ادیان سابقہ کی ناسخ ہے، اور قیامت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت قائم و برقرار رہے گی۔ جس قدر تمدنی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی پیچیدگیاں اور الجھنیں پیدا ہوں گی۔ جس قدر حجابات ظلمت و غفلت خالق و مخلوق کے درمیان حائل ہوں گے ان سب کے دفعیہ کے لئے شریعت محمدیؐ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ کافی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

(۱۶۵) یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اسوۂ حسنہ ہے۔ ہر اس شخص کے لئے جو اللہ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ کو یاد کرتا ہے۔ (سورۃ احزاب آیت ۲۱)

سارے قرآن پاک میں دو مقامات پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصی طور پر مخاطب کیا ہے ارشاد ہے۔

(۱۶۶) اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ! آپ ان لوگوں کے پیچھے اپنا دل نہ کڑھائیں۔ جو کفر میں سبقت کر رہے ہیں۔ خواہ وہ ان منافقوں میں سے ہوں جو زبانی تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن حقیقتاً ان کے دل باایمان نہیں اور خواہ وہ یہودیوں میں سے ہوں۔ جو غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں اور ان لوگوں کے جاسوس ہیں جو ابھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس نہیں آئے۔ باتوں کے اصلی موقعہ کو چھوڑ کر

انہیں بے اسلوب اور متغیر کر دیتے ہیں۔ کہتے ہیں اگر تم یہی حکم دیئے جاؤ تو قبول کر لینا اور اگر یہ حکم نہ دیئے جاؤ تو الگ رہنا' جس کا خراب کرنا اللہ کو منظور ہو تو اس کے لئے خدائی ہدایت میں سے کسی چیز کا مختار نہیں۔ خدا کا ارادہ ان کے قلوب کو پاک کرنے کا نہیں۔ ان کے لئے دنیا میں بھی بڑی ذلت اور رسوائی ہے۔ اور آخرت میں بھی ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔ (سورۃ مائدہ آیت ۴۱)

(۱۶۷) اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ! جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیں۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہ کی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ لوگوں سے بچا لے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (سورۃ مائدہ آیت ۶۷)

خلاصہ آیات

ان آیات کریمہ کے ذریعے قادر مطلق اولاً اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھارس بندھا رہا ہے کہ آپ ان لوگوں کی شرانگیزی اور دوری حق پر دل برداشتہ و ملول و افسردہ نہ ہوں۔ ثانیاً" کفار و منافقین و یہود کی عادات بد کے بارے میں مطلع کیا جا رہا ہے۔ کہ یہ لوگ ناپسندیدہ حرکات اور جہالت کا ارتکاب کر کے اپنی ذلتوں اور رسوائیوں میں ہی اضافہ کر رہے ہیں۔ اپنے کفر و شرک اور الحاد و شیطنت میں سبقت کر رہے ہیں جس کے لازمی نتیجہ میں خدائی لعنت و پھٹکار کے طوق پہنیں گے۔ اور ثالثاً" اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جا رہا ہے کہ ان لوگوں کی معاندانہ روش سے قطع نظر اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو آپ صلی اللہ علہ وسلم پر نازل فرمایا ہے وہ لوگوں تک پہنچاتے رہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے رہیں۔ کسی کی کیا مجال ہے کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی گزند پہنچا سکے۔ اور وہ لوگ جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ اختیار نہیں کرتے ان کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی بلکہ ان پر لعنت اور آگ کا عذاب محیط کر دیا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(۱۶۸) اللہ تعالیٰ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کوئی حامی اور مددگار نہ پائیں گے۔ (سورۃ احزاب آیت ۶۵۔۶۴)

سب سے پہلی نشانی جو ان لوگوں کی بیان فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ کفر میں سبقت کرتے ہیں یہ آخرت کے مقابل دنیا کے کام اختیار کرتے ہیں اور دنیا کو ہی اپنا ملجا و ماوا تصور کرتے ہیں۔ مولانا روم نے اسی حقیقت کی طرف بڑا لطیف اشارہ فرمایا ہے کہتے ہیں۔

انبیاء راکار عقبیٰ اختیار کافراں را کار دنیا اختیار

ترجمہ : انبیاء کے لئے آخرت کے کام اختیاری ہیں اور کافروں کے لئے دنیا کے کام اختیاری ہیں۔ اور جو ایسا کرتا ہے وہ جاہل ہے۔ ان پر بے اطمینانی کا عذاب ہمہ وقت محیط و مسلط رہتا ہے ان کا انداز اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ یہ خود کو خدائی احکام سے آزاد متصور کرتے ہیں۔ اور جو شخص آیات خداوندی کو حال پر نہ اپنائے اور اپنے آپ کو حکم کے مطابق نہ بنائے وہ آیات خداوندی کی عملاً تکذیب کرتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون** (سورۃ مائدہ آیت ۴۴) جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہ کافر ہیں۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے **و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفسقون** (سورۃ مائدہ آیت ۴۷) اور جو اللہ کے نازل کردہ سے حکم نہ کریں وہ فاسق ہیں۔

گمراہ لوگوں کی نشانیاں

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ فاسق وہ ہوتا ہے جو صاحبان حق کے مطابق ہونے کی بجائے انہیں اپنے مطابق بنانے کی کوشش کرے۔ اس شخص کو اچھائی کا پتہ ہوتا ہے لیکن اسے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے یہ پہلے زبان سے اقرار ضرور کرلیتا ہے دل سے تسلیم نہیں کرتا۔ لہٰذا اس پر توبہ کا مقام ہی نہیں آتا اور یہ اس سے

گریزاں رہتا ہے۔ جب کوئی توبہ نہیں کرتا تو اسے معافی نہیں ملتی جب بھی کسی کو معافی ملتی ہے پاک صورت کے اختیار کرنے کے وعدے پر ملتی ہے۔ اور جو اس وعدے سے منحرف ہو جائے ■ فاسق ہی رہتا ہے۔ وہ ظالم ہوتا ہے اور شرک کرنے لگتا ہے' ایسے لوگوں کے بارے میں جب بات کی جاتی ہے وہ غیبت تصور نہیں ہوتی۔ طبرانی نے حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاسق کی غیبت نہیں۔ یہ راندہ درگاہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نہ تو ان کی رہنمائی کرتا ہے اور نہ ہی انہیں ہدایت نصیب کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے **واللہ لایھدی القوم الفسقین** (سورۃ مائدہ آیت ۱۰۸)

جو فاسق ہو اس کا منافق ہونا لازمی ہے کیونکہ منافقت اور فسق لازم و ملزوم ہیں ارشاد خداوندی ہے۔ **ان المنفقین ھم الفسقون** (سورۃ توبہ آیت ٦٧) بے شک منافق ہی فاسق ہیں۔ یہ گمراہ لوگ ہیں ان کی پہلی نشانی یہ ہے کہ ان کے ظاہر و باطن میں بدرجہ اتم تضاد و اختلاف موجود ہوتا ہے۔ ان کے دو رخ ہوتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ برا قیامت کے دن اس کو پاؤ گے جو **ذوالوجھین** ہو۔ دو رخا شخص جو منافقوں کی طرح کہیں کچھ کہتا ہے اور کہیں کچھ کہتا ہے یہ نہیں کہ ایک طرح کی بات سب جگہ کہے۔ دارمی نے عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دنیا میں دو رخا ہو گا قیامت کے دن آگ کی زبان اس کے لئے ہو گی۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ اس کے لئے دو زبانیں آگ کی ہوں گی۔ میرے محسن فرماتے ہیں کہ منافق جلوت میں ساتھ ہوتا ہے اور خلوت میں ساتھ نہیں ہوتا۔ یہ صرف وہ بات کرتا ہے جو سنی سنائی ہو اور یقین سے کہتا ہے ایسا ہو گا لیکن اس کا اپنا عمل نہیں ہوتا۔ جس کے ظاہر و باطن میں بعد المشرقین ہو وہ ریاکاری سے پہلو تہی نہیں کر سکتا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے پاس روتا دیکھ کر وجہ دریافت فرمائی تو جواب ملا کہ صاحب قبر (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایک حدیث میں نے سنی ہے جسے یاد کر کے رو رہا ہوں۔ میں نے آپ سے سنا۔ فرماتے تھے تھوڑی سی ریاکاری بھی شرک ہے۔

دوسری نشانی جو دشمنان خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر فرمائی گئی ہے وہ ان کی غلط باتیں سننے کی عادت ہے۔ جو شخص جھوٹی باتیں سننے کا عادی ہو وہ بذات خود کذب و افترا سے کنارہ کشی اختیار نہیں کر سکتا۔ اس کو حق و صداقت کی شیریں و دلکش آواز سنائی نہیں دیتی کیونکہ اس کے کان غیراللہ کی صداؤں سے آشنا و واقف ہوتے ہیں۔ قوت سامعیہ کے باوجود یہ لوگ بہرے ہوتے ہیں۔ جھوٹ ہمیشہ مصلحت کے لئے بولا جاتا ہے اگر کوئی خواہش نہ ہو تو جھوٹ بولنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ لیکن وہ لوگ جن کا شیوہ ہی جھوٹ سننا اور جھوٹ کے بل بوتے پر دوسروں کو ورغلاتے ہیں اور اپنی اغراض کی تکمیل کرتے ہیں ان کی باتوں میں پرکاری و ہوشیاری ہوتی ہے کہ عام شخص کے لئے جھوٹ اور سچ کے مابین خط امتیاز کھینچنا بہت دشوار ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو بات صادق کہے وہ سچ ہے اور جو بات کاذب کہے وہ جھوٹ ہے۔

جھوٹ اور جھوٹے کے بارے میں متعدد احادیث منقول ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "صدق کو لازم کر لو کیونکہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنت کا راستہ دکھاتی ہے" جو آدمی برابر سچ بولتا رہتا ہے اور سچ بولنے کی سعی کرتا رہتا ہے وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک صدیق لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ فجور کی طرف لے جاتا ہے اور فجور جہنم کا راستہ دکھاتا ہے۔ جو شخص برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ بولنے کی کوشش کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کذاب لکھ دیا جاتا ہے ترمذی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو اس کی بدبو سے فرشتہ ایک میل

دور ہو جاتا ہے۔ ابوداؤد نے حضرت ابن سفیان بن اسد حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے محبوب خدا صلی اللہ علہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بڑی خیانت کی یہ بات ہے کہ تو اپنے بھائی سے کوئی بات کہے اور وہ تجھے اس میں سچا جان رہا ہو اور تو اس سے جھوٹ بول رہا ہو۔ امام احمد و بیہقی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ "مومن کی طبع میں تمام خصلتیں ہو سکتی ہیں مگر خیانت اور جھوٹ نہیں" یہ دونوں چیزیں ایمان کے خلاف ہیں۔ مومن کو ان سے دور ہی رہنا چاہئے۔ بیہقی اور شعب الایمان میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ارشاد فرمایا "تمام کمائیوں میں زیادہ پاکیزہ ان تاجروں کی کمائی ہے کہ جب وہ بات کریں تو جھوٹ نہ بولیں۔ اور جب ان کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت نہ کریں۔ اور جب وعدہ کریں اس کے خلاف نہ کریں جب کسی چیز کو خریدیں تو اس کی برائی نہ کریں اور جب اپنی چیزیں فروخت کریں تو ان کی تعریف میں مبالغہ نہ کریں۔ اگر انہوں نے کسی کا دینا ہو تو ڈھیل نہ کریں اور جب انہوں نے کسی سے لینا ہو تو سختی نہ کریں۔" ایک مرتبہ حضرت لقمان رحمتہ اللہ علیہ کسی محفل میں وعظ فرما رہے تھے تو ایک چرواہے نے آپ کو دیکھ کر کہا "کیا آپ وہی نہیں جو میرے ساتھ فلاں فلاں جگہ بکریں چرایا کرتے تھے" آپ نے فرمایا "ہاں' میں وہی ہوں" اس نے کہا "پھر آپ کو یہ مرتبہ کیسے حاصل ہوا ؟" فرمایا "سچ بولنے اور بے کار کلام نہ کرنے سے"

کذاب نہ صرف اپنی ذات اور معاشرے دونوں پر ظلم و استبداد کا مرتکب ہوتا ہے اور اپنے پیچھے آنے والوں کے لئے ایسی راہیں کھول جاتا ہے جو سیدھی جہنم کو جاتی ہیں بلکہ ایسے اندھیرے اور اندھے کنویں بھی کھود دیتا ہے جن میں اکثر لوگ گر کر نت نئے مظالم کے پرچم بلند کرتے رہتے ہیں جو لوگوں کے امن و سکون کو تہ و بالا کر دیتے ہیں۔ حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے۔

چاہ مظلم گشت ظلم ظالمان (ظالموں کا ظلم اندھیرا کنواں ہے)

ظالموں کی صف میں شامل ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ کسی خواہش کی تکمیل کے لئے حق کی متعین حدود سے تجاوز کیا جائے فرمان حق میں اپنی مرضی کو داخل کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی ودیعت کردہ نعمتوں کو منشا ایزدی کے خلاف بروئے کار لایا جائے۔

ظالم چونکہ حدود اللہ سے تجاوز کرنے والا' فرمان حق میں اپنی چاہتوں کو داخل کرنے والا' ناشکرا اور نعمتوں کو ان کے منشاء کے خلاف استعمال کرنے والا ہوتا ہے اس لئے اسے نہ تو فلاح نصیب ہوتی ہے اور نہ ہی ہدایت میسر آتی ہے۔ ارشاد رب قدوس ہے۔

انہ لا یفلح الظلمون ○ "بے شک ظالموں کو فلاح نہیں"

(سورۃ انعام آیت ۱۳۵)

واللہ لایھدی القوم الظلمین ○ "اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا"

(سورۃ توبہ آیت ۱۹)

گروہ باطل کے افراد کی تیسری نشانی رب غفور الرحیم نے یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ لوگ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کی جو کہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ کے ہی فیصلے ہیں سے انحراف کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے باغی ہیں حق تو یہ ہے کہ انسان قادر مطلق اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے سامنے سر جھکا دے' چون و چرا ترک کر دے۔ کیوں' کیسے' کس لئے وغیرہ کی رٹ چھوڑ دے اور بعینہ ان پر عمل پیرا ہو لیکن اگر احکامات و فرامین کی ایسی تاویلات و توجیہات کی جائیں جو منشائے الٰہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے منافی ہوں تو جو بھی ایسا کرتا ہے تو پھر اسے انتظار کرنا چاہیے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب اسے اپنی لپیٹ میں لے لے۔ حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نے کیا خوبصورت ارشاد فرمایا ہے۔

مردہ باید بود پیش حکم حق تانیاید زحمت اب رب الفلق

ترجمہ : اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے مردہ ہو جانا چاہیئے تاکہ رب الفلق کی جانب سے عذاب نہ آئے۔

خدائی احکامات میں تحریف ظن گمان کی آئینہ دار ہے

مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص کو یہودی کالا منہ کئے لے جا رہے تھے اور اسے کوڑے بھی مار رہے تھے تو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کر ان سے ماجرا پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ اس نے زنا کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہارے ہاں زانی کی یہی سزا ہے ؟ کہا "ہاں" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ایک عالم کو بلا کر اسے سخت قسم دے کر پوچھا تو اس نے کہا کہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسی قسم نہ دیتے تو میں ہرگز نہ بتاتا۔ بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں دراصل زناکاری کی سزا سنگساری ہے۔ لیکن چونکہ امیرالامراء اور شرفاء لوگوں میں یہ بدکاری بڑھ گئی تھی اور انہیں اس قسم کی سزا دینی ہم نے مناسب نہ جانی اس لئے انہیں تو چھوڑ دیتے تھے اور یہ سوچ کر کہ حکم خدا مارا نہ جائے غریب غرباء اور کم حیثیت لوگوں کو رجم کر دیتے تھے۔ پھر ہم نے رائے زنی کی کہ آؤ کوئی ایسی تجویز کریں کہ شریف اور غیر شریف' امیر اور غریب سب پر یکساں جاری ہو سکے۔ چنانچہ ہمارا سب کا اس بات پر اجماع ہوا کہ منہ کالا کرا دیں اور کوڑے لگائیں۔

خدائی احکامات میں تحریف و تبدیلی اور انہیں اپنی خواہشات کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے ظن' گمان اور قیاس کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ ظن اور قیاس کا مرض روحوں' جسموں اور دماغوں میں اس وقت پنپنے اور پروان چڑھنے لگتا ہے۔ جب انسان نفسانی خواہشات کا بندہ و غلام ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ پاک ہے۔ اس کا کلام پاک ہے اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم پاک ہے اس لئے پاک کے کلام کو ظن' گمان اور قیاس کے ترازو میں رکھنا سراسر ظلم و زیادتی ہے۔ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نے کیا

خوب ارشاد فرمایا ہے۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر — گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر

ترجمہ : پاک لوگوں کے کام کو اپنے پر قیاس نہ کر' اگرچہ لکھنے میں شیر اور شیر یکساں ہوتا ہے۔

جس شخص کا پیٹ بہت بڑھ جائے اسے اپنے پاؤں نظر نہیں آتے۔ اسی طرح جس کی نفسانی خواہشات بڑھ جائیں اسے بھی پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کس مقام پر کھڑا ہے۔ اسے سوائے اپنی ذات کے اور کوئی نظر نہیں آتا۔ ایسے لوگ نفسی نفسی پکارتے ہیں۔ اس کی مثال اس خارش زدہ کتے کی سی ہے جو اپنی دم منہ میں پکڑنا چاہتا ہے تو وہ دائرے میں گھومنے لگتا ہے۔ ان لوگوں کو شیطان فوراً دبوچ لیتا ہے اور وہ وہی کرتے ہیں جس کا وہ حکم کرتا ہے۔

دشمنان اسلام اور منکرین خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات پر روشنی ڈالنے کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر جو نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دیں۔ حضرت زہری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے پیغام بھیجنا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہنچانا ہے اور ہم پر اس کا تسلیم کرنا ہے۔

ابلیس کے دوستوں کا طریقہ واردات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان اور عظمت کے کلیتہ" خلاف ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کسی آیت اس کے حصے یا لفظ کو پوشیدہ رکھیں۔ صحیحین میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے کہا کہ یہ چرچا عام ہو رہا ہے کہ آپ کو حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ایسی باتیں بتائی ہیں جو دیگر لوگوں سے چھپائی گئی ہیں۔ یہ آیت کریمہ اس کی تصدیق میں ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھپانے والے ہوتے تو اس آیت مبارکہ کو ضرور پوشیدہ

رکھتے۔ ابلیس کے دوستوں کا یہ طریقہ واردات تھا کہ وہ بے سروپا اور لغو الزام تراشی کر کے لوگوں کو بہکانے کی کوشش کرتے تھے۔ ان بدبختوں اور کم فہموں کو یہ معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینا اللہ تعالیٰ کو ایذاء دینا ہے۔ فرمان ربی ہے۔

(۱۶۹) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایذاء دیتے ہیں۔ ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لئے انتہائی سخت عذاب ہے۔ (سوۃ احزاب آیت ۵۷)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ارشاد فرماتی ہیں "جو تجھ سے یہ کہے کہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خدائی نازل کردہ حکم کو چھپا لیا ہے تو جان لو وہ جھوٹا ہے"

حاصل بیان

☆ اللہ تعالیٰ کے مقربین کا دلی احترام اور عزت کرنی چاہیے۔ جو حال پر اپنے بڑے بزرگوں، شاہدین اور علماء دین کی قدر نہیں کرتا وہ اپنے اندر کسی کی بھی حقیقی تکریم و تعظیم بجالانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

☆ تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام میں سے سب سے زیادہ فضیلت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں اور نہ ہی قرآن مجید کے بعد کوئی کتاب اللہ ہے۔ اس لئے تاقیامت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی نبوت و شریعت جاری رہے گی۔

☆ جلوت و خلوت میں تعلیمات محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فروغ دینے کی سعی کرتے رہنا چاہیے اور خود بھی اس پر پورا رہنا چاہیے۔

☆ ہمیں منافقانہ و فاسقانہ روش سے پہلو تہی کرنی چاہیے اور اچھائی کا علم ہونے کے بعد اسے قبول کرنے سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اس کے مطابق عمل کرنا

چاہیے۔

☆ تضاد و اختلاف سے پاک رہنا چاہیے اور جھوٹی باتوں کے سننے کی خو سے علیحدگی اختیار کرنی چاہیے۔

☆ ہمیں سچوں کا ساتھ دینا چاہیے اور جھوٹوں کی صفت سے بچنا چاہیے۔ یہ لوگ معاشرے میں ظلم کے مرتکب ہوتے ہیں۔

☆ ہمیں قرآن مجید کو اپنے مطابق ڈھالنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے بلکہ خود کو قرآن پاک کے مطابق ڈھالنا چاہیے۔ اسی میں فلاح ہے۔

ہماری زندگی تقاضا کرتی ہے کہ اپنے لیل و نہار کا جائزہ لیں اور اپنا محاسبہ کریں کہ ہم کس مقام پر کھڑے ہیں۔ اگر ہماری زندگی کے چمنستان میں فسق و منافقت کے کانٹے ہوں۔ کذب و افتراء کے ناگ ہوں اور ہمارے اعمال ہمارے دعوے اسلام کی بذات خود تردید کرتے ہوں تو فوری اصلاح کرنی چاہیے۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر ۷

يٰبَنِيٓ اٰدَمَ

اے بنی آدم!

داستان عروج و زوال انسان

حضرت انسان کے عروج و زوال کی داستان حسین و دلکش اور بھیانک و روح فرسا ہے جب وہ اللہ عزوجل اور اس کے محبوب رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے راستے پر گامزن ہوتا ہے تو انسان سے بنی آدم' بنی آدم سے آدمی اور آدمی سے بشر کے مقام و مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے۔ جہاں اسے قرب الٰہی اور حضوری آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوتی ہے۔ بظاہر وہ زمین پر ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وہ آسمانوں اور جنتوں میں محو خرام ہوتا ہے۔ اپنے اللہ کو رب کہنے اور پھر اس پر استقامت کی بدولت اس پر فرشتے نازل ہوتے ہیں' اس کے پاک وجود کے سدا بہار گلستان کے مشکبار پھولوں سے گردوپیش مہک اٹھتا ہے' متلاشیان حق اس کی جانب کھنچے چلے آتے ہیں' اور اس مرد حق کی محبت و معیت میں صراط مستقیم کی دلنواز و شاداب وادیوں اور روشن منزلوں کی طرف بڑھنے لگتے ہیں۔ یہ انسان کے عروج کی داستان ہے۔ اور جب انسان اتباع ابلیس میں نفس انسانی کی ڈنگوری تھامے خواہشات کی راہوں پر قدم بڑھانے لگتا ہے تو وہ انسان سے شیطان اور چوپائے سے کم تر بنتا چلا جاتا ہے۔ اس کے نجس وجود سے گناہوں' فواحش اور عصیاں کے سوتے پھوٹنے لگتے ہیں۔ اس کی ناپاکی سے فضا میں تعفن اور بدبو بکھر جاتی ہے۔ وہ دنیا میں اصل نام

کی بجائے اپنے خبث باطن کے حوالے سے پکارا جانے لگتا ہے۔ اس کا نام برائی کی علامت بن جاتا ہے' فرعون' نمرود' شداد' ہامان اور بعل بادشاہ دقیانوس ایسے ہی انسانوں کے نام ہیں جو تاقیامت مختلف ناموں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے مرسلین کے خلاف بغاوت و سرکشی کے علم بلند کرتے رہے ہیں۔ ان انسان نما شیاطین کی خصلتوں کے حامل شخص کا نشیمن پستیوں اور اندھیرے غاروں میں ہوتا ہے جہاں روشنی کی رمق تک نہیں پہنچتی' جہاں اس پر لحظہ بہ لحظہ' ساعت بہ ساعت اور سانس بہ سانس عذاب کا تازیانہ برستا ہے۔ یہ انسان کے زوال کی کہانی ہے جو انتہائی بھیانک اور جان گداز ہے۔

انسان کے عروج و زوال کی یہ داستان ابدالاباد تک جاری رہے گی۔ ہر انسان اپنے اعمال کے پانیوں میں تیر رہا ہے۔ اعمال کے پانیوں کا یہ سمندر آخرت میں اصحاب یمین کو سرد' شیریں اور روح پرور نہروں کے راستے ان باغوں کی طرف لے جائے گا جہاں بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں اور غلمان ان کے لئے سراپا انتظار محو خرام ہیں اور اصحاب شمال کو خوف اضطراب اور جان گسل زنجیروں میں جکڑ کر آگ کے سمندروں کی طرف لے جائیں گے جہاں پینے کو پیپ' خون اور کھولتا پانی اور کھانے کو بچھوؤں اور سانپوں کے ڈنگ ہیں۔

بزرگان دین فرماتے ہیں کہ انسان سے بالکل قریب کا درجہ بنی آدم کا ہے۔ یہ مقام بہ نسبت عام انسان کے قدرے بلند ہے۔ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے بشر تھے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے محبوب و پیارے تھے لہٰذا ان لوگوں کو جو اس درجے میں ہیں انہیں اپنے پیارے کی نسبت سے "اے بنی آدم" کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

(۱۷۰) اے بنی آدم! ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو کہ تمہارے پردہ دار بدن کو چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے اور لباس تقویٰ اس سے بڑھ کر ہے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ یہ لوگ یاد رکھیں۔ (سورۃ اعراف ۲۶)

(۱۷۱) اے بنی آدم ! شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے جیسا اس نے تمہارے دادا اور دادی کو جنت سے باہر کر دیا ایسی حالت سے کہ ان کا لباس بھی اتروا دیا تاکہ ان کو ان کا پردہ کا بدن دکھائی دینے لگے۔ وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم اس کو نہیں دیکھتے ہو' ہم شیطانوں کو ان ہی لوگوں کا رفیق ہونے دیتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ (سورۃ اعراف آیت ۲۷)

(۱۷۲) اے بنی آدم ! تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔ اور خوب کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کی حب نہیں رکھتا۔ (سورۃ اعراف آیت ۳۱)

(۱۷۳) اے بنی آدم ! اگر تمہارے پاس رسول آئیں جو تم ہی میں سے ہوں گے۔ وہ میرے احکام تم سے بیان کریں گے۔ پس جو شخص تقویٰ کرے اور اصلاح کرے اس پر نہ خوف ہوگا نہ حزن ہو گا۔ (سورۃ اعراف ۳۵)

خلاصہ آیات

ان آیات مبارکہ میں رب کریم نے لباس کی اہمیت واضح فرمائی ہے جو باعث ستر پوشی و زینت ہے۔ لیکن اگر اس لباس سے عریانی کو فروغ ملے تو لاریب اس میں شیطان کا عمل دخل ہے۔ ظاہری لباس کے علاوہ ایک لباس تقویٰ بھی ہے جو سب سے بہترین ہے۔ یہ باطنی لباس ہے۔ اس کی موجودگی میں انسان ایسا لباس زیب تن کرنے سے گریز و اجتناب کرتا ہے جس سے گناہ کی دعوت ملتی ہو اور وہ شریعت کے مطابق بھی ہوتا ہے۔

اہمیت و اقسام لباس

بنی آدم پر سب سے پہلے جس چیز کی اہمیت و افادیت واضح کی جا رہی ہے وہ لباس ہے۔ لباس زیب تن کرنے کی تین وجوہ ہیں۔ (اول) جسم کو موسمی اثرات سے

محفوظ کرنا۔ (دوئم) بدن کے ان حصوں کو چھپانا جن کا ننگا کرنا ناجائز ہے۔ اور (سوئم) باعث و جمال ہے۔ اس کے لئے لفظ "ریشا" استعمال ہوا ہے۔ ریش وہ لباس ہے جو تجمل اور زیب و زینت کے لئے پہنا جاتا ہے۔ ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ریش کلام عرب میں گھر کے ساز و سامان اور ضرورت سے زیادہ لباس کو کہتے ہیں! حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے معنی مال بتاتے ہیں اور عیش و تنعم مراد لیتے ہیں۔ لہٰذا لباس کا پہنا فرمان ربی کی تعمیل ہے لیکن وہ اشیا جو ریش کے زمرے میں آتی ہیں وہ تکمیلات و زیادات میں شامل ہیں۔

اسلام سے قبل مشرک مرد دن میں اور عورتیں رات میں برہنہ ہو کر بیت اللہ شریف کا طواف کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ اس فعل کے رد میں حکم دیا گیا ہے کہ ہر نماز کے وقت جس میں طواف کعبہ بھی شامل ہے لباس پہن لیا کرو۔ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ نے لباس کی پانچ اقسام بیان فرمائی ہیں۔ (اولاً") چھینا ہوا لباس جو ہر مکلف (بالغ اور فہیم) کے لئے حرام ہے۔ (ثانیاً") لباس ریشم جس کی عورتوں کو پہننے کی اجازت ہے لباس میں پاجامہ یا شلوار سب سے افضل ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ میں جب حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بارش کے دن بقیع کے قریب بیٹھا ہوا تھا اتنے میں ایک عورت اپنے گدھے پر سوار گزری اور اس کے ساتھ بوجھ تھا۔ جب وہ ایک پست زمین پر پہنچا جہاں گڑھا تھا گر پڑی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف سے اپنا چہرہ مبارک پھیر لیا لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! وہ پاجامہ پہنے ہوئے ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اے اللہ تعالیٰ ! میری امت کی ان عورتوں کی جو پاجامہ پہنتی ہیں مغفرت فرما۔ اے لوگو ! پاجاموں کا استعمال کرو جو تمہارے کپڑوں میں سے زیادہ پردے کی چیز ہے۔ اور اپنی عورتوں کو جب کہ وہ باہر نکلیں اس کے پہننے پر آمادہ کرو۔ عورت کو اپنے سر کے بال بھی چھپا کر رکھنے چاہئیں۔ حضرت وحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہیں محبوب کبریا صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے ہرقل کے پاس بھیجا۔ جب واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مصر کا باریک سفید (قبطی) کپڑا دیا اور فرمایا۔ اس کے ایک ٹکڑے کا کرتہ بنا لینا اور ایک حصہ اپنی بیوی کو دے دینا کہ وہ اس کی اوڑھنی بنا لے۔ جب حضرت وحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آواز دی اور فرمایا کہ اپنی بیوی کو یہ بھی حکم دینا کہ اس کی نیچے کوئی اور کپڑا لگائے تاکہ اس کے بال وغیرہ نظر نہ آئیں۔

جہاں تک بالغ مردوں کا تعلق ہے کہ ان کے لئے ریشمی لباس پہنا حرام ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص دنیا میں ریشم پہنے گا وہ آخرت میں کبھی نہیں پہنے گا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سرخ ریشمی حلہ پہننے کے لئے دیا ایک دن میں اسے پہن کر نکلا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے پر غصے کے آثار پائے تو میں نے اس کو پھاڑ کے اپنے گھر کی عورتوں پر تقسیم کر دیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے جسم پر سرخ رنگ کا لباس دیکھ کر فرمایا یہ کفار کا لباس ہے اسے نہ پہنو۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اس وقت میرے جسم پر سرخ رنگ کا لباس تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم نے اسے کہاں سے لیا۔ میں نے عرض کیا۔ "میری بیوی نے میرے لئے بنا ہے" فرمایا اسے جلا دو۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑوں میں سے کرتہ زیادہ محبوب تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفید لباس پہننے کو پسند رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ حسین ترین لباس سفید کپڑے کا ہے۔ تم میں سے اسے زندہ لوگ بھی پہنیں اور اپنے مردوں کو بھی اس کا کفن دیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طریقت لباس میں وسعت اور ترک تکلف تھا۔ جو ہوتا زیب تن فرما لیتے اور تعین کی تنگی اختیار نہ فرماتے۔ کسی حال میں عمدہ و نفیس کی خواہش نہ فرماتے اور نہ ادنیٰ و حقیر کا تکلف فرماتے۔ بلکہ جو موجود و میسر ہوتا پہن لیتے۔ اگر کبھی شاہان عجم عمدہ اور نفیس بیش قیمت لباس ھدیہ بھیجتے تو ان کی تالیف قلوب کی خاطر زیب تن فرماتے مگر جلد ہی بدن شریف سے اتار دیتے اور لوگوں کو عطا فرما دیتے تھے۔

ثالثاً" وہ لباس ہے جس سے شوکت نفس کو عروج ملتا ہے اور کبرو نخوت فروغ پاتا ہے یہ مکروہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنا کپڑا غرور کے سبب سے گھسیٹ کے چلے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے دن نہیں دیکھے گا۔ حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام سرکش اور اپنے کو بڑا سمجھنے والے لوگ دوزخ والے ہیں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکبر و غرور کی مذمت فرماتے تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ علیہم اجمعین عرض کرتے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آدمی پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کی جوتیاں اچھی ہوں اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ **"ان اللہ جمیل یحب الجمال الکبر بطر الحق"** بلاشبہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے اور تکبر حق تعالیٰ سے سرکشی کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لباس ہیئت میں تجمل و تحسین مستلزم ہے تکبر نہیں ہے۔ اسی طرح وہ لباس بھی مکروہ ہے جو ریشم اور سوت سے مل کر بنا ہو۔

ربعاً" وہ لباس ہے جو مباح ہے حضرت میاں خدا بخش رحمتہ اللہ علیہ سرتاج اولیاء فرماتے ہیں کہ کھدر جیسا کپڑا نہیں ورنہ پہن کے دیکھ لو۔ مرد کو بناؤ سنگھار سے بچنا چاہئے کیونکہ اس کے معنی غیر کو دعوت دینے کے ہیں۔ اس لئے سیدھے سادے

رہنا چاہیے۔ لباس کی خوبی یہ ہونی چاہیے کہ صاف ستھرا اور پاکیزہ ہو اور اس میں میانہ روی اختیار کرنا۔ اور ہم جنسوں کے مشابہ ہونا محمود ہے۔ یہ خلاف مروت نہیں ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے حدیث بیان فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن کی تمام خوبیوں میں لباس کا ستھرا رکھنا اور کم پر راضی ہونا بہت پسند ہے" ہادی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میلے اور گندے کپڑوں کو مکروہ اور ناپسند جانتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو بہت میلے اور غلیظ کپڑے پہنے ہوئے تھا فرمایا کیا یہ شخص کوئی ایسی چیز نہیں رکھتا جس سے یہ کپڑوں کو دھو لے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جس کے بال الجھے ہوئے ہیں ان میں میل بھرا ہوا ہے اور بری حالت میں ہے فرمایا کیا تم میں کوئی ایسا آیا ہے ؟ حدیث پاک میں ہے۔ "**ان اللہ نظیف یحب انظافتہ**" بلاشبہ اللہ تعالیٰ پاک و صاف ہے اور وہ پاکی و صفائی کو پسند فرماتا ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اس حال میں دیکھا کہ میرے جسم پر کم قیمت کے کپڑے تھے۔ فرمایا۔ "کیا تیرے پاس از قسم مال ہے" میں نے عرض کیا "جی ہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر قسم کے مال و دولت سے نواز ہے اونٹ بھی ہیں اور بکریاں بھی ہیں" فرمایا۔ "پھر تو اللہ کی نعمت اور اس کی بخشش کو تمہارے جسم سے ظاہر ہونا چاہئے" مطلب یہ ہے کہ تونگری کی حالت کے مناسب کپڑے پہنو اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

خمسا" وہ لباس ہے جس کی معافی (اجازت) ہے یہ وہ لباس ہے جو لوگوں میں معروف و مستعمل ہو۔ لہٰذا ایسا پہنا جائے جیسے عموماً اہل شہر پہنتے ہیں تاکہ لباس سے بیگانگی کا اظہار نہ ہو۔ رواج سے ہٹ کر لباس پہننے والے پر لوگ عموماً انگشت نمائی کرتے ہیں اور غیبت کرتے ہیں اس طرح یہ لباس پہننے والے کے لئے بھی تکلیف کا باعث بنتا ہے اور دوسروں کے لئے غیبت کا سبب۔ معروف لباس وہی ہے جو شاہدین پہنتے ہوں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ کی رضا کے حصول کو مقصود جاننا حق

ہے۔

شیطان کی چاہت

شیطان ہر لحظہ اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ وہ لوگوں کو لباس ظاہری و باطنی سے بے نیاز کر دے۔ وہ ہر وقت کوشاں رہتا ہے کہ لباس ظاہری کو نشان فخر و غرور اور کبر و نخوت بنا دے اور ستر پوشی کے اہتمام کو بے وقعت و لایعنی بنا دے تاکہ وہ لباس تقویٰ سے مزین و آراستہ نہ ہو سکیں۔ چنانچہ متنبہ کیا گیا ہے کہ شیطان کے حربوں اور ہتھکنڈوں سے بچو اس نے تمہارے دادا اور دادی یعنی حضرت آدم علیہ السلام و حوا علیہم السلام کا لباس اتروا دیا تھا۔ یہ ہمیشہ نفس کی کمین گاہ میں روپوش ہوتا ہے۔ جسے تم نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن وہ اور اس کے لشکری ہر آن تم پر نظریں گاڑے ہوئے ہیں۔ یہ ازلی و ابدی دشمن ہیں۔

عزت نفس کا قیدی

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر ایک کو پاک خلق فرمایا ہے۔ ناپاک اور نجس وہ بعد میں اپنے اعمال سے بنتا ہے یہاں تک کہ شیطان کو بھی پاک پیدا کیا تھا۔ لیکن تکبر کی وجہ سے وہ کافرین میں سے ہو گیا۔ شیطان فرشتوں کا سردار تھا لیکن اس کے فخر اور حکم عدولی نے اسے شیطان بنا دیا۔ اس سے بتانا یہ مقصود ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے وہ راندہ درگاہ ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا تعلق نہیں ہے۔ اس کے فخر کی وجہ سے یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کو علیم نہیں جانتا تھا۔ وہ عزت نفس کا شکار تھا۔ اسی لئے اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ شیطان نے صرف تکبر کیا تھا۔ تکبر کے بعد کفر کا درجہ ہے کوئی متکبر کفر سے بچ نہیں سکتا خواہ اس نے کیسا ہی روپ دھار رکھا ہو۔ کافر ہمیشہ کفر کی تلقین کرتا ہے چونکہ شیطان کافر ہے اس لئے وہ کھلا دشمن ہے اور جو اس کی پیروی کرتے ہیں کے باشندے دین اسلام اور

مومنین سے انہیں کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ انہیں نیچا دکھانے کے لئے بر سر آمادہ رہتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ ابلیس اور اس کی ذریات سے خبردار رہنے کی تلقین فرماتا ہے۔

(۱۷۴) کیا تم ابلیس اور اس کی ذریت کو مجھے چھوڑ کر اپنا دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تو تمہارا دشمن ہے ظالمین کو بہت برا بدلہ ملے گا۔ (سورۂ کہف آیت ۵۰)

کھانے پینے کے آداب

رب ودود نے تمام اشیاء بنی نوع انسان کی لئے پیدا کی ہیں اور اسے اپنی عبادت کے لئے خلق فرمایا ہے عبادت زندگی سے عبارت ہے اور زندگی کا دارومدار کھانے پینے پر ہے۔ لہٰذا اس کا حکم فرمایا گیا ہے کیونکہ اس کے بغیر قوت و طاقت کا برقرار رکھنا اور عبادات محال ہیں لیکن اس کے ہم آہنگ ایک پابندی بھی لگا دی کہ اسراف نہ کرو۔

ہر چیز کی اہمیت اس کے ادب سے واضح ہوتی ہے جتنی جس کی اہمیت ہوتی ہے اتنا ہی اس کا زیادہ ادب کیا جاتا ہے کھانا جو کہ زندگی میں بڑی اہمیت کا حامل ہے اس کے بھی آداب ہیں جن کو ملحوظ رکھنا از بس ضروری ہے۔ حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں بچہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگرانی میں تھا۔ میرا ہاتھ پیار میں چاروں طرف پڑتا تھا تو مجھ سے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "اے لڑکے ! اللہ کا نام لے۔ دائیں ہاتھ سے کھا اور جو تیرے قریب ہے اسی میں سے کھا" میں اس کی بعد اسی طرح کھاتا تھا۔ اس فرمان میں تین باتوں پر زور دیا گیا ہے اول اللہ کے نام سے شروع کرو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند آدمیوں کے ہمراہ کھانا کھا رہے تھے۔ اتنے میں ایک اعرابی آیا اور جو کچھ ان حضرات کے سامنے تھا وہ دو لقموں میں صاف کر گیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے فرمایا "اگر یہ اللہ تعالیٰ کا نام لے لیتا تو سب کی لئے کھانا کفایت کر جاتا" لہٰذا جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اللہ کا نام لیا کرے۔ اگر بسم اللہ پڑھنی بھول جائے تو جب یاد آئے اس طرح کہے۔ بسم اللہ اولہ و آخرہ دوئم۔ دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دائیں ہاتھ کو کھانے اور پینے اور اپنے وضو اور اس جیسی باتوں کے لئے معین کئے ہوئے تھے۔ اور بائیں ہاتھ کو استنجا کرنے ناک صاف کرنے اور اس جیسے کاموں کے لئے مخصوص کئے ہوئے تھے۔ سوئم۔ اپنے سامنے سے کھاؤ۔ حضرت جعفر بن عبداللہ بن حکم بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا اور میں بچہ تھا کہ میں ادھر ادھر سے کھا رہا تھا تو مجھ سے کہا۔ اے بچے اس طرح مت کھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کھانا تناول فرماتے تو اپنے سامنے سے کھاتے۔

کھاتے وقت لقمہ ہمیشہ چھوٹا ہونا چاہیے۔ جسے خوب دیر تک چبایا جائے اور آہستہ آہستہ نگلا جائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب دسترخوان بچھایا جائے تو چاہیے کہ جب تک سارے فارغ نہ ہوں کوئی نہ اٹھے اور نہ کھانے سے ہاتھ کھینچے اگرچہ سیر ہو چکا ہو کیونکہ یہ ساتھیوں کی شرمندگی کا موجب ہے اور ممکن ہے کہ ابھی انہیں کھانے کی احتیاج باقی ہو۔ کھانا کھاتے وقت تہذیب کا تقاضا ہے کہ کھانے والوں کے چہروں کو نہ تکا جائے اس طرح ان کو خفت ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ایسی باتیں بھی نہیں کرنی چاہیں جس سے لوگ گھن کھائیں۔ یا ہنسنے سے حلق میں نوالہ پھنس جائے یا جنہیں سن کر لوگ کبیدہ خاطر ہوں۔ کھانا تو سب نے کھانا ہوتا ہے اگر طریقے سے تناول کیا جائے تو اس سے بے انتہا خیر و برکت ہوتی ہے کھانا نمک سے شروع کرنا اور نمک پر ختم کرنا مستحب ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین انگلیوں یعنی انگوٹھا کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی سے کھانا نوش فرماتے تھے۔ اسے ترمذی نے شمائل میں روایت کیا ہے۔ کہ ایک یا دو

انگلیوں سے کھانا متکبروں کا کھانا ہے اور پانچ انگلیوں سے کھانا حرص و طمع کی علامت ہے۔ کھانے کے دوران جو چیز دسترخوان یا پیالہ سے گر جائے اسے اٹھا کر کھا لینا بھی باعث برکت ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ اس میں محتاجی۔ برص اور کوڑھ سے حفاظت ہے۔ اور جو اسے کھاتا ہے اس کی اولاد حماقت سے محفوظ رہتی ہے۔ اور انہیں عافیت دی جاتی ہے۔ اگر اسی ایک بات کی حکمتوں پر غور کیا جائے تو ان گنت فوائد سامنے آتے ہیں فوری طور پر جو حکمت سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس طرح کھانا ضائع نہیں ہوتا۔ اگر کھانے والے کے پاس کوئی خدمتگار وغیرہ کھڑا ہو تو اسے بیٹھنے کو کہا جائے اگر وہ انکار کرے تو عمدہ کھانے سے لقمہ اٹھا کر دے دینا چاہیے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلیٰ اللہ علیہ و آلہ وسلم جب کھانے سے فارغ ہوتے تو اپنی تینوں انگلیاں چاٹ لیتے تھے لیکن کھانے کے دروان انگلیاں نہیں چاٹتے تھے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب اپنے اہل و عیال میں تشریف فرما ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان سے نہ کھانا طلب فرماتے اور نہ خواہش کا اظہار فرماتے۔ اگر وہ کھانا پیش کر دیتے تو نوش فرما لیتے اور جو کچھ بھی پیش کرتے قبول فرماتے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں لگایا اگر تمنا ہوتی تو کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کدو مرغوب تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے کھانا لایا گیا تو کدو تلاش کر کر کے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے رکھا جاتا تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پسند ہے۔ بکری کے گوشت کی دستی بھی آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مرغوب تھی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تا عمر شریف شکم سیری نہیں فرمائی۔

حضرت عطا رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شکم سیری ایسی بدعت ہے جو قرن اول کے بعد ظاہر ہوئی تھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں شکم سیر لوگ آخرت میں بھوک والے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پیٹ بھر کر کھانے اور پینے سے پرہیز کرو اس لئے کہ پیٹ بھرنا جسم کے اندر فاسد مادے اور بیماری پیدا کرتا ہے۔ نماز میں کاہلی لاتا ہے۔ اور تم کھانے پینے میں درمیانی راہ اختیار کرو۔ ایسا کرنے میں جسم کی اصلاح ہے اور فضول خرچی سے دوری۔ صاجزادہ رضا حسین فرماتے ہیں کہ دوسروں کے سونے کا انتظام کر کے سوئیں اور دوسروں کو کھانا کھلا کر کھائیں تو نیند اور کھانے میں اعتدال قائم رہتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ایسے عالم سے جو موٹا ہونے کی فکر میں رہنے والا ہو بغض رکھتا ہے۔ اور کوئی شخص ہلکا نہیں ہوتا جب تک کہ اپنی خواہش کو اپنے دین پر ترجیح نہ دے۔ رحمتہ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے کہ پیٹ کے تین حصے کرو۔ ایک حصہ کھانے کے لئے ایک حصہ پینے کے لئے اور ایک حصہ سانس کے لئے اور فرمایا ابن آدم نے اپنے پیٹ سے بدتر کسی برتن کو نہیں بھرا ہے۔

کھانے کیلئے جو برتن استعمال میں لائے جائیں وہ سونے چاندی یا سونے چاندی کا ملمع کئے ہوئے نہ ہوں۔ ان میں کھانا پینا ناجائز ہے۔ اگر کسی ایسے برتن میں کھانا آئے تو کھاتے وقت کسی ایسے دوسرے برتن میں اس کو الٹ لینا چاہیے۔ جس میں کھانا جائز ہو یا روٹی پر ڈال لے مومن کی یہ شان ہے کہ وہ نہ تو پیٹ کے منحوس برتن کو بھرنے کے لئے متردد رہتا ہے اور نہ ہی ایسے ظروف میں کھاتا ہے جن میں کھانا پینا ناجائز ہے۔ مومن ہمیشہ بہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔ حضرت میاں خدا بخش رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کھانے پر قطعاً نہ کھاؤ ورنہ کھا کے تماشا دیکھ لو۔ دو کھانوں کے درمیان وقفہ کم از کم چھ گھنٹوں

کا ہونا چاہیے۔ کیونکہ مومن حرص و طمع سے اجتناب کرتا ہے۔ وہ تو صرف اس قدر کھاتا ہے۔ جس سے اس کی ریڑھ کی ہڈی کھڑی رہ سکے۔ اگر شکم سیری اور کم خوری کا موازنہ کیا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ مومن جب کھاتا ہے تو عبادت کے اسباب کی حفاظت کرتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ کھانے سے بھوک کو مارنا اور عبادت پر مدد کرنا ہے۔ نہ کہ تن پروری۔ وہ ضرورت سے زیادہ نہیں کھاتا۔ لیکن کافر کا مقصود و مطلوب بدن پروری اور نفسانی شہوت کی تکمیل ہے۔ اس کی حالت مومن کے برخلاف ہے۔ لیکن ممکن ہے کوئی مومن کسی طبعی عارضہ سے یا اپنے کسی مرض کے باعث بسیار خوری کرتا ہو اور کافر کم خور ہو خواہ وہ ضعف معدہ کی وجہ سے یا اطبا کے اصول صحت کی وجہ سے یا راہبوں کے طریقہ پر ریاضت کی وجہ سے ہو۔ علماء فرماتے ہیں کہ جس کی فکری قوت زیادہ ہوتی ہے اس کی غذا کم ہوتی ہے۔ اور اس کا دل نرم ہوتا ہے اور جس کی فکری قوت کم ہوتی ہے اس کی غذا زیادہ ہوتی ہے۔ اور وہ سخت دل ہوتا ہے نیز فرماتے ہیں جس کا معدہ کھانے سے بھرا رہتا ہے اس میں حکمت و دانائی پیدا نہیں ہوئی اور جس کا معدہ کھانے سے کم پر ہے اس کا پینا بھی کم ہے اور اس کا سونا بھی کم ہے اور جس کا سونا کم ہے اس کی عمر میں برکت ہے اور جس کا سونا بہت زیادہ ہے اس کی عمر میں بے برکتی ہے۔

محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کھاؤ' پیو' دوسروں کو دو لیکن اسراف نہ ہونے پائے اور شان و غرور کے لئے نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پیو لیکن دو خصلتوں سے بچو ایک تکبر اور دوسرا اسراف۔ پینے کے آداب تو یہ ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تین گھونٹ میں پیو اور برتن میں سانس نہ لو لیکن اسراف جس سے منع فرمایا گیا ہے وہ کیا ہے۔ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسراف یہ ہے کہ جو جی میں آیا انسان کھالیا کرے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ کھاؤ پیو لیکن زیادہ کھاؤ پیو نہیں کیونکہ یہی اسراف ہے۔ حضرت

عبدالرحمٰن بن زید رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ **لا تسرفوا** کا مطلب یہ ہے کہ کھاؤ لیکن حرام نہ کھاؤ کیونکہ یہ زیادتی ہے۔

حزن و ملال سے پاک لوگ

سب سے آخر میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے جن باتوں پر بنی آدم کو متوجہ کیا ہے وہ یہ ہیں جب میرے رسول آئیں اور میرے احکام بیان کریں تو ان پر عمل کرنے والوں پر خوف و حزن نہ ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ جو اللہ تعالیٰ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امیر کی نافرمانی و حکم عدولی کرے گا وہ حزن و خوف سے بچ نہیں سکتا۔ لہٰذا جو اپنی اصلاح کرے محرمات ترک کر دے۔ اطاعت کے کام کرے اس پر خوف و حزن محیط نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

(۱۷۵) بے شک جن لوگوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے پھر اس پر استقامت اختیار کریں تو ان پر نہ خوف ہو گا نہ حزن ہو گا۔ (سورۃ الاحقاف آیت ۱۳)

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ اس آیت پاک کی تفسیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو رب مان لینا قول ہے۔ اس کا عمل یہ ہے کہ بنی آدم کے پاس جو نہیں اس پر صبر کرے اور جو موجود ہے اس پر شکر کرے اور اس پر استقامت اختیار کرے جس کا یہ حال ہو گا اس پر خوف و حزن نہ ہوگا۔ یہی لوگ چلتے پھرتے جنتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بزرگان دین کے آقا و امیر ہیں۔ جو لوگ ان کی چاہت محبت اور بیعت کے لیے آتے ہیں انہیں استقامت نصیب ہو جاتی ہے۔ پھر حزن و ملال ان کے قریب بھی نہیں آتا۔ میرے شیخ کا فرمان ہے کہ ایماندار کو

حزن و ملال نہیں ہوتا۔ اگر ہو تو ایمان نہیں ہے۔ اور بے ایمان کے لئے قرآن میں نصیحت اور رحمت نہیں ہے۔

حاصل بیان

☆ انسان میں خیر اور غیر دونوں صفات موجود ہیں اگر خیر کی صفت کو نمایاں کیا جائے تو غیر کی صفت معدوم ہونے لگتی ہے اور اگر غیر کی صفت کو فروغ دیا جائے تو خیر کی صفت ماند پڑنے لگتی ہے۔ اب یہ انسان پر ہے کہ وہ کس صفت کو جلا بخشتا ہے۔

☆ حیا میں ایمان ہے۔ ظاہر شرم و حیا کے لئے لباس بدنی اور باطنی کے لئے لباس تقویٰ لازمی ہے۔ اس لباس سے بچنا چاہیے۔ جس سے شوکت نفس کو عروج ملے اور کبر و نخوت بڑھے۔

☆ شیطان کی ہر لحظہ کوشش ہے کہ وہ انسان کو لباس بدنی و باطنی سے بے نیاز کر دے اور اس کیلئے وہ ہزاروں حیلے بہانے کرتا رہتا ہے۔

☆ شیطان نے اللہ عزوجل کی نافرمانی کی تھی لہٰذا راندہ درگاہ ہو گیا۔ نافرمان متکبر ہوتا ہے اس لئے سوچنا چاہیے کہ ہم اپنے اللہ تعالیٰ اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نافرمان تو نہیں ہیں۔

☆ کھانے پینے کے آداب کو ملحوظ رکھنے سے برکت میں اضافہ ہوتا ہے پیٹ بھر کر کھانے سے جسم میں فاسد مادے اور بیماری پیدا ہوتی ہے جس کی غذا کم ہوتی ہے اس کی فکری قوت زیادہ اور دل نرم ہوتا ہے لیکن جس کی غذا زیادہ ہو اس کا دل سخت ہوتا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و اتباع کرنے والوں پر حزن و ملال نہیں ہوتا۔ یہی جنتی ہونے کی نشانی ہے۔ اگر حزن و ملال ہو تو

ایمان نہیں ہے۔

غور کریں کہ ہم میں کونسی صفت سر اٹھا رہی ہے خیر کی یا غیر کی ؟ ہمارے ظاہر اور باطن کے جسم پر اس کی شان کے مطابق لباس ہے یا نہیں ؟ ہم اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرمانبردار ہیں یا نافرمان ؟ روز مرہ کے امور میں شریعت اور کھانے پینے کے آداب کو ملحوظ رکھتے ہیں یا نہیں ؟ اور ہمارے سینے اور قلوب حزن و ملال سے پاک ہیں یا نہیں ...... ؟ دیکھیں !

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر ۸

یَاَیُّھَا النَّبِیُّ

اے نبی ! (صلی اللہ علیہ وآلہ سلم)

"اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کے تحت گزشتہ صفحات میں نبی اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معانی و مطالب اور ان کی مختصر و مجمل تشریح و تفسیر کی گئی ہے۔ یہاں صرف نبی اور نبوت کے بارے میں قدرے وضاحت کی جائے گی

انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص بندے ہیں

انبیاء اللہ کے ان خاص الخاص بندوں کو کہتے ہیں جو حق تعالیٰ کی جانب سے خلق کے پاس ہدایت لے کر آتے ہیں اور حصول کمال کے وہ راستے بتاتے ہیں جو اس زمانہ کے لوگوں کے مناسب حال ہوں۔ مثلاً حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے دور مسعود میں جادو کا بڑا زور شور تھا لہٰذا انہیں معجزے بھی اسی نوع کے عطا ہوئے۔ جو جادو کی نفی کریں اور لوگوں کے سامنے ہدایت کا راستہ وا کریں۔ حضرت عیسیٰ مسیح اللہ علیہ السلام کے عہد پاک میں برص، کوڑھ وغیرہ امراض عام تھے اس لئے آپ علیہ السلام کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو معجزے دیئے وہ ایسے تھے کہ ایسے امراض میں مبتلا لوگوں کو بھلا چنگا کر دیتے۔ اور مردوں کو زندہ فرما دیتے۔

نبی کا قلب عالم بالا کے علوم و معانی کی حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے اور یہ آگاہی اسے بلاکسب و طلب و اجتہاد کے حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ نبوت کی خصوصیت ہی یہ

ہے کہ تمام کمالات انسانیہ و ربانیہ اکتساب و اجتہاد فی التحصیل کے حاصل ہوں۔ سعی و کوشش کو اس راہ میں دخل نہیں اور نبی کے نفس کے لئے نبوت صفت ذاتی ہے اور عطا ہے۔ نبوت حواس کے ادراک سے بالاتر ہے اور مرتبہ نبوت وہ مرتبہ ہے جس کے اوپر کوئی مرتبہ نہیں اور نبی اور اللہ کے درمیان سوائے حجاب حدوث کے کوئی حجاب نہیں۔ معبود حقیقی نے سارے قرآن حکیم میں۔ "اے نبی" کے الفاظ سے تیرہ مقامات پر خطاب فرمایا ہے ■ مقامات یہ ہیں۔

(۱۷۶) اے نبی ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کافی ہے اور وہ مومن جو آپ کی پیروی کر رہے ہیں۔ (سورۃ انفال آیت ۶۴)

(۱۷۷) اے نبی ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایمان والوں کو جہاد کا شوق دلائیں اگر تم میں سے بیس بھی صبر کرنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں گے تو ایک ہزار کفار پر غالب رہیں گے اس لئے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں۔ (سورۃ انفال آیت ۶۵)

(۱۷۸) اے نبی ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے ہاتھ تلے کے قیدیوں سے کہلا دیں کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں نیک نیتی دیکھے گا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے گا۔ اور پھر گناہ بھی معاف فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ غفور، رحیم ہے۔ (سورۃ انفال آیت ۷۰)

(۱۷۹) اے نبی ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کفار اور منافقوں سے جہاد جاری رکھیں اور ان پر سختی کریں ان کی اصل جگہ دوزخ ہے جو بدترین جگہ ہے۔ (سورۃ توبہ آیت ۷۳)

(۱۸۰) اے نبی ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں اور منافقوں کی باتوں میں نہ آئیں اللہ تعالیٰ بڑے علم والا، حکمت والا ہے۔ (سورۃ احزاب آیت ۱)

(۱۸۱) اے نبی ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی ازواج سے فرمادیں کہ اگر تمہاری مراد حیات دنیا اور اس کی زینت ہے تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا دوں اور تمہیں اچھائی کے ساتھ چھوڑ دوں اور اگر تمہاری مراد اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آخرت کا گھر ہے تو یقین مانو کہ تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لئے اجر عظیم ہے۔ (سورۃ احزاب آیت ۲۹-۲۸)

(۱۸۲) اے نبی ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے ہی آپ کو شاہد، مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ۔ (سورۃ احزاب آیت ۴۶-۴۵)

(۱۸۳) اے نبی ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے آپؐ کیلئے آپؐ کی وہ ازواج حلال کر دی ہیں جنہیں آپؐ ان کے مہر دے چکے ہیں اور وہ لونڈیاں بھی جو اللہ تعالیٰ نے غنیمت میں آپؐ کو دی ہیں اور آپؐ کے چچا کی لڑکیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپؐ کی ماموں کی بیٹیاں اور آپؐ کی خالاؤں کی بیٹیاں بھی جنہوں نے آپؐ کے ساتھ ہجرت کی ہے اور وہ باایمان عورت جو اپنا نفس نبیؐ کو ہبہ کر دے۔ یہ اس صورت میں کہ خود نبیؐ بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں۔ یہ خاص طور پر صرف آپؐ کے لئے ہی ہے اور مومنوں کے لئے نہیں ہم اسے بخوبی جانتے ہیں جو ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں احکام مقرر کر رکھے ہیں یہ اس کے لئے کہ آپؐ پر حرج واقع نہ ہو اللہ تعالیٰ غفور، رحیم ہے۔ (سورۃ احزاب آیت ۵۰)

(۱۸۴) اے نبی ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی ازواج، اپنی صاحبزادیوں اور مومنین کی عورتوں سے کہہ دیں کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں اس سے ان کی شناخت ہو جایا کرے گی۔ پھر ستائی نہ جائیں گی۔ اور اللہ تعالیٰ غفور، رحیم ہے۔ (سورۃ احزاب آیت ۵۹)

(۱۸۵) اے نبی ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب مومن عورتیں آپ سے

ان باتوں پر بیعت کرنے کو آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی زنا نہ کریں گی، اپنی اولاد کو نہ قتل کریں گی اور کوئی ایسا بہتان نہ باندھیں گی جو خود اپنے ہاتھوں پیروں کے سامنے گھڑلیں۔ اور کسی امر میں آپ کی بے حکمی نہ کریں گی تو آپ ان سے بیعت کرلیا کریں اور ان کے لئے اللہ سے استغفار کریں بے شک اللہ تعالیٰ غفور، رحیم ہے۔ (سورۃ ممتحنہ آیت ۱۲)

(۱۸۶) اے نبی! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (اپنی امت سے فرما دیں) جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دینا چاہو تو ان کی عدت میں انہیں طلاق دو۔ اور عدت کا حساب رکھو۔ اور اللہ تعالیٰ سے جو تمہارا رب ہے ڈرتے رہو نہ تم انہیں ان کے گھروں سے نکالو اور نہ ▪ خود نکلیں۔ یہ بات اور ہے کہ وہ کھلی برائی کر بیٹھیں۔ یہ ہیں مقررہ حدود اللہ۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی حدود سے آگے بڑھ جائے اس نے یقیناً اپنا ہی برا کیا۔ کوئی نہیں جانتا شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات پیدا کر دے۔ (سورۃ طلاق آیت ۱)

(۱۸۷) اے نبی! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے حلال کر دیا ہے اسے آپ کیوں حرام کرتے ہیں کیا آپ اپنی بیویوں کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ غفور، رحیم ہے۔ (سورۃ تحریم آیت ۱)

(۱۸۸) اے نبی! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کفار اور منافقوں سے جہاد کریں اور ان پر سختی کریں ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو بہت بری جگہ ہے۔ (سورۃ تحریم آیت ۹)

خلاصہ آیات

ان آیات مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اولاً اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان بیان فرمائی ہے کہ وہ شاہد، مبشر اور نذیر ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اللہ عزوجل اور مومنین کافی ہیں۔ ثانیاً" کفار و منافقین سے ہمیشہ جہاد کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے۔ منافقوں کی باتوں پر قطعاً دھیان نہیں دینا چاہئے۔

کیونکہ یہ مار آستین ہیں۔ یہ قابل اعتماد نہیں ہوتے کیونکہ ان کے ظاہر و باطن میں تضاد ہوتا ہے۔ ثالثاً" یہ فرمایا گیا ہے کہ حیات دنیا و زینت کے مقابل خواتین کو اللہ تعالیٰ' اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آخرت کو طلب کرنا چاہیے اور آداب سکھایا جا رہا ہے کہ جب وہ گھروں سے باہر نکلیں تو اس طرح پردہ کر لیا کریں جس سے ان کے اور غیر مسلم عورتوں کے مابین امتیاز ہو سکے اور ربعاً" طلاق کے بارے میں ذکر ہے کہ اگر کبھی اس کی نوبت آجائے تو اس صورت میں کیا کرنا چاہئے

انبیاء علیہم السلام کی حیات طیبہ حکمتوں سے لبریز ہے

تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور ان کی حیات طیبہ میں بنی نوع انسان کے لئے ان گنت بیش بہا حکمتیں اور رشد و ہدایت کے انمول موتی بکھرے پڑے ہیں مثلاً اگر ایک شخص کو اپنی انفرادی زندگی میں ایک نئی بستی بسانی ہے تو اس کے لئے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ' اس دنیا میں تشریف آوری لوگوں کے لئے باعث رہنمائی بھی ہے اور یہ سبق بھی دیتا ہے کہ ہمیشہ حضرت آدم علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی اولاد اپنے کھوئے ہوئے وطن...... جنت...... کو حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن سعی کرتی رہے۔ حق اور توحید کے متلاشیوں کے لئے سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کی پاک زندگی رہنمائی کرتی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ انسان کو اپنی اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیے۔ اسی طرح لوگوں کو زندگی کے ہر پہلو میں پیش آنے والے واقعات کی رہنمائی حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ سے ہوتی ہے۔ اور اگر دشمن کے شہر سے محفوظ نکل کر اپنی دنیا خود بسانی ہو تو حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا واقعہ مدنظر رکھنا چاہئے۔ صحیح العقیدہ مسلمان وہ ہے جو ہر نبی کی تعظیم فرض عین بلکہ تمام فرائض کی اصل سمجھے اور یہ ایمان رکھتا ہو کہ احکام تبلیغیہ میں انبیاء علیہم السلام سے سہو و نسیان محال ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام نے اپنی امت سے فرمایا کہ میری طرح اس عالم کی دینی و دنیوی اصلاح کے لئے بہت سے انبیاء علیہم السلام تشریف لائیں گے۔ ان کی نمایاں خصوصیات یہ ہوں گی۔ کہ وہ ہر ایک بری بات سے بری اور پاک ہوں گے۔ قابل ستائش اور فضائل میں کامل ہوں گے۔ زمین و آسمان کے احوال سے اور ان امور سے کہ جن میں کائنات کے لئے شفا ہے یا مرض' وحی الٰہی کے ذریعے اس طرح واقف ہوں گے کہ کوئی مسائل تشنہ کام نہ رہے گا۔ یہ مستجاب الدعوات ہوں گے۔ اور ان کی تعلیمات کا خلاصہ اصلاح کائنات ہو گا۔

شاہد سے شاہد بنتا ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاہد' مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ شاہد ایک مقام ہے جس کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام کے اس کرہ ارضی پر تشریف لانے سے ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے سے قبل کی جتنی امم ہیں۔ ان کے اعمال پر ان کے انبیاء و رسل علیہم السلام شہادت دیں گے جب کہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل آپ کی امت میں سے بھی صاحب حال بزرگان دین کو شاہد ہونے کا مرتبہ عطا کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(۱۸۹) اسی اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ اس قرآن سے پہلے اور اس میں بھی تاکہ رسول تم پر گواہ ہو جائے اور تم اور تمام لوگوں کے گواہ بن جاؤ پس تمہیں چاہئے کہ نماز قائم کرو' زکوۃ دو اور اللہ کو مضبوط تھام لو۔ وہی تمہارا ولی اور مالک ہے پس کیا ہی اچھا مالک ہے اور کتنا بہتر مددگار ہے۔ (سورۃ حج آیت ۷۸)

ایک اور مقام پر اللہ عزوجل فرماتے ہیں

(۱۹۰) زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی نامہ اعمال حاضر کئے جائیں گے۔ انبیاء (علیہم السلام) اور گواہوں کو لایا جائے گا اور لوگوں کے درمیان حق فیصلے کئے

جائیں گے ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ (سورۃ زمر آیت ۶۹)

جس طرح چراغ سے چراغ روشن ہوتا ہے اسی طرح شاہد سے شاہد بنتا ہے۔ شاہدین کی جماعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چلی آرہی ہے۔ اور قیامت تک جائے گی۔ اور ہر دور میں شاہدین موجود ہوں گے۔ اس لئے جس حال پر یہاں شاہد نہیں وہاں آخرت میں بھی اس کی شفاعت نہیں۔ شفاعت یہ ہے کہ شاہد کہے گا۔ "اے اللہ اس نے میری اتباع کی سعی کی ہے مگر اس سے کمی بیشی ہوئی ہے۔ اور بے علمی سے ہوئی ہے تو معاف فرما دے۔" اللہ تعالیٰ فرما دے گا۔ یہ شفاعت ہے۔ شفاعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی فرمائیں گے۔ شاہد کا مرتبہ اسے ملتا ہے جو رب العزت اور محبوب حق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ جب تک کوئی کسی امتحان میں پاس نہ ہو وہ اپنے نام کے ساتھ ڈگری نہیں لکھ سکتا۔ جب وہ امتحان پاس کر لیتا ہے تو سند دی جاتی ہے گواہ موجود ہوتا ہے اس کے برعکس امتحان میں فیل ہونے والے نے ممکن ہے پاس ہونے والے سے زیادہ کتب کا مطالعہ کیا ہو لیکن وہ اپنے نام کے ساتھ ڈگری نہیں لکھ سکتا کیونکہ سند موجود نہیں۔ یہی اصول اللہ تبارک و تعالیٰ کا ہے جب تک شاہد نہ ہو کوئی عمل قبول ہی نہیں ہے۔

شاہد ایک ایسی برگزیدہ ہستی ہوتا ہے جو اپنے شاہد، اور وہ اپنے شاہد اور وہ اپنے شاہد غرضیکہ اس طرح اس کا تعلق صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوتا ہے اس لئے شاہد کی محبت سے دل آباد ہونا چاہیے۔ اس کا طریق یہ ہے کہ جب قول پاک ہو جائے تو شاہد سے محبت ہو جاتی ہے جب محبت ہو تو اعمال درست ہو جاتے ہیں لیکن جب تک قول پاک نہ ہو اعمال درست نہیں ہو سکتے۔ صاحبزادہ رضا حسین فرماتے ہیں کہ شاہد سے قرب کا منشاء ہی یہ ہوتا ہے کہ **مخلصین** کی جماعت میں شامل ہوا جائے۔ صاحبان حق شاہد بھی ہوتے ہیں اور مشہود بھی ہوتے ہیں اس لئے جب ان سے کسی کو عظمت کا علم حاصل ہو اور اس علم کی بدولت وہ عظیم ہو جائے تو

اس کا اعتراف حقیقی ہے ورنہ غیر حقیقی ہے۔ جس کا اعتراف صرف قول کی حد تک ہو اس کی نظر میں خطا کا ہونا لازم ہے کیونکہ ناقص کا مشاہدہ ہمیشہ ناقص ہوتا ہے۔

شاہد کا ادب ہر جگہ اور ہر مقام پر رکھنا چاہیے۔ شاہد کی موجودگی میں دوسرے سے بات نہیں کرنی چاہیے۔ اگر کوئی بات کرنی ہو تو اجازت لے کر۔ اگر ایسا نہیں کرے گا تو یہ بے ادبی ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گریہ کے عالم میں تھے۔ جب گھر پہنچے تو بچوں کے ساتھ مشغول ہو گئے۔ ان سے کھیلنے اور خوش ہونے لگے خیال آیا کہ وہاں میری حالت اور تھی یہاں اور ہے لہٰذا میں منافق ہو گیا ہوں۔ منافقت بھی تو یہی ہے کہ وہاں کچھ اور یہاں کچھ لہٰذا روتے ہوئے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کے لئے چلے راستے میں سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ ملے۔ رونے کی وجہ دریافت فرمائی۔ انہوں نے اپنا حال بیان کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ میری بھی یہی حالت ہے آؤ مل کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صحابی کی مشکل کا حل جانتے تھے۔ لیکن آپ نے شاہد کی موجودگی میں خود جواب دینا مناسب نہ سمجھا یہ مشکل جو اس صحابی کو درپیش تھی اس کا مختصرا جواب یہ ہے کہ بچوں کے ساتھ رہنا۔ پیار کرنا کسی خواہش سے تو نہ تھا۔ یہ تو حق تھا۔ لہٰذا یہ منافقت نہیں تھی۔ مزید برآں جو منافق ہو وہ تو کبھی نہیں کہتا کہ میں منافق ہو گیا ہوں۔ وہ تو خود کو راستی پر ظاہر کرتا ہے۔

بشارت و انذار

جس طرح شاہد حال پر لوگوں کے اعمال پر گواہ ہوتا ہے اسی طرح بشیر اور نذیر ہوتا ہے مثلاً جب کوئی صاحب حال بزرگ بتاتا ہے کہ یہ کام کرو۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا تو یہ بشارت ہے۔ اور جب وہ یہ کہتا ہے کہ فلاں کام نہ کرو اس سے یہ نقصان

ہو گا تو یہ انذار ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے قبلؐ بھی مرسلین علیہم السلام بشارت و انذار کا فریضہ ادا فرماتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

(۱۹۱) اور ہم نے مرسلین کو صرف اس واسطے بھیجا کرتے ہیں تاکہ وہ بشارت دیں اور ڈرائیں پھر جو شخص ایمان لے آئے اور درستی کر لے اس پر کوئی خوف نہیں اور نہ اس پر حزن ہو گا۔ (سورۃ انعام آیت ۴۸)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بشیر اور نذیر ہونے کا بھی شرف عطا فرمایا ہے۔ بشیر کے لغوی معنی خوش خبری دینے والا اور نذیر کا مطلب ڈر سنانے والا ہے۔ بشیر اور نذیر کے لئے لازمی ہے کہ اس نے بہشت کو۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے والوں کے رہنے کی جگہ۔۔۔۔ اور دوزخ کو۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غصہ کو مول لینے والوں کے رہنے کے مسکن کا مشاہدہ کیا ہو۔ خواجہ عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب معراج پر تشریف لے گئے اپنے محب سے راز و نیاز کے لئے بلائے گئے تو جنت' کوثر' سلسبیل' عجائبات' سدرۃ المنتھی غرضیکہ تمام عالمیان بالا کا مشاہدہ و سیر کروائی گئی تاکہ صالح اعمال افراد' عاشقان رسولؐ اور خدائے بزرگ و برتر کی رضا و خوشنودگی کے لئے غیر اللہ سے منہ موڑنے والوں کو اخروی دائمی راحتوں' انعام و اکرام اور عیش و آرام کے بارے میں بتا کر ان کی آتش شوق کو بھڑکایا جائے اور ناپسندیدہ اعمال مثلاً زنا' شرک کفر' منافقت' قتل ناواجب' جھوٹی گواہی' عیب' تکبر' بہتان' سودخوری' خمر' جواء' چغل خوری' برسراقتدار افراد کی خوشامد و چاپلوسی' نماز میں کوتاہی' خیانت' والدین کی نافرمانی' مخالفت رسولؐ وغیرہ کے بدلے ملنے والے دوزخ کے عذابوں' ہولناکیوں اور سختیوں سے ڈرایا جائے تاکہ غیر سے خیر کی طرف' ظلمت سے نور کی طرف اور شیطان سے رحمٰن کی طرف اپنا رخ پھیر لیں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دوزخ کے ساتوں طبقات جہنم' سعیر' حطمہ' لظی' سقر' جحیم اور ھاویہ کا مشاہدہ کروایا گیا اور بتایا گیا کہ ہر طبقے میں کس قسم کے لوگ ڈالے جائیں گے۔

خالق کل اور مومنین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محب ہیں

اللہ تعالیٰ اپنے نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ' احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محب ہے اور مومنین بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاشق و شیدا ہیں۔ لہٰذا فرمایا گیا ہے کہ یہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کافی ہیں۔ صاحبزادہ رضا حسین محب کی پہچان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جس کو محبت ہو وہ متحرک ہوگا اور جس کو محبت نہ ہو وہ ساکن ہو گا' محبت ہی اعمال کی جان ہے۔ مومن کی سب سے بڑی عظمت و شان یہ ہے کہ کیسے بھی حالات و واقعات کیوں نہ ہوں وہ ہمیشہ خود بھی اور دوسرے بھی اس سے امن میں رہتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جب ان میں سے کوئی دستار علم اپنے سر پر باندھتا ہے تو ان کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ وارث نبیؐ ہے۔ جب کوئی تیغ بکف ہو کر راہ خدا میں میدان جہاد میں اترتا ہے تو مجاہد' غازی اور شہید کے لقب سے ملقب ہوتا ہے جب کوئی ارشاد کے مسند پر جلوہ فگن ہوتا ہے تو قطب غوث' ابدال کا مرتبہ پاتا ہے اور جب کوئی عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلعت فاخرہ زیب تن کرتا ہے تو حضرت اویس قرنی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ بن جاتا ہے۔ مومنین کی جماعت نہایت خوبصورت' دیدہ زیب اور انمول موتیوں کی لڑی کی مانند ہے جس کا ایک سرا تو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طیب قدموں کے نیچے ہے اور دوسرا سرا حوران بہشت کے خوبصورت نورانی ہاتھوں میں ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے پاک وجود سے اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی ای صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و اتباع' عشق و محبت' رضا و خوشنودی اور حقیقت و معرفت کی راہیں روشن' منور' بقعہ نور اور مشکبار ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی لازوال خوشبوں میں لپٹے ہوئے ہیں۔ یہ دنیا میں رہ کر بھی دنیا سے بے نیاز رہتے ہیں۔ حضرت

مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ہر کہ آخر بین بود او مومن ست
ہر کہ آخر بین بود او بیدن ست

ترجمہ : جو آخرت کو دیکھے وہ مومن ہے جو چراگاہ پر نظر رکھے وہ بے دین ہے۔

اسی لئے اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرے لئے میں اور مومنین کافی ہیں۔ ان کے برعکس کفار اور منافقین اس قابل نہیں ہیں کہ ان کی کسی بات کو درخور اعتنا سمجھا جائے۔ ان کی کسی بات کو قبولیت کے ارادے سے نہ سنا جائے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کی پرواہ نہیں کرتے ان کی بات بھلا اس قابل کہاں ہے کہ اسے اہمیت و وقعت دی جائے۔ وہ مسلمانوں کے کب بہی خواہ ہو سکتے ہیں۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

(۱۹۲) کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مان اور جو ایذا ان کی طرف سے پہنچے اس کا خیال بھی نہ کر۔ اللہ تعالیٰ پر توکل کر اللہ تعالیٰ کام بنانے والا کافی ہے۔ (سورۃ احزاب آیت ۴۸)

اللہ تعالیٰ نے کافر کا کہا نہ ماننے کی جو تلقین اور حکم فرمایا ہے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

(۱۹۳) کافر لوگ جھوٹی باتوں کی سند بنا کر جھگڑے کر کے چاہتے ہیں کہ اس سے حق کو لڑکھڑا دیں وہ میری آیتوں اور جس چیز سے ڈرایا جائے اسے مذاق میں اڑاتے ہیں۔ (سورۃ کہف آیت ۵۶)

یہ لوگ کھلے دشمن ہیں۔ ان کی اللہ تعالیٰ حب نہیں رکھتا۔ ”**انہ لا یحب الکفرین**“ ○ (سورۃ روم آیت ۴۸)

گھٹیا و اسفل لوگ

وہ لوگ جو منافق ہیں ان کی باتوں پر کان دھرنے، انہیں ماننے اور اہمیت دینے سے منع فرمایا گیا ہے۔ یہ ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی مثبت کا ساتھ دیتے ہیں اور کبھی منفی کی طرفداری کرتے ہیں۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ نے ان کی سب سے بڑی دو نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔ منافق کی پہلی نشانی یہ ہے کہ اس کے قول کی بنیاد نفرت ہوتی ہے۔ مثلاً غریبوں کو یہ کہنا کہ تمہارا استیصال ہو رہا ہے اور خود ان کی مدد نہ کرنا ان کو سنانا کہ ہم نے تمہیں زبان عطا کی ہے اور انہیں دکھ کے بیان میں ہی لگائے رکھنا اور علاج سے مجرمانہ غفلت برتنا۔ اس سے منافرت پھیلی ہے اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ امراء سے مال چھین کر غرباء کو دے دینا چاہئے لیکن اپنا مال ان پر خرچ نہیں کرتے۔ ان کے برعکس مومنین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کو اس کی رضا پر لگانے سے ہی صداقت کا ثبوت ملتا ہے۔ پہلا منفی رخ ہے دوسرا مثبت رخ ہے۔ مومنین کی تو یہ شان ہے کہ وہ مومن خریداروں سے کھانے پینے کی اشیاء پر ان سے منافع نہیں لیتے تھے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہمارا مال سب مومنین کا ہے اور دوسروں سے منڈی کے بھاؤ قیمت وصول کرتے تھے۔ منافق کی دوسری نشانی یہ ہے کہ اس کی ہر بات اور ہر عمل شوکت نفس کے لئے ہوتا ہے مثلاً وہ عام حالات سے گفتگو کا آغاز کرتا ہے اور حکومت تک پہنچ جاتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ ساری مسلمان قوم ذلیل ہے اور ایسی ہے ویسی ہے۔ سننے والے کہتے ہیں کیا بات کہی ہے ؟ وہ اس دعوے میں جھوٹا ہے وہ ساری قوم سے نہیں ملا اور نہ ہی اسے یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن تر و تازہ سبزی کی مانند ہے جس کا سب کچھ بن سکتا ہے کافر کچی سبزی کی مانند ہے اس کا بھی کچھ نہ کچھ بن سکتا ہے۔ لیکن منافق سڑی ہوئی سبزی کی مثل ہے اس کا کچھ نہیں بن سکتا یہ صرف پھینکنے کے ہی کام آتی ہے کافر علی الاعلان خدا کی وحدانیت اور نبوت و رسالت کا انکار کرتا ہے لیکن منافق مار آستین ہوتا ہے یہ مان کر نہیں مانتا اس کا انداز گفتگو اور بعض اعمال مومنین سے ملتے جلتے ہیں لیکن صراط

مستقیم سے بہت دور خارزاروں میں بھٹک رہا ہوتا ہے اور گمراہ ہوتا ہے یہ سب سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے کیونکہ اس نے ایک چہرے پر کئی چہرے سجا رکھے ہوتے ہیں۔ یہ موروں میں مور' کووں میں کوا اور گدھوں میں گدھ بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کبھی مانتا ہے کبھی نہیں مانتا کی حقیقت

کفار و منافقین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں مشہور کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ بھی کبھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات مانتا ہے اور کبھی نہیں ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ مسلمانوں کو کسی طرح راہ راست سے ورغلا سکیں۔ ان داعیان باطل کی بات میں قطعاً کوئی صداقت نہیں ہے۔ یہ عام اصول ہے کہ اگر کوئی آپ کے دوست کا دشمن ہو تو آپ اسے معاف نہیں کرتے اگرچہ کہ آپ کا دوست بھی معاف کرنے کو کہے۔ اسی طرح جو لوگ خدائے علیم و خبیر کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بات کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے خلاف بات کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ لوگ تیرے مخالف و دشمن ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشے گا۔ اللہ تعالیٰ سے بڑا کوئی دوست نواز ہو ہی نہیں سکتا۔

جو شخص حق سے دور ہو' اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کی پرواہ نہ کرے کیسے باشد معاشرے میں اس کا کیسا مقام اور حیثیت ہو اس کی بات قابل سماعت نہیں۔ اور ان لوگوں کی بات کو ماننا اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سے زیادہ اہمیت دینے کے مترادف ہے۔ یہ دشمنان خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی فطرت و طبع سے مجبور مسلمانوں کے درپے آزار ہیں۔ ان کی ریشہ دوانیوں اور فتنہ سامانیوں سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت

نہیں اور نہ ہی راہ راست سے کنارہ کشی اختیار کرنی چاہئے۔ بعض کوتاہ فہم اور ناعاقبت اندیش اللہ کے نبی سے یہ بات منسوب کرتے ہوئے قطعاً شرم محسوس نہیں کرتے کہ نعوذ باللہ وہ بھی غیر اللہ سے خوف کھاتے تھے۔ ایں خیال است و محال است و جنوں مثلاً سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ اس وقت ڈرے جب مکرم مہمانوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ محبوب کی طرف سے جب کوئی آتا ہے تو محب پر خود طاری ہو جاتا ہے۔ وہ صرف اس لئے کہ کہیں حق ادا کرنے میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں فرعون کی طرف بھیجا تو انہوں نے عرض کی کہ کہیں فرعون مجھے نقصان نہ پہنچائے۔ مجھے خوف ہے اور میں نے بنی اسرائیل کا ایک آدمی بھی مارا ہے۔ وہ خوف فرعون کا نہیں تھا بلکہ یہ تھا کہ محبوب نے جو کام سونپا ہے اس کی اُحسن ادائیگی میں کمی نہ رہ جائے اس لئے حضرت ہارون علیہ السلام کی مدد چاہی۔ یہ خوف غیر اللہ کا خوف نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہی خوف تھا۔ غیر اللہ سے ڈرنا اور خوف کھانا تو ایک مومن کی بھی شان نہیں ہے۔ چہ جائیکہ اللہ کا نبی جس کی اتباع سے مومن بنتے ہیں وہ خوف زدہ ہو۔ حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر زادہ اور ان کے پیرو تھے مگر شرف نبوت سے بھی سرفراز ہو چکے تھے۔ سدوم اور عامورہ میں آپ علیہ السلام نے تبلیغ حق فرمائی۔ قوم لوط نے آپ علیہ السلام کی ایذا رسانیوں میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ لیکن ہمہ وقت کے مصائب اور وطن سے دور دشمنوں کے نرغہ کی تکالیف کے باوجود انہوں نے صبر و استقامت سے کام لیا اور ایک لمحے کے لئے بھی لوگوں کا خوف یا ڈر ان کے دل میں نہیں آیا۔ اور نہ ہی اپنے بزرگ چچا اور خاندان کی مدد طلب کی۔ انہوں نے صرف خدائے عزوجل پر بھروسہ رکھتے ہوئے اس کے احکام کے سامنے رضا و تسلیم کا ثبوت دیا اور یہ مقام مقربین و انبیاء علیہم السلام کا ہے۔

جہاد، مجاہد اور شہید

کفار و منافقین کی اللہ تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی کے پیش نظر حکم فرمایا گیا ہے کہ مومنین کو ان کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تیار کریں تاکہ اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمان ان کی ایذا رسانیوں سے محفوظ و مامون رہیں۔ چنانچہ حق و باطل کا سب سے پہلا معرکہ میدان بدر میں ہوا جہاں باطل کو عبرتناک شکست ہوئی۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومنین کو جہاد کی فیوض و برکات۔ مجاہدین اسلام کا مقام و مرتبہ اور شہداء کے مراتب و فضیلت کے بارے میں تعلیم فرمائی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا ہو اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوب پہچانتا ہے۔ اس کی مثال اس کی سی ہے جو روزانہ روزہ رکھتا ہو اور تمام رات نماز پڑھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والے کے لئے اس بات کی ذمہ داری لی ہے کہ اس کو موت دے گا تو اسے جنت میں داخل کر دے گا یا غازی بنا کر اسے ثواب اور مال غنیمت کے ساتھ زندہ لوٹائے گا۔

مجاہد صرف وہی ہے جو شاہد کے امر کے مطابق خدمت سرانجام دے۔ وہ میدان جہاد میں ہو یا اس کے باہر ہو۔ ایسے شخص کی ایک نماز پانچ سو نمازوں کے برابر ہے۔ اس کا ایک درہم خرچ کرنا سات سو درہم سے بڑھ کر ہے اور اگر وفات پائے گا تو ہر روز اتنا ہی ثواب اس کے نامہ اعمال میں درج ہوگا اور رزق بدستور ملتا رہے گا۔ فتنہ قبر سے محفوظ رہے گا۔ قیامت کے دن شہید اٹھایا جائے گا اور فزع اکبر سے مامون رہے گا۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو جذبہ جہاد و شہادت کے ان گنت محیر العقول واقعات سامنے آتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ علیہم اجمعین کے ساتھ مشرکین سے پہلے ہی بدر میں پہنچ گئے تھے جب مشرکین آئے تو محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مسلمانو ! اب ایسی جنت کے لئے تیار ہو جاؤ جس کی وسعت ساتوں آسمان و زمین کے برابر ہے۔

حضرت عمیر بن حمام انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! اتنی بڑی جنت“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”ہاں“ حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”واہ واہ“۔ شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ تم نے واہ واہ کس لئے کی۔ عرض کیا۔ ”اللہ کی قسم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! اور کوئی بات نہیں بجز اس کے کہ مجھے امید ہے کہ میں بھی اہل جنت سے ہو جاؤں۔“ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ”تم اہل جنت سے ہو۔“ حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے تھیلے سے چند کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے۔ معاً“ کہنے لگے اگر میں اپنے ان کھجوروں کے کھانے تک زندہ رہا تو یہ بڑی طویل زندگی ہو جائے گی۔ چنانچہ ان کے پاس جتنی کھجوریں تھیں سب پھینک دیں اور کفار پر جھپٹ پڑے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

شہید اللہ تعالیٰ کی معیت میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حی و قیوم ہے لہٰذا شہید بھی زندہ ہوتا ہے شہید جس حالت میں ہو وہ سارا کا سارا قبول ہوتا ہے۔

جہاد دو قسم کا ہوتا ہے ایک وقتی اور دوسرا دائمی۔ وقتی جہاد دشمنان اسلام کے خلاف کیا جاتا ہے یہ کبھی کبھی ہوتا ہے۔ دائمی جہاد وہ ہے جو انسان اپنی ذات کے خلاف کرتا ہے یہ سدا جاری رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاد دائمی جہاد اکبر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چار تلواروں کے ساتھ مبعوث فرمایا تھا۔ بہ الفاظ دیگر چار قسم کے لوگ ہیں جن کے خلاف جہاد کرنا چاہیے۔ اول مشرکین، دوئم کفار، سوئم منافق اور چہارم باغی۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ منافق جب اپنا نفاق ظاہر کرنے لگیں تو ان سے تلوار سے جہاد کرنا چاہیے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ اگر ہاتھ سے نہ ہو سکے تو ان کے منہ پر ڈانٹ ڈپٹ سے کرنا چاہیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار سے تو تلوار کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اور منافقوں کے

ساتھ زبانی جہاد کو فرمایا ہے اور یہ کہ ان پر نرمی نہ کی جائے۔ ان پر حد شرعی جاری کرنا بھی ان سے جہاد کرنا ہے مقصود یہ ہے کہ کبھی تلوار بھی ان کے خلاف اٹھانی پڑے گی ورنہ جب تک کام چلے زبان کافی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! "مشرکین سے مال جان اور زبان سے جہاد کرو۔"

جہاد بالسیف ہو یا جہاد باللسان۔ یہ دونوں خارجی ماحول کی غلاظتوں' نفرتوں' افتراق و فتنہ' منافقت و کفر' شر اور شرارت کے خلاف کیا جاتا ہے لیکن وہ جہاد جو اپنی ذات کے خلاف داخلی محاذ پر کیا جاتا ہے اور تاحیات کیا جاتا ہے یہ تزکیہ نفس۔ اصلاح ذات اور درستگی احوال کے لئے لازمی و لابدی ہے تاکہ کوئی دشمن دین مسلمانوں کے ایمانوں' محبتوں' عقائد اور اقدار کے شیش محلوں میں نقب نہ لگائے اگر ہر دو متذکرہ محاذوں پر جہاد کو روک دیا جائے تو معاشرہ میں ان گنت فواحش' ذلتیں' جرائم' نفرتیں اور ظلمتیں جنم لے لیتی ہیں جو ہر لحظہ اور ہر آن لوگوں کو پستیوں اور اندھے مہیب غاروں کے اندر دھکیلتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا تازیانہ ان پر برسنے لگتا ہے اور وہ نفسا نفسی' حزن و ملال' حقارت اور لادینیت کا شکار ہو کر انسانیت کے مقام سے گر کر حیوانیت کے مقام پر آجاتے ہیں۔ اور اپنی دنیا و آخرت کی زندگی میں آگ' انگارے اور زہریلا دھواں بھر لیتے ہیں۔

ذات اور ماحول کا آپس میں بڑا گہرا ناطہ ہے اور اگر ذات مثبت افکار و کردار کی حامل اور تضاد و اختلاف سے پاک ہے تو وہ ماحول پر چھا جاتی ہے اور اس کے اندر سے ایک ایک کر کے برائیاں اکھڑ کر باہر پھینکنے لگتی ہے چونکہ ذات کی کوکھ سے ماحول جنم لیتا ہے اس لئے مومنین کی ذات سے پاکیزہ اور صالح ماحول بن جاتا ہے اور کفار و منافقین کی ذات سے غلیظ اور ناپاک ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ذات اور ماحول ایک دوسرے پر اثرانداز ہونے کی ہمہ وقت کوشش کرتے رہتے ہیں اس لئے جس قدر ذات پاکیزہ اور ماحول صالح ہوگا اسی قدر وہ گمراہ ذات اور متعفن ماحول کے

اثرات سے محفوظ رہے گی۔ اس لئے پاک لوگوں اور ماحول کو معرض وجود میں لانے کے لئے عورت ایک ایسی ہستی ہے جو نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے چونکہ بچے کی اولین درسگاہ ماں کی گود اور وہ گھریلو ماحول ہے جسے عورت اور مرد نے باہمی کاوشوں سے پیدا کیا ہوتا ہے اس لئے اس کے اثرات اس کی ساری زندگی پر محیط ہوتے ہیں۔ اور اس کا مستقبل کسی نہ کسی حد تک انہیں کے گرد گھومتا رہتا ہے اس لئے عورت شروع سے ہی بچے کے اندر خدا خوفی محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت۔ دین سے لگاؤ' اسلامی اقدار سے عملی تعلق اور پاکیزگی افکار و کردار پیدا کر سکتی ہے بشرطیکہ وہ خود ان اوصاف حمیدہ سے متصف ہو۔ لہٰذا جب عورتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوتی تھیں تو ان سے ایسی باتوں پر بیعت لی جاتی تھی جس سے ان کے افکار و کردار کی اصلاح و درستگی ہوتی تھی۔ اور داخلی محاذ پر جہاد اکبر کی راہیں کشادہ ہوتی تھیں۔

بیعت کی حقیقت و مقام

بیعت کا لغوی مطلب ہے عہد کرنا' کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کرنا۔ سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع ہے اور بالواسطہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت ہے یہ سلسلہ بیعت قیامت تک جاری رہے گا۔ بیعت کے بغیر وہ شخص خلوت کا ساتھی ہوتا ہے بیعت کے بعد جلوت کا بھی ساتھی ہو جاتا ہے لیکن بیعت دنیا کے لئے نہیں دین کے لئے کرنی چاہیے۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیعت کی حقیقت شہادت ہے۔

شاہد کا مقام جاری ہے اور جاری رہے گا۔ جلوت موجود ہو تو اتباع کی بدولت مرکزیت قائم رہتی ہے۔ تزکیہ حاصل ہونے کی بھی صورت یہی ہے۔ اور فلاح دارین بھی اسی طرح ممکن ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! "تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن گفتگو نہ فرمائے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ایک وہ شخص جس کے پاس راستے میں ضرورت سے زائد پانی ہو اور مسافروں کو نہ دے' دوسرے وہ شخص جس نے امام سے صرف دنیا کی خاطر بیعت کی۔ اگر امام اس کو اس کے مقصد کے مطابق دیتا ہے تو بیعت کو پورا کرتا ہے۔ ورنہ پورا نہیں کرتا۔ تیسرے وہ جو عصر کے بعد کوئی سامان اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر بیچے کہ اتنی قیمت مجھے مل رہی تھی۔ خریدار نے اسے سچ سمجھ کر لے لیا حالانکہ اس کی اتنی قیمت نہیں مل رہی تھی۔"

بیعت کے چار مقامات ہیں۔ قول سے' اعمال سے' علم سے اور اخلاص سے۔ قول سے اقرار ہوتا ہے مرید کا اپنا قول شاہد حق کے قول پر نثار ہو جاتا ہے۔ پھر اس کا قول شاہد کا قول ہوتا ہے۔ یہ بیعت کا پہلا مقام ہے۔ جب اقرار کی وفا ہوتی ہے اور قول کی صداقت کی سند عمل سے پیش کی جاتی ہے تو مرید کے اعمال شاہد حق کے حال سے منور ہو جاتے ہیں۔ وہ صراط مستقیم پر قائم ہو جاتا ہے یہ بیعت کا دوسرا مقام ہے۔ جس صاحب کا عمل دربار خداوندی میں سچا ثابت ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو علم کی آنکھ عطا فرما دیتا ہے۔ اس کو ہر مقام پر خیر اور غیر کے مابین وقف کا علم ہو جاتا ہے یہ برہان ہے۔ اور بیعت کا تیسرا مقام ہے۔ قول' عمل اور علم یہ تین درجات ہیں اور اخلاص انعام ہے۔ جب کوئی صاحب ان تینوں مقامات پر پورا رہتا ہے تو اسے مخلص ہونے کا انعام ملتا ہے۔ مخلص پر شیطان کا اغوا ممکن نہیں۔ یہ بیعت کا چوتھا مقام ہے۔

وہ امور جس پر عورتوں سے بیعت لی جاتی ہے

محبوب رب ودود صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں اکثر عورتیں بیعت کے لئے حاضر ہوا کرتی تھیں۔ زوجہ رسول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ خدا کی قسم بیعت لیتے وقت کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ

وسلم کا ہاتھ مبارک کسی عورت کے ہاتھ سے مس نہیں ہوا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے بیعت لیتے تھے فرما دیتے کہ میں نے تم سے بیعت لے لی۔ بعض اوقات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد فرمانے پر کوئی اور صاحب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بیعت لے لیا کرتے تھے۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصاری خواتین کو ایک مکان میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے پاس بھیجا۔ انہوں نے دروازے پر کھڑے ہو کر خواتین کو سلام کیا۔ خواتین نے سلام کا جواب دیا۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام رساں ہوں۔ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ خواتین نے کہا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بھی مرحبا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد کے لئے بھی مرحبا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "تم اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' چوری نہ کرو' زنا نہ کرو' اپنی اولاد کو قتل نہ کرو' ایسی بہتان بازی مت کرو کہ غیر کی اولاد کو اس طرح کی اپنی اولاد بناؤ کہ تمہارے ہی ہاتھوں اور پیروں کے درمیان اس کی پیدائش ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی نہ کرو۔" خواتین نے کہا "ہم سب نے یہ باتیں منظور کیں۔" اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "اے اللہ تعالیٰ ! تو گواہ ہو جا"۔

فرمان الٰہی کے مطابق جن باتوں پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواتین سے بیعت لیا کرتے تھے اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو ان کا ارتکاب ماحول کو بگاڑنے اور ذاتی افعال و کردار کی پستی و انحطاط کا باعث ہے اور اس میں سے ہر ایک گناہ کی ڈور بے شمار گناہوں کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔ بیعت لیتے وقت جس بات کو اولیت دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ سمجھا جائے۔ یہ دعویٰ ایمان کی بنیاد

ہے۔ شرک کیا ہے ؟ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء انسان کے لئے پیدا کی ہیں بالفاظ دیگر انسان مطلوب ہے اور اشیاء طالب اگر مطلوب طالب اور طالب مطلوب بن جائے تو یہ شرک ہے۔ شرک دو طرح کا ہے اول شرک خفی یہ ہے کہ انسان طالب بن جائے اور اشیاء مطلوب۔ اس سے دین اور دنیا دونوں کا نقصان ہو جاتا ہے دوئم شرک جلی وہ ہے جیسے ہندو' یہودی' عیسائی اور منکرین حق کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیاوی لحاظ سے منکرین حق مسلمانوں سے بہتر نظر آتے ہیں۔ لیکن صرف ان مسلمانوں سے جو شرک خفی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو وحدہ لا شریک ماننے کے معنی ہیں اس کو قادر مطلق ماننا اور اس کی قدر کرنا جیسے اس کی قدر کا حق ہے یہی صورت امن کی ہے کیونکہ اسی صورت میں خوف خداوندی ہوتا ہے باقی سب صورتیں فساد کی ہیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! کون سا گناہ سب سے بڑا ہے ؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ کہ تو کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے۔

دوسری جس بات پر بیعت لی جاتی تھی وہ چوری نہ کرنا تھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ چور پر لعنت کرتا ہے۔ ایک اور حدیث پاک میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زنا کرنے والا زنا نہیں کرتا اس حال میں کہ وہ مومن ہو اور کوئی شخص چوری نہیں کرتا اس حال میں کہ وہ مومن ہو۔ اور شراب نہیں پیتا اس حال میں کہ مومن ہو اور توبہ اس کے بعد کھلی ہوئی ہے۔ حضرت فاطمہ بنت عتبہ بن ربیعہ کی روایت ہے کہ ان کی بہن حضرت ہند بنت عتبہ کو حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیعت کرانے کے ارادہ سے لے کر حاضر ہوئے۔ حضرت ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میں چوری کے ترک پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت نہیں کر سکتی اور ساری باتیں منظور ہیں اس لئے کہ میں اپنے شوہر کے مال سے کچھ چرا لیا کرتی ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک سمیٹ لیا اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوایا اور حضرت ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے مال میں سے لے لینے کی اجازت دے دینے کو فرمایا۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کھانے پینے کی چیز کا کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن خشک چیزوں مثلاً سونا' چاندی اور اناج وغیرہ کی اجازت نہیں۔ حضرت ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ ہم نے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کر لی۔

تیسری بات جس پر بیعت کی جاتی تھی' وہ زنا کے قریب نہ جانا تھا۔ اس کے بارے میں فرمان ربی ہے **ولا تقربوا الزنی انہ فاحشۃ ط وساء سبیلا ○** (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۳۲) یعنی زنا کے قریب نہ جاؤ۔ کہ یہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔ اس فعل قبیح کے بارے میں متعدد احادیث ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو عورت کسی قوم میں زنا اور اس سے اولاد کو داخل کرے اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حصہ نہیں ملے گا اور اسے جنت میں داخل نہ کرے گا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس قوم میں زنا ظاہر ہو گا وہ قحط میں گرفتار ہو گی۔ اور جس قوم میں رشوت کا ظہور ہو گا وہ رعب میں گرفتار ہو گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس بستی میں زنا اور سود ظاہر ہو جائے تو انہوں نے اپنے عذاب کو حلال کر لیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ علم اٹھا لیا جائے گا' جہالت پھیل جائے گی' شراب کو پیا جائے گا' زنا کی کثرت ہو گی مرد کم ہو جائیں گے اور عورتوں کی زیادتی ہو

جائے گی۔ یہاں تک کہ پچاس عورتوں پر ایک مرد نگران ہو گا زنا سے جو برائیاں معاشرے میں جنم لیتی ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں لہٰذا ان کی روک تھام اور قلع قمع کے لئے اس گناہ کی سزا بھی شدید رکھی ہے۔ جو شادی شدہ زانی ہو اسے سنگسار کرنے کا حکم ہے۔ اور جو شادی شدہ نہ ہو اسے سو کوڑے مارنے اور ایک سال کے لئے شہر بدر کرنے کا حکم ہے۔ حضرت ابو ہریرہ و حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دو شخصوں کو پیش کیا گیا ایک نے کہا ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق فیصلہ فرمایا دیجئے۔ دوسرے نے بھی کہا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کیجئے۔ اور مجھے عرض کرنے کی اجازت دیجئے۔ ارشاد فرمایا عرض کرو۔ اس نے کہا میرا لڑکا اس کے یہاں مزدور تھا۔ اس نے اس کی عورت سے زنا کیا۔ لوگوں نے مجھے بتایا کہ میرے لڑکے پر رجم ہے میں نے سو بکریاں اور ایک کنیز اپنے لڑکے کے فدیہ میں دی۔ پھر جب میں نے اہل علم سے سوال کیا تو انہوں نے خبر دی کہ میرے لڑکے پر سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لئے جلا وطن کیا جائے گا۔ اور اس کی عورت پر رجم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "قسم ہے اس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تم دونوں میں کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ بکریاں اور کنیز واپس کی جائیں۔ اور تیرے لڑکے کو سو کوڑے مارے جائیں گے۔ اور ایک سال تک کے لئے شہر بدر کیا جائے گا۔ اس کے بعد حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔ "اے انس! (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) صبح کو تم اس کی عورت کے پاس جاؤ۔ وہ اقرار کرے تو رجم کر دو۔ عورت نے اقرار کیا اور اس کو رجم کیا گیا لیکن اگر کوئی عورت زنا پر مجبور کی گئی ہو اور اس میں اس کی نیت شامل نہ ہو تو اس پر حد نہیں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جس نے ان کو مجبور کیا تو اللہ تعالیٰ ان کے جبر کئے جانے کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔ ایسی عورت جس سے زنا بالجبر ہوا ہو وہ ایسی ہی پاک ہے جیسی اس جبر و زیادتی سے پہلے تھی۔ زنا ایسی بری چیز ہے کہ

اس سے اخلاق و معاشرہ کے بلند و بالا ایوانوں کی جڑیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔ لیکن جو شخص اس فعل بد سے بچتا ہے اس کے لئے جنت کی بہاریں چشم براہ ہیں۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اس چیز کا جو جبڑوں کے درمیان ہے (زبان) اور اس چیز کا جو دونوں پاؤں کے درمیان ہے (شرمگاہ) ضامن ہو (کہ ان سے خلاف شرع بات نہ کرے) میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں"۔

چوتھی بات جس پر عورتوں سے بیعت لی جاتی تھی وہ اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا تھا۔ کسی بے گناہ کو قتل کرنا سب سے بڑا جرم ہے۔ اس زمانے میں متکبرین اپنی بچیوں کو قتل کر دیتے تھے تاکہ کوئی ان کا داماد نہ کہلائے۔ قتل کرنے کے کئی طریقے ہیں لیکن عربوں میں جو رائج تھا وہ سب سے بدتر و اذیت ناک تھا۔ وہ اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ کہ نہ جوان ہوں اور نہ شادی کے بعد مسائل کی ذلت اٹھانی پڑے۔ دارمی میں رقم ہے کہ ایک صحابی اپنے ایام جاہلیت کا ایک واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یوں بیان فرماتے ہیں "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! میں سفر میں تھا کہ میرے گھر ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ ماں کی مامتا نے اس کی پرورش کی اور جب وہ کچھ چلنے پھرنے لگی تو میں گھر واپس آیا میں نے اس بچی کو اپنے سے مانوس کر لیا۔ اور اس کی ماں میرے مشفقانہ برتاؤ سے مطمئن ہو گئی تو میں ایک دن اسے اپنے گھر سے باہر دور ایک ویرانے میں لے گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک اندھے کنویں میں ڈال دیا۔ بچی ابا ابا کہہ کر فریاد کرتی رہی اور میں اس پر رحم کھانے کی بجائے اس پر اینٹ، پتھر اور مٹی ڈالتا رہا۔ حتیٰ کہ اس کی ابا ابا کہہ کر رونے اور فریاد کرنے کی آواز بند ہو گئی۔ رحمتہ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ واقعہ سنا تو روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔ اور ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ حضرت عزہ بنت خائل رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں بیعت ہونے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو دیگر باتوں کے علاوہ

اس پر بھی عہد لیا کہ میں ظاہراً یا پوشیدہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کروں گی۔ حضرت عزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ ظاہراً قتل تو میری سمجھ میں آ گیا لیکن پوشیدہ قتل کا مطلب میں نہیں سمجھی اور نہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بتلایا۔ لیکن میرے جی میں اس کا مطلب اس طرح آیا کہ اولاد کو کسی طرح پر خراب نہ کرو۔ ہر طرح اس کی پرورش کے معاملہ میں خاصی نگہداشت رکھو اور خدا کی قسم کبھی بھی بچہ کو ضائع نہ ہونے دوں۔

اسلام دین آسان میں ہے کہ قتل اولاد کے کئی طریقے ہیں مثلاً گلا گھونٹ دیا جائے' زہر پلا دیا جائے' ذبح کر دیا جائے' ڈبو دیا جائے' دودھ نہ دیا جائے' زور سے پٹخ دیا جائے یا ٹکرا دیا جائے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آج بھی ہم لوگ کسی نہ کسی طرح قتل اولاد کے مرتکب ہو رہے ہیں یا نہیں ؟ جس طرح جذبہ بت پرستی نے اب پتھر کی مورتیوں کی بجائے وطنیت' نسلیت وغیرہ کا روپ دھار لیا ہے۔ اور ان تازہ خداؤں میں وطن سب سے بڑا ہے اسی طرح اب قتل اولاد نے بھی گلا گھونٹنے یا زندہ درگور کرنے کی ایک دوسری شکل اختیار کر لی ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنی اولاد اناث کو علوم و فنون سے محروم اور جاہل رکھنا۔ تعمیر زندگی میں انہیں مکھن کے بال کی طرح الگ نکال پھینکنا انہیں صرف تولید کے لئے وقف رکھنا اور علمی' فنی اور ذہنی غرض تمام حیاتی ترقیوں سے بے بہرہ کر کے بے جاں اور بے حس بنا دینا اور ان کی سطح کی بلندی میں غلط اور جامد تصورات کو حائل کر دینا یہ ہے قتل اولاد کا وہ نیا طریقہ جو بے علمی سے اختیار کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اولاد کو دین سے بے بہرہ رکھنا' اس کی صحیح خطوط پر تعلیم و تربیت نہ کرنا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخ پر نہ ڈالنا بھی اولاد کا ایسا قتل ہے جس کا خمیازہ اسے دنیا و آخرت میں بھگتنا پڑے گا۔

پانچویں بات جس پر بیعت لی جاتی تھی وہ بہتان بازی سے احتراز تھا۔ بہتان کا

مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے ساتھ ایسی بات منسوب کرنا جس کا حقیقت سے قطعاً کوئی تعلق نہ ہو یہ ایک ایسی صفت ہے جو محبتوں کی قاطع، فتنہ فساد کی علمبردار، نفرتوں کی رہنما اور دلوں میں آگ اور حدت پیدا کرنے کی صلاحیتوں سے مالا مال ہے اس سے گھر بھی تاراج ہوتا ہے اور معاشرہ بھی بگڑتا ہے ذات بھی آلودہ عصیاں ہوتی ہے اور ماحول بھی داغدار ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جو شخص مومن کے متعلق ایسی بات کہے جو اس میں نہ ہو اللہ تعالیٰ اسے روغتہ الخبال جہنم میں اس وقت تک رکھے گا جب تک اس کے گناہ کی سزا پوری نہ ہو لے۔ روغتہ الخبال جہنم میں ایک جگہ ہے جہاں جہنمیوں کا خون اور پیپ جمع ہو گا۔

آخری بات جس پر بیعت لی جاتی تھی وہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکم عدولی نہیں کریں گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق و واسطہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع و اطاعت سے ہی قائم و برقرار رکھا جا سکتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق قائم ہونا اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہونا ہے۔ اور کوئی طریقہ ہی نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و صفات کا زبانی کلامی اعتراف اسے عظیم و معتبر بنا دے گا تو یہ خیال خام ہے۔ منکرین و منافقین بھی تو خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت و امانت کے زبانی معترف تھے۔ لیکن ان کے اس اعتراف نے انہیں قطعاً کوئی نفع نہیں بخشا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے اندر رہنے کا مطلب اللہ تعالیٰ کے حکم کے اندر رہنا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکم عدولی حدود اللہ سے باہر نکلنے کا نام ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قریب و بعید سب میں قائم کرو اور اللہ تعالیٰ کے حکم بجا لانے میں ملامت کرنے والوں کی ملامت تمہیں نہ روکے۔ لیکن جو اپنی حماقت و

جہالت سے حدود اللہ سے باہر نکل جائے تو اس کے لئے حد مقرر ہے تاکہ دوبارہ حدود کے اندر آ جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی حدود میں کسی حد تک کا قائم رہنا چالیس رات کی عبادت سے بہتر ہے۔ لیکن جب کسی پر حد جاری کرنے کا مقام آ جائے تو پھر حد کو روکنے کے لئے سفارش کرنا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لینا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس کی سفارش حد قائم کرنے میں حائل ہو جائے اس نے اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی اور جو جان بوجھ کر باطل کے بارے میں جھگڑے وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں ہے۔ جب تک اس سے جدا نہ ہو جائے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مخزومیہ عورت نے چوری کی تھی جس کی وجہ سے قریش کو فکر پیدا ہو گئی (کہ اس کو کس طرح حد سے بچایا جائے) آپس میں لوگوں نے کہا کہ اس کے بارے میں کون شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سفارش کرے گا۔ پھر لوگوں نے کہا حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب ہیں کوئی شخص سفارش کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ غرض حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سفارش کی۔ اس پر حضور رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حد کے بارے میں سفارش کرتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اگلے لوگوں کو اس بات نے ہلاک کیا کہ اگر ان میں کوئی امیر چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کمزور چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ قسم خدا کی اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

پردہ و چار دیواری کا تقدس

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ اپنی ازواج مطہرات، صاحبزادیوں اور مومنین کی عورتیں کو چادروں سے پردہ کرنے کو کہیں۔ خاص طور پر چادروں سے پردہ کرنے میں کیا حکمت پنہاں ہے؟ پردے کا مطلب ہے کہ نہ مرد عورت کو اور نہ عورت مرد کو دیکھ سکے۔ منشائے الٰہی کا یہ تقاضا صرف چادر کے پردے سے پورا ہو سکتا ہے۔ آج کل کے مروجہ برقع سے نہیں کیونکہ اس میں عورت مرد کو دیکھ سکتی ہے جو کہ پردے کی روح کے منافی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ مومنین کی عورتوں کو حکم دیتا ہے کہ جب وہ کسی کام کے لئے گھر سے باہر نکلیں تو جو چادر وہ اوڑھتی ہیں اسے سر پر سے جھکا کر منہ ڈھانپ لیا کریں۔ صرف ایک آنکھ کھلی رکھیں۔

پردے کی آیات کے نزول کے بعد ایک دن حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا محبوب خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس تشریف فرما تھیں کہ حضرت عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ پردہ کر لو۔ انہوں نے عرض کیا "یا حبیب اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم! وہ تو نابینا ہیں۔ نہ ہمیں دیکھیں گے اور نہ پہچانیں گے۔" آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تم تو نابینا نہیں ہو کہ اسے نہ دیکھو۔" ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آیات پردہ کے بعد انصار کی عورتیں جب نکلتی تھیں تو اس طرح لگی چھپی چلتی تھیں کہ گویا ان کے سروں پر پرند ہیں۔

حضرت سدی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ فاسق لوگ اندھیری راتوں میں راستے سے گزرنے والی عورتوں پر آوازیں کستے تھے۔ اس لئے یہ نشان ہو گیا کہ مومنین عورتوں اور لونڈیوں، باندیوں اور منکرین حق کی عورتوں میں تمیز ہو جائے اور ان پاک دامن عورتوں پر کوئی لب نہ ہلا سکے۔ زمانہ جاہلیت میں بے پردگی کی رسم عام

تھی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کے لئے اور حدود میں سے یہ بھی ایک حد مقرر کر دی کہ پردہ کریں۔ اس حد کے باہر ان گنت زہریلی آنکھیں۔ گندے ذہن کی پیداوار بہتان' بے حیا زبانوں کے تیز نشتر اور بے ضمیر و ہوسناک آوازوں کے سم آلود تیر عورتوں کے استقبال کے لئے موجود ہوتے ہیں۔ لیکن حیف جاہلیت کی پرانی بے پردگی کی رسم آج پھر زور و شور سے عود کرتی چلی آ رہی ہے۔ جس کے سائے میں بے شمار معاشرتی' اخلاقی اور تمدنی برائیوں نے جنم لیا ہے۔ اگر عورت چاہتی ہے کہ اس کے تقدس' پاکیزگی اور عظمت کے چاند کو گہن نہ لگے تو اسے اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ مقام پر جم کر رہنا چاہئے اور اسی کے حکم کے تابع زندگی بسر کرنے میں اپنی عزت تصور کرنی چاہئے۔ وگرنہ یورپ اور دوسرے بدمذہبوں اور بے دینوں کی عورتوں کی اندھی تقلید جنہیں اس طرح ورغلایا گیا ہے کہ اب وہ عورت کے مقام پر بھی نہیں ہیں۔ مسلمان عورت کا مستقبل ان سے بھی بدتر و تاریک ہو گا۔ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مرد پنداری و چوں بینی زنی   در اشارتہاش را بینی زنی

ترجمہ : اگر اس کے (اللہ) اشاروں پر تو ناک بھوں چڑھائے گا۔ تو اپنے آپ کو مرد سمجھتا ہے اور جب غور کرے گا تو عورت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے احکامات اور حدود کا احترام نہ کرنے والا مرد بمنزلہ عورت ہے تو عورت جو حدود اللہ تعالیٰ کی پرواہ نہ کرے گی اس کا کیا مقام ہو گا اس کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

چادر کی عظمت و تقدس کے اظہار کے بعد چار دیواری کے اندر کی دنیا کی طرف توجہ دی گئی ہے جہاں سے خیر کے نور کی کرنیں بھی پھوٹتی ہیں اور شر اور ظلمت کے دریا بھی بہتے ہیں۔ جہاں رحمتوں کی بارش بھی برستی ہے۔ اور کرب و اضطراب کی بجلیاں بھی کڑکتی ہیں۔ جہاں جنت فردوس کی بہاریں خرام بھی کرتی ہیں اور دوزخ کے عفریت اور اژدہا بھی پھنکارتے ہیں۔ قیامت تک آنے والی خواتین کی

رہنمائی و ہدایت کے لئے اور ان کے مسائل و افکار کی اصلاح کے لئے ضروری تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک گھرانے کا حال چند ایک اہم مسائل کے اندر سے ہو کر گزرتا ورنہ ازواج مطہرات' ہماری پاک مائیں ایسی ہر بات سے منزہ و طاہر تھیں کہ ان کے ہاں۔ ان کی پاکیزہ ازدواجی زندگی میں کوئی مسئلہ سر اٹھانے کی جرات کر سکتا۔ اگرچہ بظاہر چند ایک مقامات پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اپنی ازواج مطہرات کو کہہ دیں لیکن وہ سب باتیں عام عورتوں کے لئے بھی ہیں۔ تاکہ اگر کسی کی ازدواجی زندگی میں کوئی سخت مقام آجائے تو وہ بآسانی وہاں سے گزر سکے اور ایسے تمام اقدام سے گریز کرے جن سے دین کا زیاں ہوتا ہو۔

محسنات عورتیں

اللہ جل شانہ نے ایک نیک اور دوسری بری دو اقسام کی عورتوں کا ذکر فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

(۱۹۴) پس نیک عورتیں فرمانبردار' خاوند کی عدم موجودگی میں بہ حفاظت نگہداشت رکھنے والیاں ہیں اور جن عورتوں کی نافرمانی اور بددماغی کا تمہیں خوف ہو انہیں نصیحت کرو اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو۔ اور انہیں مار کی سزا دو۔ پھر اگر وہ تابعداری کرنے لگیں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو اللہ تعالیٰ بڑی بلندی اور بڑائی والا ہے۔ (سورۃ النساء آیت ۳۴)

اول الذکر عورت جس کو نصیب ہو وہ گھر دنیا میں ہی گہوارہ جنت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دنیا متاع ہے۔ اور دنیا کی بہترین متاع نیک عورت ہے۔ میرے شیخ کا ارشاد ہے کہ جو شکایت نہ کرے وہ سب سے زیادہ نیک عورت ہے اور عورت کا مثالی کردار یہ ہے کہ دوسروں پر اپنی خواہشات قربان کر دیتی ہے۔ وہ عورتیں جو کبھی اپنے

خاوند کے حکم کے خلاف نہیں چلتیں ■ محسنات خواتین کے دائرہ نور میں شامل ہوتی ہیں۔ لیکن جو اصلاح طلب ہوں ان میں یہ خوبی کم ہوتی ہے محسنات عورتیں ہی گھر میں خوش و خرم رہ سکتی ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتی ہیں کہ انہیں خاوند کے گھر ذاتی کام کوئی نہیں ہے۔ وہ صرف خاوند اور اس کے گھر والوں کے لئے یہاں لائی گئی ہیں۔ یہ پاک عورتیں مرد کے لئے دین میں مددگار ثابت ہوتی ہیں اور وہ خود یا اپنی اولاد کو اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات و فرامین کے آڑے نہیں آنے دیتیں۔

عورتوں کی فطرت و رخ

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عورت عارف دنیا ہوتی ہے۔ رمز دنیا کا اسے خوب ادراک ہوتا ہے اور وہ فطرت کے ساتھ پیدا ہوتی ہے جب کہ مرد فطرت کے بغیر پیدا ہوتا ہے۔ مرد عورت پر اسی وقت غالب آسکتا ہے اگر وہ عارف مولا ہو۔ بصورت دیگر مرد عورت کے بچھائے ہوئے حسین و خوش رنگ جال سے بچ نہیں سکتا۔ لیکن وہ عورتیں جو اپنی فطرت' اپنی خواہشات کے خلاف اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخ پر گامزن ہو جاتی ہیں۔ وہ بعض صورتوں میں مردوں سے بھی جلدی عارف مولا اور ولی کامل بن جاتی ہیں۔ پھر عورتیں عورتیں نہیں رہتیں بلکہ مردان حق میں شمار ہوتی ہیں۔ عورت کی حقیقت چونکہ خواہش ہے اس لئے قدرے کم ہی اپنے رخ کی اصلاح کرتی ہے جس کے نتیجے میں وہ بہت زیادہ پریشانیوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ اور وہ عورتیں جن کی خواہشات روزافزوں طویل تر ہوتی جاتی ہیں وہ رفتہ رفتہ موخرالذکر خواتین کی صف میں شمار ہونے لگتی ہیں اور تیزی سے اس راستے پر بھاگنے لگتی ہیں جو رسوائیوں اور ذلتوں کا راستہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اکثر دوزخ میں رہنے والیاں میں نے

عورتیں دیکھیں۔" لوگوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم! یہ کیوں؟" آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا "ان کی ناشکری کے سبب سے" کسی نے دریافت کیا "کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتی ہیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا "نہیں"۔ یہ اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں۔ اور احسان فراموش کرتی ہیں۔ اگر عمر بھر کسی کے ساتھ بھلائی کرے۔ پھر وہ تجھ سے کچھ تکلیف دیکھے تو کہنے لگے میں نے تجھ سے کبھی بھلائی نہیں دیکھی۔" واقعہ معراج کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا "میں عورتیں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرا جن کے چہروں کو سیاہ اور آنکھوں کو نیلا کیا ہوا تھا۔ آگ کے کپڑے ان کو پہنائے ہوتے تھے۔ فرشتے ان کو آگ کے گرزوں سے مار رہے تھے۔ وہ کتیوں کی مانند آواز نکالتی تھیں۔ جبرائیل امین علیہ السلام سے میں نے پوچھا۔ فرمایا "یہ وہ عورتیں ہیں جنہوں نے اپنے خاوندوں کو ناراض کیا۔"

نکاح اور طلاق

نکاح کی عدم موجودگی میں مرد عورت کا باہمی جنسی تعلق ناجائز اور حرام ہے۔ ہر مذہب و ملت میں نکاح کا اپنا اپنا طریق ہے مثلاً نصرانی سات پشتوں تک جس عورت مرد کا نسب نہ ملتا ہو ان کا نکاح جائز جانتے تھے۔ اور یہودی بہن اور بھائی کی لڑکی سے بھی نکاح کر لیتے تھے۔ لیکن اسلام نے بھانجی اور بھتیجی سے نکاح کرنے کو روکا۔ اور چچا کی لڑکی، پھوپھی کی لڑکی، ماموں کی لڑکی اور خالہ کی لڑکی سے نکاح کو مباح قرار دیا۔ بعض مذاہب میں عورت کو طلاق دینے کا بھی حق نہیں ہے۔ لیکن اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لئے اگر ایسے حالات رونما ہوں جس کی بنا پر مرد و عورت کا مزید ازدواجی زندگی میں منسلک رہنا ممکن نہ ہو تو مرد کو حق حاصل ہے کہ وہ عورت کو طلاق دے دے اور عورت کو بھی یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ بھی بذریعہ خلع مرد سے گلوخلاصی کروا سکتی ہے۔

فقہاء نے نکاح و طلاق کی تعریف اس طرح کی ہے کہ نکاح سے عورت شوہر کی پابند ہو جاتی ہے اور اس پابندی کو اٹھا دینے کو طلاق کہتے ہیں۔ لیکن اسلام نے طلاق کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ عمل قرار دیا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے معاذ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ! کوئی چیز اللہ تعالیٰ نے غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ روئے زمین پر پیدا نہیں کی اور کوئی شے روئے زمین پر طلاق سے زیادہ ناپسندیدہ پیدا نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد و عورت کی تفریق سے وہ بنیاد اکھڑ جاتی ہے۔ جس کے بطن سے ایک مثالی معاشرے نے جنم لینا ہوتا ہے اسی لئے یہ فعل شیطان مردود کو بہت بھاتا ہے۔ حضرت امام احمد جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے اور اپنے لشکر کو بھیجتا ہے اور سب سے زیادہ مرتبہ والا اس کے نزدیک وہ ہے جس کا فتنہ بڑا ہوتا ہے۔ اس میں ایک آکر کہتا ہے میں نے یہ کیا' یہ کیا۔ ابلیس کہتا ہے تو نے کچھ نہیں کیا۔ دوسرا آتا ہے اور کہتا ہے میں نے مرد اور عورت میں جدائی ڈال دی۔ اسے اپنے قریب کر لیتا ہے اور کہتا ہے ہاں تو ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ ناپسندیدہ طلاق ہے۔ لہٰذا گھر کی بنیادوں کو متزلزل ہونے سے بچانے کے لئے مرد کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنا رویہ بھی درست رکھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمان مرد عورت مومنہ کو مبغوض نہ رکھے۔ اگر اس کی ایک عادت بری معلوم ہوتی ہے دوسری پسند ہوگی۔ تمام عادات خراب نہیں ہوں گی۔ جب کہ اچھی بری ہر قسم کی باتیں ہوں گی تو مرد کو یہ نہ چاہئے کہ خراب عادت کو دیکھتا رہے۔ بلکہ بری عادت سے چشم پوشی کرے اور اچھی عادت کی طرف نظر کرے۔ اس سے گھریلو ماحول میں تلخیاں پیدا نہیں ہوتیں۔ دوسری طرف عورت کو بھی متنبہ کیا جا رہا ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جو عورت بغیر کسی حرج کے شوہر سے طلاق کا سوال کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ لیکن اگر نوبت طلاق تک پہنچ جائے تو یک وقت تین طلاق دینا سراسر غلط ہے۔ نسائی نے حضرت محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں ایک ساتھ دے دیں یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غصہ میں کھڑے ہو گئے اور یہ فرمایا کتاب اللہ سے کھیل کرتا ہے حالانکہ میں تمہارے اندر ابھی موجود ہوں۔ طلاق دینے کا طریق کار یہ ہے کہ ہر ماہ ایک طلاق دے طلاق کے دوران عورت مرد کے گھر رہے تا کہ طلاق دینے والا اطمینان سے اس فیصلے کے بارے میں سوچ سکے۔ دو طلاق تک رجوع کا حق ہے لیکن تیسری طلاق دینے کے بعد رجوع نہیں کیا جا سکتا تاوقتیکہ اس عورت کی شادی دوسرے مرد سے نہ ہو اور پھر دوسرے مرد سے طلاق لینے کے بعد پہلے مرد سے ساتھ شادی کر سکتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی کو جب کہ وہ حیض کی حالت میں تھیں ایک طلاق دے دی۔ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ رجوع کرے۔ پھر اس کو روک رکھے۔ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے۔ پھر اس کے پاس اسے دوسرا حیض آئے۔ پھر اس کو رہنے دے یہاں تک کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے۔ اگر وہ اس کو طلاق دینا چاہتا ہے تو طلاق دے جب کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے قبل اس کے کہ وہ اس سے صحبت کرے یہی وہ عدت ہے جس کے متعلق اللہ تبارک و تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس میں عورتوں کو طلاق دی جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازدواجی زندگی

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھ قریشیہ خواتین حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت سودہ بنت زمعہ، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت حفصہ، حضرت ام حبیبہ

بنت ابو سفیان، حضرت ام سلمہ اور چار عربیہ غیر قریشیہ عورتوں، حضرت زینب بنت جحش، حضرت جویریہ بنت الحارث، حضرت زینب بنت خزیمہ، حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور ایک غیر عربیہ بنی اسرائیل سے حضرت صفیہ بنت حیی سے عقد فرمایا ان کے علاوہ دو باندیوں حضرت ماریہ قبطیہ اور حضرت جاریہ ریحانہ بنت زید بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں جو حبالہ عقد میں آئیں۔ ازواج کے بارے میں فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی پر رکھا گیا تھا یہ بات کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ازواج کی زیادتی میں حکمت یہ تھی کہ اندرون خانہ اور خلوت کے احکام مردوں تک ان کے ذریعے سکھائے جائیں اور وہ امت میں نقل کریں اور قیام حقوق اور حسن معاشرت میں عبادت کے ساتھ قائم رہیں۔ نکاح کے لئے مہر لازمی ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بہتر وہ مہر ہے جو آسان ہو۔ فقہاء کے نزدیک کم سے کم مہر دس درہم ہے۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مہر کتنا تھا ؟ فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مہر ازواج مطہرات کے لئے ساڑھے بارہ اوقیہ یعنی پانچ سو درہم تھا۔ لیکن حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح نجاشی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا اور چار ہزار مہر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے خود ادا کئے۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں حق مہر لڑکے والوں کو باندھنا چاہیے۔ لڑکی والوں کو نہیں۔ صرف اتنا کہہ دینا چاہیے کہ اتنا باندھو جو دے سکو۔ حق یہ ہے کہ سب سے پہلے وہ ادا کیا جائے اللہ نے دینے والوں سے خطاب کیا ہے۔ کہ مہر اچھی طرح دو لینے والوں سے نہیں کہا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جانے کی اجازت

طلب کی نہ ملی۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اجازت طلب کی انہیں بھی نہ ملی۔ جب دونوں حضرات کو اجازت ملی اندر تشریف لے گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد ازواج مطہرات تشریف فرما تھیں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوش کرنا چاہتے تھے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اگر زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی بیوی کو دیکھتے کہ ابھی ابھی مجھ سے نفقہ کا سوال کیا اور میں نے پکڑا۔ اس کا گلہ دبایا۔ یہ سن کر محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں تک ہنسے کہ داڑھیں مبارک ظاہر ہو گئیں۔ اور فرمایا۔ یہ میرے گردا گرد جمع ہیں۔ مجھ سے نفقہ کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف لپکے کہ ان کو ماریں۔ یہ دونوں حضرات کہہ رہے تھے۔ کیا تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان چیزوں کا مطالبہ کرتی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں حضرات کو روکا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات نے کہا۔ خدا کی قسم اس مجلس کے بعد ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ نہ کریں گی۔ اور جب یہ آیت اتری **یایها النبی قل لا زواجک .... الخ** تو سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تذکرہ کیا اور اپنے والدین سے مشورہ کرنے کو فرمایا۔ آپ نے عرض کیا۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اور میں اپنے ماں باپ سے مشورہ کروں ؟ بلکہ میں تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار کرتی ہوں۔

حاصل بیان

☆ تمام انبیاء مرسلین کی حیات طیبہ میں انسانی مسائل خواہ انفرادی نوعیت کے ہوں یا اجتماعی حیثیت کے سب کا حل موجود ہے۔

☆ شاہدین کی پاک جماعت کے امام محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور قیامت تک یہ جماعت موجود رہے گی۔

☆ اگر حال پر شاہد کی شفاعت نصیب نہ ہوگی تو آخرت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نصیب نہ ہوگی۔

☆ قول پاک ہو تو شاہد سے محبت ہوتی ہے اور جب محبت ہوتی ہے تو اعمال درست ہو جاتے ہیں ہمیں اپنے شاہد کی محبت دل میں آباد کرنی چاہئے کیونکہ اسی راستے مخلصین کی جماعت میں شامل ہوا جا سکتا ہے۔

☆ بزرگان دین حال پر بشارت و انذار کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ ہمیں ان کے قرب سے استفادہ کرنا چاہیے۔

☆ محبت اعمال کی جان ہے اس لئے محبوب حق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حقیقی اور سچی محبت ہونی چاہیے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات نہیں مانتا۔ اگر محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہو تو اس کی خاطر تن من دھن سب کچھ قربان کیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے مسلمانوں کے لئے تلواروں کے سائے میں جنت ہے۔

☆ بیعت کا مقام جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ اسی سے تزکیہ اور فلاح دارین حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا شاہد کی تلاش اہم ترین کام ہے۔

☆ حقیقی پردہ یہ ہے کہ عورت مرد کو اور مرد عورت کو نہ دیکھے۔ اور یہ صرف چادر سے ممکن ہے۔ مروجہ برقعہ سے عورت مرد کو دیکھ سکتی ہے اس لئے یہ درست نہیں ہے۔

☆ پردہ مسلمان اور غیر مسلم خواتین کے درمیان حد فاصل قائم کرتا ہے۔ جس سے کئی قسم کے فتنوں کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔

☆ بے پردگی زمانہ جاہلیت کی رسم ہے۔

☆ عورت دنیا کی بہترین متاع ہے اور عورتوں میں وہ عورت سب سے زیادہ افضل ہے جو لب شکایت وا نہیں کرتی اور بلحاظ کردار مثالی ہو۔ ہمیشہ خاوند کے حکم میں رہنے والی عورت کا شمار محسنات عورتوں میں ہوتا ہے۔

☆ حلال امور میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔

☆ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازدواجی زندگی سب کے لئے مشعل راہ ہے۔ ہمیں اپنی ازدواجی زندگی انہیں خطوط پر استوار کرنی چاہیے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کیا ہم اپنے مسائل کا حل رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مقدسہ میں تلاش کرتے ہیں یا نہیں ؟ اور کیا ہمارا حال پر کوئی شاہد ہے جس سے تزکیہ حاصل ہو اور فلاح دارین کیونکہ جس کا یہاں شاہد نہیں اس کا آخرت میں بھی شاہد نہیں ہے۔ عورت کا حقیقی پردہ چادر سے ہے۔ بے پردگی جاہلیت کی دلیل ہے۔ محسن عورت وہ ہے جو لب شکایت نہ کھولے اور خاوند کی فرمانبردار ہو۔ کیا ہماری عورتیں اس معیار پر پوری اترتی ہیں ؟

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر ۹

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ

اے نبی (صلی اللہ علیہ و آلہ سلم) کی بیویو !

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں دو مقامات پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے خطاب فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

(۱۹۵) اے نبی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی بیویو ! (رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) تم میں سے جو بھی کھلی بداخلاقی کرے گی اسے دوہرا عذاب کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت ہی سہل سی بات ہے (سورۃ احزاب آیت نمبر ۳۰)

(۱۹۶) اے نبی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی بیویو ! (رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) اگر تم پرہیزگاری کرو تو تم مثل معمولی عورتوں کے نہیں ہو۔ تم نرم لہجے سے بات نہ کیا کرو کہ جس کی دل میں روگ ہے وہ کوئی خیال کرے گا۔ ہاں قاعدے کے مطابق کلام کیا کرو' اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو' اور قدیمی جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کیا کرو' نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو' اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی اطاعت کرو' اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے۔ کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی اہل بیت تم سے وہ ہر قسم کی لغو بات کو دور کردے اور تمہیں خوب پاک کردے۔ (سورۂ احزاب آیت ۳۳ - ۳۲)

خلاصہ آیات

ان آیات مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی شان بیان کی گئی ہے۔ کہ وہ عام عورتوں کی طرح نہیں ہیں اور پھر ان کے توسط سے مسلمان عورتوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ جب وہ غیر مرد سے بات کریں تو ان کے لب و لہجہ میں نرمی و گداز نہ ہو مبادا مخاطب غلط مفہوم لے۔ گھروں کے اندر رہنے کی تاکید کی گئی ہے اور دور جاہلیت جیسا بناؤ سنگار کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ ارکان اسلام کی پابندی کی تلقین کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و اتباع میں زندگی بسر کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان عورت کو کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیے۔

یہ قطعاً ممکن نہیں

فرمان ربی ہے۔ **لئن اشرکت یحبطن عملک** (سورۃ الزمر آیت ۶۵) اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) شرک کریں گے تو اعمال اکارت ہو جائیں گے۔ انبیاء علیہم اسلام کا ذکر کر کے فرمایا **لئن اشرکوا لحبط عنھم ماکانوا یعملون** ((سورۃ انعام آیت ۸۸) اگر یہ شرک کریں تو ان کی نیکیاں بیکار ہو جائیں۔ سورۃ زخرف آیت ۸۱ میں ہے **قل ان کان للرحمان ولد فانا اول العابدین** اگر رحمان کی اولاد ہو تو میں تو سب سے پہلے عابد ہوں۔ ایک اور آیت میں ارشاد ہو رہا ہے۔ **لو اراد اللہ ان یتخذ ولد الا اصطفی مما یخلق مایشاء** (سورۃ الزمر آیت ۴) اگر اللہ تعالیٰ کو اولاد منظور ہوتی تو وہ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا پسند فرما لیتا۔ وہ پاک ہے' وہ یکتا ہے' اور ایک ہے' وہ غالب اور سب پر حکمران ہے۔ یہ تمام آیات شرط کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ لیکن ایسا ہوا نہیں۔ نہ انبیاء علیہم السلام سے شرک ہونا ممکن' نہ سلطان الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

یہ ممکن، نہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔ اسی طرح امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی نسبت بھی جو فرمایا گیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی کھلی بداخلاقی کرے گی تو اسے دگنی سزا ہو گی۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ نعوذباللہ واقعی ان سے کوئی ایسی نافرمانی اور بدخلقی ہوئی ہو گی۔ یہ ان کی شان کی خلاف ہے۔ ان کی عظمت کے منافی ہے۔

اُمت کی مائیں

خدائے رحمٰن نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو مومنین کی مائیں قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

النبی اولی بالمومنین من انفسہم و ازواجہ امہاتہم ط (احزاب آیت ۶) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنین پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مومنین کی مائیں ہیں۔ اور ان کی فضیلت کا اس امر سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد ان کا کسی سے عقد جائز نہیں تھا۔ یہ ارشاد حرمت نکاح اور وجوب احترام میں ہے۔ لیکن دختران نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سیدہ زینب، حضرت سیدہ رقیہ، حضرت سیدہ ام کلثوم اور حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین مومنین کی بہنوں کے حکم میں نہیں تھیں ورنہ ان سے نکاح جائز نہ ہوتا۔

ازواج مطہراتؓ عام عورتوں کی طرح نہیں ہیں

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ علیہم اجمعین عام عورتوں کی طرح نہیں ہیں۔ بحیثیت عورت کے تو آپ عورتیں ہیں لیکن سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب کی وجہ سے یہ مرتبہ عطا ہوا ہے۔ کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین عام عورتوں کی طرح نہیں ہیں۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ جنہیں قرب حاصل ہو جاتا ہے راحت

ان کے لئے راستہ بن جاتی ہے' اور صراط مستقیم کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پاک ہیں' ان کی جلوت و خلوت پاک ہے! اور وہ لوگ جو ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین کو اہل بیت میں شامل نہیں سمجھتے اور اہل بیت میں صرف حضرت خدیجۃ الکبریٰ' حضرت علی' حضرت فاطمہ زہرا اور حسنین رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ہی سمجھتے ہیں وہ قرآن پاک کو اپنے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

مناقب و فضائل امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین

امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شان و فضیلت برتری و عظمت' پاکیزگی و طہارت' عصمت و عفت چاند اور ستاروں کی طرح روشن و منور ہے۔ ان کے فضائل و مناقب تاقیامت عورتوں کی زندگیوں میں رشد و ہدایت کے چراغ روشن کرتے رہیں گے۔ ان سب کا ضبط تحریر میں لانا ممکن نہیں لیکن مختصراً رقم کیے جاتے ہیں۔

(۱) حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ نہایت عاقلہ فاضلہ اور فرزانہ عورت تھیں۔ زمانہ جاہلیت میں ان کو طاہرہ کہتے تھے۔ آپ بڑی مالدار تھیں۔ آپ وہ پہلی خاتون ہیں جن پر اسلام کی حقیقت روشن ہوئی اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی اور ایمان لائیں اپنا تمام مال و زر محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا میں خرچ کیا۔
صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا۔
"اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کے پاس حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دسترخوان لا رہی ہیں جس میں کھانا پانی ہے۔ جب وہ آئیں ان سے ان کے رب کا سلام کہیں اور میری طرف سے انہیں بشارت دیں کہ ان کے لئے جنت میں قصب

(گول موتی) کا ایک ایسا گھر ہے جس میں نہ شور و غل ہو گا اور نہ رنج و مشقت ہو گی۔

(۲) حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نسب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب شریف سے لوی میں مل جاتا ہے۔ اوئل بعثت میں ہی مکہ مکرمہ میں ایمان لائیں۔ انہوں نے اپنے شوہر حضرت سکران بن عمر عبدالشمس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حبشہ کی جانب ہجرت ثانیہ کی۔ انہوں نے حبشہ سے مکہ مکرمہ واپسی پر خواب دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے ہیں اور قدم اقدس ان کی گردن پر رکھا ہے۔ پھر انہوں نے ایک اور خواب دیکھا تھا کہ وہ ٹیک لگائی ہوئی ہیں اور آسمان سے چاند ان پر آپڑا ہے۔ انہوں نے دونوں خواب اپنے شوہر سکران رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کئے اور ہر بار انہوں نے یہ جواب دیا کہ میں عنقریب وفات پاؤں گا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں چاہیں گے۔ انہوں نے اپنی باری حضرات عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سونپ دی تھی۔ ان سے پانچ احادیث مروی ہیں جس میں سے ایک صحیح بخاری شریف میں اور باقی سنن اربعہ میں ہیں۔

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ بنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے علاوہ کسی باکرہ سے نکاح نہیں فرمایا۔ نکاح کے وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر پندرہ سال اور رخصتی کے وقت انیس سال تھی۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ اکرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے دریافت فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے ؟ فرمایا "عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)" سیدالکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شفقت فرماتے تھے۔

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا۔ "اے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) جس سے میں محبت کرتا ہوں تم بھی ان سے محبت کرو گی۔" سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔ "ضرور یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں محبت رکھوں گی"۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "تو عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے محبت رکھو" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود فرمایا کرتے تھے۔ "(حضرت) عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے بارے میں مجھے ایذاء نہ دو" اس الزام کی تردید میں جو منافقین نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر لگایا تھا اس کی برات اور طہارت آسمان سے سورۃ نور میں اٹھارا آیات میں نازل ہوئی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقہا، علماء، فصحاء اور بلغاء اکابر صحابہ اکرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے تھیں۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے کسی کو معانی قرآن، احکام حلال و حرام، اشعار عرب اور علم انساب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ عالم نہیں دیکھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کتب معتبرہ میں دو ہزار دو سو احادیث مروی ہیں۔ ان میں بخاری و مسلم میں ایک سو چوہتر متفق علیہ ہیں۔ زمانہ علالت سلطان الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کے گھر گزارا، انہیں کے حجرہ مبارک میں اپنے رفیق اعلیٰ سے واصل ہوئے اور یہیں مدفون ہوئے۔

(۴) حضرت ام حفصہ بنت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا

سیدہ ام حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت روزہ دار اور شب بیدار تھیں اور وہ جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہوں گی۔ کتب متداولہ میں ساٹھ حدیثیں آپ سے مروی ہیں ان میں سے چار بخاری و مسلم میں متفق علیہ ہیں۔ تنہا مسلم میں چھ احادیث اور پچاس دیگر تمام کتابوں میں مروی ہیں۔

(۵) حضرت ام حبیبہ بنت ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھے یا ام المومنین۔ کہہ کر مخاطب کر رہا ہے۔ میں نے اس خواب کی تعبیر یہ لی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے حبالہ عقد میں لائیں گے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کے پاس بھیجا کہ ام حبیبہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے پیام دیں اور نکاح کریں۔ ان کے نکاح کے وقت ان کے والد ابوسفیان مکہ مکرمہ میں مشرک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محارب تھا۔ صلح حدیبیہ کی بعد تجدید صلح کے لئے جب ان کے والد حالت کفر میں مدینہ طیبہ میں آئے اور سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں پہنچ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر مبارک پر بیٹھنے لگے تو انہوں نے جائز نہ جانا اور کہا کہ یہ بستر طاہر و مطہر ہے اور تم نجاست شرک سے آلودہ ہو۔ اس لئے یہاں نہ بیٹھو۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پاکیزہ ذات' حمیدہ صفات' جواد اور عالی ہمت تھیں۔ ان سے پینسٹھ احادیث مروی ہیں۔ ان میں دو متفق علیہ ہیں ایک تنہا مسلم شریف میں ہے اور باقی دیگر احادیث میں مروی ہے۔

(۶) حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کتب متداولہ میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تین سو اٹھتر احادیث مروی ہیں ان میں سے بخاری شریف میں تیرہ احادیث اور باقی دیگر کتب میں مروی ہیں۔

(۷) حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ان کی والدہ محترمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت

عبدالمطلب تھیں۔ جب حضرت زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہیں نبوت سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا متبنیٰ بنا رکھا تھا ان سے فراغت کے بعد آپ نے دعا کی یا اللہ اگر میں حضور کی زوجیت کے لائق ہوں تو مجھے ان کی زوجیت میں دے دے۔ اسی وقت ان کی دعا قبول ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آثار وحی ظاہر ہوئے اور یہ آیت پاک نازل ہوئی۔

(۱۹۷) پس جب کہ زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اس عورت سے اپنی غرض پوری کر لی ہم نے اسے آپ کے نکاح میں دے دیا تاکہ مومنین پر اپنے لے پالک لڑکوں کی بیویوں کے بارے میں کسی طرح کی تنگی نہ رہے۔ جبکہ وہ اپنا جی ان سے بھر لیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم تو ہو کر ہی رہنے والا تھا۔ (سورۃ احزاب آیت ۳۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بارگاہ صمدیت میں خاص قرب و اختصاص حاصل تھا۔ ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "مجھ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے تین خصوصیتیں رکھی ہیں۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں نہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ میرا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دادا ایک ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں دیا۔ اور تیسرے یہ کہ ہمارے درمیان سفیر حضرت جبرئیل امین علیہ السلام تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ کسی عورت کو بہت زیادہ نیک اعمال کرنے والی' زیادہ صدقہ و خیرات کرنے والی' رحمی رشتہ داروں کو ملانے والی اور اپنے نفس کو ہر عبادت و تقرب کے کام میں مشغول رکھنے والی نہ دیکھا۔ ان سے گیارہ احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے متفق علیہ دو احادیث ہیں اور بقیہ نو دیگر کتب میں ہیں۔

(۸) حضرت میمونہ بنت الحارث ہلالیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ان کا نام برہ تھا لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام تبدیل کر کے یمن بمعنی برکت سے ماخوذ میمونہ رکھا۔ اہل سیر کہتے تھے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایسی زوجہ مطہرہ ہیں کہ اپنے آپ کو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر بخش دیا تھا جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام ان کے پاس پہنچا تھا۔ منقول ہے وہ اونٹ پر سوار تھیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا اونٹ اور جو کچھ اونٹ پر ہے سب کچھ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے چھہتر حدیثیں مروی ہیں ان میں سے سات متفق علیہ ہیں ایک صرف بخاری و مسلم میں ہے۔ باقی دیگر کتابوں میں ہیں۔

(۹) حضرت زینب بنت خزیمہ ہلالیہ المساکین رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زمانہ جاہلیت میں ام المساکین کے نام سے مشہور تھیں کیونکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مسکینوں کو کھلاتیں اور ان پر بڑی شفقت فرماتی تھیں۔ ہجرت کے تیسرے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے حبالہ عقد میں لائے۔ یہ بہت کم مدت آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حیات رہیں۔

(۱۰) حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ان کا بھی اصلی نام برہ تھا لیکن رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام تبدیل کر کے جویریہ رکھا۔ سیدہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی عبادت گذار اور ذاکرہ تھیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نہیں جانتی کہ ازواج مطہرات میں سیدہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ خیر و برکت والی کوئی اور حرم ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خواستگاری غزوہ مریسیع میں کی تھی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے سے پہلے میں نے اپنے قبیلہ میں ایک خواب دیکھا تھا کہ گویا یثرب کی جانب

سے چاند چلتا آرہا ہے یہاں تک کہ وہ میری آغوش میں اتر گیا میں نے اس واقعہ کو کسی سے بیان نہ کیا۔ جب میں خواب سے بیدار ہوئی تو یہ تعبیر مجھ پر روشن ہوئی۔ اور الحمدللہ پوری ہوئی۔ کتب معتبرہ میں ان سے سات احادیث مروی ہیں۔ بخاری و مسلم میں دو دو ہیں اور باقی دیگر کتب میں مروی ہیں۔

(۱۱) حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنی اسرائیل سے سبط ہارون بن عمران قبیلہ بنی نضیر سے تھیں۔ فتح خیبر میں اسیران جنگ کے ساتھ قبضہ میں آئیں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اختیار دیا کہ چاہے تو آزاد ہو کر اپنی قوم کے ساتھ مل جائے یا اسلام لے آئے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں آکر سرفرازی پائے۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی حلیمہ اور عاقلہ تھیں۔ عرض کرنے لگیں۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اسلام کی آرزو رکھتی تھیں اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے پہلے کی ہے۔ اب جبکہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گہربار میں حاضر ہونے کا شرف پایا ہے تو مجھے کفر و اسلام کے درمیان اختیار دیا جاتا ہے۔ خدا کی قسم۔ خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی آزادی اور اپنی قوم کے ساتھ ملنے سے زیادہ محبوب ہے۔ اس کے بعد محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا۔ اور عقد فرمایا۔ منقول ہے کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ علالت میں تمام امہات المومنین جمع تھیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی قسم میں محبوب رکھتی ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مرض مجھے ہو جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صفیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اپنے دعوے میں صادق ہے۔ ان سے دس احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے ایک متفق علیہ ہے اور باقی تمام دیگر کتب میں ہیں۔

ان کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باندیوں حضرت ماریہ بنت شمعون قبطیہ اور حضرت ریحانہ بنت زید بن عمر سے بھی نکاح فرمایا۔ لیکن محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے ہنگام بلا اختلاف نو ازواج مطہرات موجود تھیں۔

مذکورہ بالا آیات کریمہ میں بظاہر ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو نصیحت کی گئی ہے لیکن حقیقت میں عام عورتوں کو کہا گیا ہے کیونکہ تمام عورتیں انہیں کے ماتحت ہیں اس لئے کہ امہات المومنین کی پاک زندگیاں ان کے لئے مثال اور سند کا درجہ رکھتی ہیں۔

عورت کی ذاتی اور مثالی گھریلو زندگی کے لوازم

اللہ تبارک و تعالیٰ نے پانچ باتوں کو عورت کی ذاتی اور گھریلو زندگی کو مثالی و بہتر بنانے کے لئے اہم قرار دیا ہے۔

اولاً : قریش اپنی عورتوں کو اپنے زیر فرمان رکھتے تھے لیکن مدینہ منورہ والوں پر عموماً ان کی عورتیں حاوی تھیں۔ جب ہجرت کے بعد مکہ مکرمہ کی خواتین مدینہ طیبہ میں آئیں تو ان میں بھی رفتہ رفتہ مدینہ پاک کی عورتوں کے طور طریقے سرایت کرنے لگے اور وہ بھی اپنے شوہروں کو آگے سے جواب دینے لگیں یہ طریق معاشرت مکی زندگی کے بالکل منافی تھا۔ عورتیں گھر میں لڑتی جھگڑتیں۔ خاوندوں سے ناراض رہتیں اور گفتگو کرنا بند کر دیتیں۔ آگے سے ترکی بہ ترکی جواب دیتیں۔ اس طرح وہ شوہروں کو ایذاء دیتیں۔ اس سے گھریلو ماحول بگڑ جاتا اور بدمزگی کی فضا پیدا ہو جاتی۔ یہ کھلی بداخلاقی تھی۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب عورت اپنے شوہر کو دنیا میں ایذا دیتی ہے تو حور عین کہتی ہیں۔ خدا تجھے قتل کرے۔ اسے ایذاء نہ دے یہ تو تیرے پاس مہمان ہے۔ عنقریب تجھ سے جدا ہو کر ہمارے پاس آئے گا" یہ عام کلیہ قاعدہ ہے کہ جو مقربین

ہوں ان سے معمولی سی فروگذاشت بھی متوقع نہیں ہوتی اس لئے ام المومنین ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو فرمایا گیا ہے کہ اگر وہ خلاف حق کریں گی تو انہیں دوہری سزا دی جائے گی کیونکہ محبوب کے خلاف کبھی کوئی بات برداشت نہیں کی جاتی۔ کسے باشد وہ کوئی ہو کیونکہ یہ محب کی شان کے لائق نہیں ہے۔

ثانیاً" : یہ پرہیزگاری سے بعید ہے کہ عورتیں غیر مردوں کے ساتھ نزاکت اور خوش آوازی کے ساتھ تکلم کریں یہ منع ہے اس سے ان گنت الجھنوں اور برائیوں کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ اگر عورت اس فرمان کی حکم عدولی کرے تو شیطان ذلتوں کے متعدد دروازے کھول دیتا ہے۔ پھر ان میں سے کسی ایک دروازے میں داخل ہونے سے رک جانا محال ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن کے دلوں میں روگ ہے ان کے روگ میں اضافہ ہو گا۔ اس کی مثال بالکل ایسے ہے جیسے کسی نے آنکھوں پر رنگدار عینک لگا رکھی ہو تو اسے تمام اشیاء اسی رنگ کی نظر آتی ہیں جس رنگ کی عینک ہو۔ اس لئے جن کی نگاہ درست نہیں۔ جو بدفطرت، کمینہ خصلت اور شہوتوں کے دلدادہ ہیں وہ عورت کی نرم و پراز نزاکت آواز سے غلط سلط مطالب نکال لیتے ہیں اور اپنی خباثت باطن کو عملی صورت دینے کے لئے مختلف طریق اختیار کرتے ہیں۔ کیونکہ عورت کی صوت محبوبی اور پرکشش لہجے سے نفسانی جذبات کو ہوا دینے میں بڑی مدد ہوتی ہے اس لئے عورت کو بامر مجبوری جب غیر محرم سے گفتگو کرنا ہو تو اس کے لہجے میں سختی اور وقار ہو اور غیر ضروری گفتگو سے اعراض کرے تاکہ دوسرے شخص کو فضول، لایعنی اور غیر ضروری بات کرنے کی جرات نہ ہو۔ اسے اپنی تمام محبتیں، نزاکتیں، لطافتیں، قربتیں اور چاہتیں صرف اپنے خاوند کے لئے مخصوص رکھنی چاہئیں۔

ثالثاً" : اللہ تبارک و تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "عورت سرتاپا پردے کی چیز ہے یہ جب گھر سے باہر قدم نکالتی ہے تو شیطان جھانکنے

لگتا ہے"۔ اس لئے بغیر ضرورت کے گھر سے باہر نکلنا نہیں چاہئے اور جب باہر جائے تو باقاعدہ پردہ کر کے جائے تاکہ شیطان کی آنکھ سے محفوظ رہ سکے۔ اور جب عورت باہر جائے تو ناز نخرے اور اٹھلا کر نہ چلے اٹھلا کر چلنا ممنوع ہے کیونکہ عورت کی چال اور قدموں کے ساتھ بھی بے شمار فتنے بندھے ہوئے ہیں۔ راہ چلتے وقت اسے ادھر ادھر دیکھنے سے بھی گریز کرنا چاہئے تاوقتیکہ اشد ضرورت نہ ہو۔ جب یہ آیت پاک اتری کہ عورتوں کے لئے گھر بہتر ہیں تو وہ بارگاہ رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئیں کہ جہاد وغیرہ کی کل فضیلتیں مرد ہی لے گئے۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ایسا کوئی عمل بتائیں جس سے ہم مجاہدین کی فضیلت کو پا سکیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے جو اپنے گھر میں پردے اور عصمت کے ساتھ بیٹھی رہے وہ جہاد کی فضیلت پا لے گی" عورت سب سے زیادہ خدا کے قریب اس وقت ہوتی ہے جب کہ وہ اپنے گھر کے اندرونی کمرے میں ہو۔ ابوداؤد میں ہے کہ عورت کی اپنے گھر کی اندرونی کوٹھری کی نماز گھر کی نماز سے افضل ہے اور گھر کی نماز صحن کی نماز سے بہتر ہے۔ ادھر عورتوں سے یہ کہا گیا ہے تو دوسری طرف مردوں کو فرمایا گیا ہے کہ **واذا سالتمو هن متاعا" فسئلو هن من وراء حجاب** (سورۃ احزاب آیت ۵۳) جب تم (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں سے) کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو۔ یہ حکم سب کے لئے ہے اور جب کسی کے گھر جانا ہو تو دروازہ کھٹکھٹا کر ایک طرف کھڑے ہونا چاہئے تاکہ کسی کی بے پردگی نہ ہو۔

ربعا" : عورت کو جاہلیت کے بناؤ سنگار سے روکا گیا ہے جاہلیت کا بناؤ سنگار یہ تھا کہ دوپٹہ گلے میں ڈال لیا جس سے گردن اور کانوں کے زیور دوسروں کو نظر آئیں لیکن آج کل کا لباس و زیبائش تو دور جاہلیت کو بھی مات دے گیا ہے۔ اس نے قوموں اور نسلوں کے اخلاق و پاکیزگی کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کے مابین ایک ہزار سال کا زمانہ تھا اس دوران میں حضرت آدم علیہ السلام

کی دو نسلیں آباد تھیں۔ ایک تو پہاڑی پر اور دوسری نرم زمین پر۔ پہاڑوں کے مرد خوش شکل تھے لیکن عورتیں سیاہ فام تھیں۔ زمین والوں کی عورتیں خوبصورت تھیں اور مردوں کے رنگ سانولے تھے۔ ابلیس انسانی صورت اختیار کر کے انہیں بہکانے کے لئے نرم زمین والوں کے پاس آیا اور ایک شخص کا غلام بن کر رہنے لگا پھر اس نے بانسری نما ایک چیز بنائی اور اسے بجانے لگا۔ اس کی آواز پر لوگ لٹو ہو گئے اور بھیڑ لگنے لگی اور ایک دن میلے کا مقرر ہو گیا۔ جس میں ہزار ہا مرد و عورت جمع ہونے لگے۔ اتفاقاً ایک دن ایک پہاڑی آدمی بھی آگیا اور ان کی عورتوں کو دیکھ کر واپس جا کر اپنے لوگوں میں ان کے حسن کا چرچا کرنے لگا۔ اب وہ لوگ بکثرت آنے لگے۔ اور شدہ شدہ ان عورتوں اور مردوں میں اختلاط بڑھ گیا اور بدکاری اور زنا کاری کا عام رواج ہو گیا۔ یہی جاہلیت کا بناؤ ہے۔ ہمارے ارد گرد بھی حسن و جوانی اور بناؤ سنگار کی نمائش نے اس قدر اخلاقی اقدار کو پامال کیا ہے اور فواحش و بدکاری کو جنم دیا ہے کہ ان کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

خامساً : اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا حق صرف اسی صورت میں ادا ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو حدود عورتوں کے لئے متعین فرما دی ہیں ان سے سرمو انحراف نہ کریں۔ یہی اللہ تعالیٰ کی بھی اطاعت ہے۔ متذکرہ باتوں پر عمل کرنے سے خلوت کی پاکی نصیب ہو جاتی ہے اور جس کی خلوت پاک ہو اس کی جلوت بھی پاک ہو جاتی ہے۔ قرآن پاک میں دو خواتین کی مثال ملتی ہے۔ جس میں ایک حضرت لوط علیہ السلام کی زوجہ تھی۔ ان کی جلوت تو اللہ کے نبی علیہ السلام کے ساتھ تھی۔ لیکن خلوت کفار کے ساتھ تھی۔ بالفاظ دیگر وہ دل سے کفار کا ساتھ دیتی تھی اور ظاہر میں حضرت لوط علیہ السلام کا دم بھرتی تھی۔ اس کی خلوت کی ناپاکی اسے معذب لوگوں کی صف میں لے گئی۔ اس کے برعکس فرعون بدانجام کی زوجہ خلوت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھیں اور ظاہر میں فرعون کی شریک حیات تھی۔ لہٰذا وہ حضرت آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنیں۔ واقعہ

معراج بیان فرماتے ہوئے صاحب قاب قوسین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا مریم خاتون۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور فرعون کی بیوی آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنھن کو میں نے چوتھے آسمان پر دیکھا۔ وہ میرے استقبال کی لئے تشریف لائیں۔ حضرت مریم علیہ السلام کے سفید مروارید کے ستر ہزار محل تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کے ستر ہزار محل سبز زمرد کی الگ تھے اور فرعون کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ستر ہزار محل سرخ یاقوت اور ستر ہزار محل تازہ مرجان کے تھے۔

متذکرہ بالا احکامات پر عمل کرنے سے اہل بیت کے من کی میل کچیل دھل جاتی ہے۔ روح پاکیزہ اور جسم پاک ہو جاتا ہے۔ جب باطن اور ظاہر جلوت اور خلوت طاہر و مطہر ہوں تو گھریلو ماحول اور گردو پیش فیوض یزدانی اور انوار ربانی سے بقعہ نور ہو گا اور جہاں پاک لوگ بستے ہوں اور پاک ماحول ہو تو وہاں لغو گوئی کا گزر نہیں کیونکہ اس کا ارتکاب بے ادبی ہے۔

حاصل بیان

☆ امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہر لغزش اور گناہ سے پاک ہیں لہٰذا مسلمانوں کو ان کے بارے میں قطعاً کسی شیطان کی باتوں میں نہیں آنا چاہتے۔

☆ امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگی کا ہر پہلو مسلمان عورتوں کے لئے بحیثیت آئینہ کے ہے جس میں وہ اپنی زندگی کا چہرہ دیکھ سکتی ہیں۔

☆ جو میعار کی ساتھ لگ جاتا ہے وہ خود معیاری بن جاتا ہے اور معیار بن جاتا ہے امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت مبارکہ میں آنے کے بعد مومن عورتوں کے لئے بذات خود ایک معیار ہیں لہٰذا عورتوں کو اس معیار کی نسبت سے اپنی اصلاح کرنی چاہئے۔

☆ عورتوں کو اپنے شوہروں کا فرمانبردار رہنا چاہیے۔ غیر محرموں کے ساتھ

نزاکت و خوش آواز گفتگو سے گریز کرنا چاہیے۔ بغیر اشد ضرورت گھروں سے باہر نکلنا نہیں چاہیے۔ اور جاہلیت کے بناؤ سنگار سے اجتناب کرنا چاہیے۔

مسلمان عورتوں کے لئے امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پاک زندگیاں معیار مطلق ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر ۱۰

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا

اے کافرو !

حق کی تکذیب کرنے والے

فرمودات بزرگان دین کے مطابق حق کی تکذیب کرنے والے کو مجرم کہتے ہیں۔ حق کی تکذیب صرف وہی کر سکتا ہے جو زمین میں ناحق تکبر کرتا ہے اور اس کا شیوہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکم عدولی اور اسے ماننے سے انکار کرنا ہے' اسے ہی کافر کہتے ہیں۔ یہ ایسے اصولوں کے ساتھ جڑا ہوتا ہے جو خدائے لم یزل کے پسندیدہ دین اسلام کے خلاف ہوں اور وہ اس میں پکا ہوتا ہے۔ چونکہ اسے اپنا امتیاز ہی نہ ماننے میں نظر آتا ہے لہٰذا ایسے شخص کو کافر کے نام سے خطاب کرنا حق ہے۔

قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر کفار و منکرین حق کا ذکر آیا ہے لیکن براہ راست خطاب صرف ایک ہی جگہ پر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

(۱۹۸) اے کافرو ! تم آج عذر معذرت مت کرو۔ تمہیں صرف تمہارے کرتوتوں کا بدلہ دیا جا رہا ہے۔ (سورۃ تحریم آیت ۷)

قرآن پاک میں ایک جگہ کفار کو قل یا کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

(۱۹۹) فرما دیجئے اے کافرو! میں پرستش نہیں کیا کرتا (ان بتوں کی) جن کی تم پرستش کرتے ہو' اور نہ ہی تم عبادت کرنے والے ہو اس (اللہ) کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ اور نہ ہی میں کبھی عبادت کرنے والا ہوں جس کی تم پوجا کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین' اور میرے لئے میرا دین (سورۃ الکفرون آیت ۱ - ۶)

خلاصہ آیات

اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ ان کو صرف ان کے کرتوں کا بدلہ دیا جا رہا ہے۔ اور یہ بھی کہ نہ ہی حق کا باطل کے ساتھ اتحاد ہو سکتا ہے۔

اپنے بڑوں کی طرف دیکھو

کسی شخص کے کرتوت کا اندازہ اس کے افکار' اقوال' کردار اور رفقاء سے لگایا جا سکتا ہے۔ جہاں تک کفار کے افکار و اقوال کا تعلق ہے تو یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارک سے پہلے کہا کرتے تھے۔ کہ نبی موعود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے ہم اپنا طریقہ چھوڑنے والے نہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت توحید کا آغاز کیا تو کفار نے ابتداء میں اس پر زیادہ توجہ نہ کی' لیکن جب توحید کا ڈنکا رفتہ رفتہ بلند ہوتا گیا اور لوگ اس آواز پر لبیک کہنے لگے تو کفار کو فکر لاحق ہوا۔ آوازۂ توحید کو دبانے کے لئے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرنے لگے۔ سونے چاندی' امارت اور اچھے مطلوب رشتے کی ترغیبات دیں لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ ناداں مجھے پہچان نہیں سکتے۔ اگر میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی لا کر رکھ دیں تو بھی میں توحید کی تبلیغ میں سرمو فرق نہ آنے دوں اور اس طرح ان کے منہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیئے۔ وہ دن اور آج کا دن کفار ہنوز مسلمانوں کو مختلف ترغیبات کے ذریعے اور سبز باغ دیکھا کر راہ سے بے راہ کرنے کی تگ و دو میں مصروف ہیں' لیکن جو

مخلصین ہیں ان پر کفار کا کوئی حربہ کارگر ثابت ہوا ہے اور نہ کبھی ہو گا۔

آخر ان کا طریقہ کیا تھا۔ جس کے ساتھ وہ اس قدر راسخ اور پختہ تھے۔ دراصل ان کا وہی طریقہ تھا جو ان کے بڑوں کا تھا۔ وہ کہا کرتے تھے۔ کہ ہم نے بڑوں کو ایک خدا کی عبادت کرتے نہیں دیکھا۔ وہ بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ قطع نظر اس کے کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد بھی ان میں سے اکثر اپنے پرانے مسلک پر جمے رہے لیکن جہاں تک ان کی بات کا تعلق ہے وہ اپنی جگہ پر بڑی خوبصورت ہے۔ اگر مسلمان بھی اپنے بڑوں کے عمل پر نظر رکھیں کہ وہ کیا کیا کرتے تھے تو ان کی زندگی پر کبھی خزاں کا سایہ تک نہ پڑے۔ وہ سدا باغ و بہار رہیں۔ کیونکہ ان کے بڑوں کا عمل ہی تو وہ معیار ہے جس کی روشنی میں وہ اپنے اعمال کے درست یا غلط ہونے کا جائزہ لے سکتے ہیں۔ لیکن اگر معیار سامنے نہ رکھا جائے تو اطاعت و اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔

کفر اور اس کی اقسام

کافر کفر سے بنتا ہے۔ کفر بلا شبہ سب سے بڑا جریمہ اور گناہ ہے لیکن وہ معاشرتی اور اخلاقی بول چال میں بداخلاقی اور فحش نہیں ہے۔ بلکہ عقیدہ ہے جو عقیدہ بد کہلانے کا مستحق ہے۔ بعض علماء کے نزدیک کفر کی چار اقسام ہیں فرماتے ہیں۔ اس کی پہلی قسم انکار ہے۔ اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کو زبان اور دل سے پہچاننے سے انکار کیا جاتا ہے۔ دوسری قسم "جحود" ہے۔ اس میں پتہ تو ضرور ہوتا ہے اور حق کی پہچان بھی ہوتی ہے۔ مگر زبان سے اقرار نہیں کیا جاتا ہے جیسے ابلیس کا کفر اللہ تعالیٰ سے اور یہودیوں کا کفر حضور کرام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ وہ جاننے، پہچاننے کے باوجود زبان سے اعتراف نہیں کرتے تھے۔ تیسری قسم "نفاق" ہے اس کے تحت زبان سے تو رب العالمین کا اقرار کیا جاتا ہے۔ لیکن دل میں اعتقاد موجود نہیں

ہوتا اور کفر کی چوتھی قسم "عناد" ہے۔ اس میں دل سے تو اللہ تعالیٰ کو پہچانا جاتا ہے۔ لیکن زبان سے اس کا اقرار نہیں کیا جاتا۔ اور نہ ہی اس کے احکام و فرامین کے سامنے سر تسلیم خم کیا جاتا ہے جیسے ابوطالب کا کفر۔

کفر کی سزا

نتیجے کا انحصار عمل پر ہوتا ہے۔ کفر چونکہ انتہائی قبیح و ناپسندیدہ فعل ہے لہٰذا اس کی سزا بھی بڑی دلخراش و ہوشربا ہے۔ قرآن پاک اس ضمن میں کہتا ہے۔

(۲۰۰) اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ تعالیٰ (اس سے بلکہ) تمام عالمین سے بے نیاز ہے۔ (سورۃ آل عمران آیت ۹۷)

(۲۰۱) اور جو لوگ کافر ہوئے انہیں ہلاکی ہو۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال غارت کر دے گا۔ یہ اس لئے کہ اللہ کے نازل کردہ چیز سے یہ ناخوش ہوئے پس اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔ (سورۃ محمد آیت ۹-۸)

(۲۰۲) جن لوگوں نے کفر کیا اور راہ خدا سے لوگوں کو روکا اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت کی اس کی بعد کہ ان کے لیئے ہدایت ظاہر ہو چکی یہ یقیناً ہرگز ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہ کریں گے۔ عنقریب ان کے اعمال غارت کر دے گا۔ (سورۃ محمد آیت ۳۲)

چونکہ کفر کو تکبر جنم دیتا ہے لہٰذا کافر کو اپنے اعمال ہمیشہ بھلے معلوم دیتے ہیں لیکن ان کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی کوئی وقعت ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

(۲۰۳) کافروں کے اعمال مثل چمکتی ریت کے ہیں جو چٹیل میدان میں ہو جسے پیاسا شخص دور سے پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو اسے کچھ بھی نہیں پاتا۔ ہاں اللہ کو اپنے پاس پاتا ہے۔ جو اس کا حساب پورا پورا چکا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب کر دینے والا ہے۔ یا مثل ان اندھیروں کے ہے جو نہایت گہرے

سمندر کی تہہ میں ہوں جسے اوپر تلے کی موجوں نے ڈھانپ رکھا ہو۔ پھر اوپر سے بادل چھائے ہوئے ہوں۔ الغرض اندھیرے ہیں جو اوپر تلے پے در پے ہیں۔ جب اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھ سکے بات یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ ہی نور نہ دے اس کے پاس کوئی نور نہیں ہوتا۔ (سورۃ نور آیت ۴۰-۳۹)

کافر کی آنکھوں پر کفر کی عینک لگی ہوتی ہے لہٰذا دنیا میں جو سزا اسے ملتی ہے اسے وہ اپنے اعمال کی وجہ نہیں گردانتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے پاس وہ عقل و بصیرت ہی نہیں ہے جس سے وہ حقائق کے رموز سمجھ سکے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۲۰۴) کفار کو تو ان کے کفر کے بدلے ہمیشہ ہی کوئی نہ کوئی سخت سزا پہنچتی رہے گی۔ یا ان کے مکان کے اردگرد گھومتی رہے گی۔ تاوقتیکہ وعدہ خداوندی آ پہنچے اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ (سورۃ رعد آیت ۳۱)

کافر کا صرف دین جاتا ہے لیکن دنیا مل جاتی ہے

بزرگان دین فرماتے ہیں کہ کافر حق کے ماننے سے انکاری ہوتا ہے اس لئے اس کا صرف دین جاتا ہے لیکن دنیا اسے مل جاتی ہے کم عقل لوگ جن کی آنکھوں پر نفسانی خواہشات کے پردے پڑے ہوئے ہیں وہ اس کی دنیاوی سج دھج اور فراوانی کو دیکھ کر اسے مسلمانوں سے افضل و برتر خیال کرنے لگتے ہیں۔ اور اس کی تقلید' اس کی کافرانہ روش' اس کے ملحدانہ خیالات اور اس کے ابلیسی افعال کی اتباع میں اندھے ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ خدائے قدوس کے نزدیک وہ چوپاؤں سے کم تر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

(۲۰۵) اور جو لوگ کافر ہوئے وہ (دنیا ہی کا) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور مثل چوپاؤں کے کھا رہے ہیں ان کا اصل ٹھکانا جہنم ہے۔ (سورۃ محمد آیت ۱۲)

لیکن اس کے برعکس اگر کوئی نام نہاد مسلمان جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مان کر نہیں مانتا اس کا دین بھی جاتا ہے اور دنیا بھی تباہ ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص تمام جماعتیں چھوڑ کر صرف ایک جماعت میں شامل ہو اور وہاں قواعد کا احترام نہ کرے تو وہ کسی جماعت کا بھی نہیں رہتا۔

کافر کا سفر

کافر کا رخ غیر ہوتا ہے اس لئے اس کے عمل کو برا کہا جاتا ہے۔ لیکن جو کفر کے ساتھ مخلص ہو تو اس کے راہ راستی پر آنے کے امکانات ہیں کیونکہ اس کا سفر ظلمات سے نور کی طرف ہوتا ہے اور ظلمات کے سفر کی جب انتہا ہو جاتی ہے تو وہ نور کے..... روشنی کے قریب ہو جاتا ہے۔ بالکل اس طرح جیسے بے انتہا تاریکی کے بعد روشنی نمودار ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی انسان اندھیرے غار میں چلا جائے تو جب وہ اس کے دہانے پر پہنچتا ہے تو وہاں روشنی ہوتی ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جب کوئی کفر میں شدید ہو تو وہ ایمان کے قریب آ جاتا ہے۔ لیکن یہ سعادت صرف ان مخصوص لوگوں کے مقسوم میں ہوتی ہے جو کفر کے ساتھ پر خلوص ہوں ایسا شخص ہندو' سکھ' عیسائی یا یہودی کوئی بھی ہو وہ ہدایت کی منزل پر ضرور آتا ہے۔ اور یہ صرف اس کے اخلاص کی نعمت ہے جو اسے رشد و ہدایت کے زر و جواہر سے مالا مال کر دیتی ہے۔ یہی شخص قبول اسلام کے بعد اس سے مخلص ہو گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے شدید تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب علم ہوا کہ ان کی ہمشیرہ صاحبہ مشرف بہ اسلام ہو چکی ہیں تو انہیں سخت مارا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے اگر مجھے اتنی شدید مار پڑتی تو میں اس راہ سے ہٹ جاتا چنانچہ جب اپنی ہمشیرہ صاحبہ کو یہ کہتے سنا۔ "عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جو مرضی ہے کر لو میں اس راہ سے ہٹنے کی نہیں ہوں"۔ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیال آیا کہ یہ اس دین کے ساتھ اس قدر منسلک ہے کہ اسے اور کسی چیز کی پرواہ نہیں بہت متاثر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔

ان جیسے مخلص حضرات نے جب حق کو قبول کیا تو صداقت کی نشانی دیکھ کر قبول کیا تھا۔ مسلمانوں کی افرادی قوت کے فروغ کی تاریخ گواہ ہے کہ پہلے مسلمانوں کی جماعت بہت کم تھی۔ نہ ماننے والوں نے اسلام قبول کیا اور مسلمان ہوئی یہ سلسلہ قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔

کفر کی فطرت و پرواز

کفر کی فطرت میں حق کی مخالفت و مخاصمت بدرجہ اتم موجود ہے۔ اس لئے کافر قرآن پاک کی مخالفت میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کی اجتماعی کاوش یہی ہے کہ اس کے مقابل ایسا اہتمام کیا جائے کہ لوگ اس کو ماننے سے دور رہیں۔ اس کے لئے وہ اس قدر کوشاں ہیں کہ ان کی کوئی فکر..... کوئی چال..... کوئی طریقہ ایسا نہیں ہے جس میں مرکزی خیال یہی نہ ہو۔ جب وہ کوئی اصول بناتے ہیں تو ان کا اصول قرآن پاک کی مخالفت پر مبنی ہوتا ہے ان کے سامنے اس عظیم کتاب کی مخالفت ہی معیار ہے۔ اور مومن جس بات سے منع رہتے ہیں کافر کے عمل کا رخ اس جانب ہوتا ہے وہ علم کسب میں لوگوں کو الجھا کر انہیں مرعوب رکھنے کی کوشش پیہم کرتا ہے۔ وہ ظن، گمان میں انہیں اس طرح گھیرنے کی تگ و دو کرتا ہے کہ واضح اور روشن بات بھی ان کے لئے حیرت و استعجاب کا باعث بن جاتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ منکرین حق کا داؤ قرآن پاک کا انکار ہے۔ ان کا سب کچھ اسی کے انکار سے بنتا ہے اور ان کا کوئی معیار ہی نہیں ہے۔

جس طرح چراغ سے چراغ روشن ہوتا ہے اسی طرح حق کی تعلیم صاحبان حق سے ملتی ہے۔ اور کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ کفار اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہیں لہٰذا وہ مسلسل اس کوشش میں رہتے ہیں کہ ان اولوالعزم ہستیوں..... بزرگان دین کی شان کو کم کریں۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ صاحبان حق اس قابل نظر ہی نہ آئیں کہ لوگ ان کی بات پر دھیان دیں۔ اس سلسلے میں ان کا طریق کار یہ ہے کہ جب حق کو ناقابل

تردید صورت میں سنتے ہیں۔ تو یہ کہتے ہیں۔ "یہ لوگ مجنون ہیں..... موجودہ ترقی یافتہ دور میں صدیوں پرانی باتیں کرتے ہیں۔" مجنوں کی بات چونکہ بے جوڑ ہوتی ہے اور قابل توجہ نہیں ہوتی اس لئے یہ مجنوں کہہ کر ان کی اہمیت کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ بقول میرے شیخ کے جس کا قول سند درجہ رکھتا ہو۔ جو اپنے تابعین کو نتائج کے اثبات کی ضمانت دے۔ جس کی اتباع سے خوف و حزن سے نجات ملے۔ جو کسی اجر کا سوال نہ کرے۔ جو مطابق کے بھی مطابق اور مخالف کے بھی مطابق رہے۔ اس کو مجنون کہنا ذاتی عناد کا بڑا واضح ثبوت ہے۔ ایسے لوگ جنہیں کافر مجنون کہتے ہیں اس لائق ہیں کہ انہیں اپنا محبوب بنا لیا جائے۔ اور جب ناصح کو محبوب بنا لیا جاتا ہے۔ تو اس کے علم کی فضیلت روشن ہو جاتی ہے۔ چنانچہ کفار کے لیل و نہار اسی تگ و دو میں بسر ہوتے ہیں اور انہوں نے اپنا منتہائے مقصود حاصل کرنے کے لئے خزانوں کے منہ کھول رکھے ہیں کیونکہ ان کی نگہ باطل شناس میں کسی مقصد کے حصول کے لئے اس سے بڑی قوت اور کوئی نظر نہیں آتی۔ اسی حقیقت کی نشاندہی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

(۲۰۶) بے شک یہ کافر لوگ اپنے اموال اس لئے خرچ کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکیں۔ یہ لوگ تو اپنے اموال خرچ کرتے ہی رہیں گے۔ پھر وہ مال ان کے حق میں باعث حسرت ہو جائیں گے پھر مغلوب ہو جائیں گے۔ اور کافروں کو جہنم کی طرف جمع کیا جائے گا۔ (سورۃ انفال آیت ۳۶)

لیکن اللہ تعالیٰ کا دین اسلام قیامت تک قائم رہے گا اور اس چراغ کو جسے شہنشاہ محبت محبوب رب ودود اور رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روشن کیا تھا۔ کفر کی آندھیاں' الحاد کے جھکڑ' سازشی ہوائیں بجھا نہ سکیں گی اور یہ کسی نہ کسی صورت جلوت و خلوت اور ہر دور میں جلتا رہے گا۔ اور قیامت تک جلتا رہے گا۔

کافر کی اصلیت

کافر اپنے دنیاوی جاہ و جلال' شان و شوکت اور علم کسب کے بل بوتے پر عام انسانوں اور دنیا کے متوالوں کو بہت افضل و بہتر' ارفع و اعلیٰ' خوشحال و خوش قسمت اور کامیاب و کامران دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن ان کی اصلیت بقول حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ ہے کہ وہ پانچ ظلمتوں میں چکر کھاتے رہتے تھے۔ اول یہ کہ ان کا کلام ظلمت ہے۔ دوئم یہ کہ ان کا عمل ظلمت ہے۔ سوئم یہ کہ ان کے داخل ہونے کی جگہ ظلمت ہے۔ چہارم یہ کہ ان کے نکلنے کی جگہ ظلمت ہے اور پنجم یہ کہ بروز قیامت ان کا لوٹنا ظلمتوں کی طرف ہے۔ وہ ہمیشہ بے اطمینانی کے عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور آخرت میں انہیں جہنم کے سامنے لا کر فرمایا جائے گا۔ **الیس ھذا بالحق** کیا یہ حق نہیں ہے ؟ عرض کریں گے **بلی و ربنا** ہمارے رب کی قسم یقیناً ہے۔ حکم ہو گا **فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون** پھر چکھو عذاب اس لئے کہ تم کفر کرتے تھے۔ بظاہر وہ دیکھنے میں زندہ نظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں مردہ ہوتے ہیں۔ مردے سے انہیں اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح مردے سنتے ہیں مگر فائدہ نہیں اٹھا سکتے اسی طرح یہ کفار سنتے ہیں۔ مگر اللہ تبارک و تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ دراصل کفر بذات خود موت ہے اور کافر خود بھی مردہ ہے اور اس کا دل بھی مردہ ہے یہ عزت نفس کا شکار ہوتا ہے اور نتائج منجانب اللہ تعالیٰ سمجھنے کے بجائے اپنی کاوش و محنت کا ثمرہ متصور کرتا ہے۔ اس سے اس کے اندر تفاخر علمی پیدا ہوتا ہے اور وہ اس کا انعام مخلوق سے مانگتا ہے۔ اپنے ہاتھ کے تراشے ہوئے اور نفسانی خواہشات سے سجائے ہوئے اصنام سے طلب کرتا ہے اور ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے۔ انہیں وہ خدا اور کارساز سمجھتا ہے۔ وہ سدا اپنی تعداد اور اپنے اسباب پر بھروسہ کرتا ہے اور جب اسباب کی کثرت کے باوجود اسے ناکامی ہوتی ہے تو وہ اپنے ہی غیظ کی آگ میں جل جاتا ہے۔ یہ حقائق

اس امر کا بین ثبوت ہیں کہ کافر بے عقل ہوتے ہیں۔ وہ حق کو جانتے ہوئے بھی منفی رخ پر بڑھتے رہتے ہیں۔ اور جلوت و خلوت میں انکار پر قائم رہتے ہیں۔ اور اس خوش فہمی کا شکار ہیں کہ ان کی محنت و مشقت بہتر نتائج کی حامل ہوگی۔ حضرت ابی عمران جونی رحمتہ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گزر ایک راہب پر ہوا۔ آپ وہاں ٹھہرے۔ لوگوں نے راہب سے پکار کر کہا۔ "یہ امیرالمومنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تشریف فرما ہیں۔" وہ نکل کر باہر آیا۔ اس میں کمزوری اور لاغری اور مجاہدات اور ترک دنیا کے آثار نمایاں تھے۔ اسے دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رو دیئے۔ لوگوں نے عرض کیا۔ "حضور (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ! یہ تو نصرانی ہے۔" حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں جانتا ہوں یہ نصرانی ہے مگر مجھے اس کے حال پر ترس آگیا۔ اللہ تعالیٰ کا قول یاد آ گیا ہے۔ **عاملتہ ناصبتہ ○ تصلے نارا حامیتہ ○** (غاشیہ آیت ۳۔۴) بعض چہرے مشقت برداشت کئے ہوئے تھکے ہوئے نہایت گرم آگ میں جھونک دیئے جائیں گے اس کی محنت و مشقت کو دیکھ کر مجھے رونا آگیا اس لئے کہ باوجود تحمل مشقت کے یہ جہنم میں جائے گا۔

کافر کا انجام

دنیا کی بھول بھلیوں اور کفر و الحاد کی تاریکیوں میں تو کافر کو مرنا یاد نہیں رہتا لیکن جب تقدیر اسے بستر مرگ پر لا کر لٹا دیتی ہے اور موت کا خنجر اس کی شہ رگ پر رکھ دیا جاتا ہے تو اس کی تمام زندگی سمٹ کر اس کی نگاہوں میں پھیل جاتی ہے۔ وہ فوراً سمجھ جاتا ہے کہ اس کے بدبودار اعمال اسے کس منزل کی طرف لے جائیں گے۔ وہ پریشان ہو جاتا ہے' اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہے' تائب ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ کی حقانیت و وحدانیت کا تہ دل سے اعتراف کرتا ہے۔ لیکن اس وقت کی کسی توبہ...... کسی اعتراف...... کسی شرمساری...... کسی عاجزی...... اور کسی وعدہ کو درخور اعتنا نہیں

سمجھا جاتا۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کافر دنیا چھوڑتا ہے تو آسمان سے دو کالے چہرے والے فرشتے اترتے ہیں ان کے پاس ایک ٹاٹ ہوتا ہے اور حد نظر پر جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ موت کا فرشتہ سرہانے آ کر کہتا ہے۔ "اے خبیث روح اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کی طرف آ۔" روح خوف سے تمام اعضاء میں پھیل جاتی ہے۔ ملک الموت اس روح کو اس طرح کھینچتا ہے جیسے بھیگی ہوئی اون سے میخ کھینچی جاتی ہے۔ اس کی تمام رگیں اور اعصاب ٹوٹ جاتے ہیں۔ فرشتے اس کو ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں اس سے سڑے ہوئے مردار کی بو آتی ہے۔ فرشتے اوپر چڑھتے ہیں۔ جب دنیا کے آسمان کا دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں تو نہیں کھولا جاتا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے اس کی کتاب کو سجین میں لکھ دو۔ پھر روح کو زمین کی طرف پھینک دیا جاتا ہے۔ قبر میں پوچھا جاتا ہے۔ تیرا رب کون ہے ؟ تیرا دین کیا ہے ؟ اور اس ذات کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے تم میں مبعوث کیا ؟ وہ جواب نہیں دے پاتا۔ ایک منادی آواز دیتا ہے اس کے لئے آگ کا بستر کر دو' آگ کے کپڑے پہنا دو' دوزخ کا ایک دروازہ کھول دو دوزخ کی کچھ گرمی اور لپٹ اس کی طرف آتی ہے۔ قبر اتنی تنگ ہو جاتی ہے کہ ادھر ادھر پسلیاں نکل جاتی ہیں ایک شخص بدصورت' بدلباس بدبودار آ کر کہتا ہے۔ "تجھے اس تکلیف رساں حالت کی بشارت ہو۔" وہ کہتا ہے "تم کون ہو ؟" جواب دیتا ہے۔ "میں تیرا عمل بد ہوں"۔ وہ کہتا ہے۔ "پروردگار قیامت برپا نہ کرنا۔" قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

(۲۰۷) کاش کہ تو دیکھتا جب کہ فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں۔ ان کے منہ پر اور کمروں پر مار مارتے ہیں۔ تم جلنے کا عذاب چکھو۔ (سورۃ انفال آیت ۵۰)

مرنے کے بعد جب کافر کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس پر تنگی قبر کے ہم آہنگ اونٹ کے برابر سانپ چھوڑے جاتے ہیں جو اس کا گوشت اس طرح کھاتے ہیں اور نوچتے ہیں کہ جسم کی صرف ہڈیاں باقی رہ جاتی ہیں۔

یوم حشر جب کافر قبر سے اٹھے گا تو وہ اپنے ساتھ ایک بدہئیت شخص دیکھے گا جس کی آنکھیں نیلی اور رنگ اس کافر سے بھی زیادہ سیاہ ہو گا اس کا لباس بھی سیاہ ہو گا اس کی داڑھیں زمین سے لگی ہوں گی۔ (بڑے بڑے دانت ہوں گے) گرج کی طرح گرجتا ہو گا۔ اس سے مردار سے بھی بدتر سڑاند آتی ہو گی۔ کافر اسے دیکھ کر کہے گا "تو کون ہے۔" اور اس سے منہ پھیرنا چاہے گا۔ وہ کہے گا۔ "ارے تو غارت ہو۔ کیا تو کوئی شیطان ہے۔؟" وہ کہے گا "میں تجھ پر سوار ہونا چاہتا ہوں"۔ کافر کہے گا "میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں مجھے چھوڑ دے۔ ساری مخلوق کے سامنے رسوا نہ کر۔" وہ کہے گا۔ "خدا کی قسم اس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں۔ مدتوں تک (دنیا میں) تو مجھ پر سوار رہا۔ آج مجھے تجھ پر سوار ہونا ہے۔" یہ کہہ کر وہ کافر پر سوار ہو جائے گا۔ محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ آیت **وھم یحملون اوزار ھم علی ظھو رھم الا ساء ما یزرون** ○ (سورۃ انعام آیت ۳۱) کافر اپنی پیٹھوں پر اپنے گناہوں کا بوجھ لادیں گے۔ آگاہ رہو وہ کیا برا بوجھ اٹھائیں گے) کا یہ مطلب ہے وہ اپنے عملوں کی کھیتی کو اپنے سامنے دیکھ کر لرزاں و ترساں ہوں گے۔ لیکن آج ان کا کوئی پرسان حال نہ ہو گا۔ اور ان کے کفر کی پاداش میں جو سزا انہیں ملے گی اس کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

(۲۰۸) پس کافروں کے لئے تو آگ کے کپڑے بیونت کر کاٹے جائیں گے۔ اور ان کے سروں کے اوپر سے سخت گرم پانی کا تریڑا بہایا جائے گا۔ جس سے ان کے پیٹ کی سب چیزیں اور کھالیں گلا دی جائیں گی اور ان کی سزا کے لئے لوہے کے ہتھوڑے ہیں۔ یہ جب بھی وہاں سے وہاں کے غم سے نکل بھاگنے کا ارادہ کریں گے وہیں لوٹا دیے جائیں گے۔ جلنے کا عذاب چکھتے رہو۔ (سورۃ حج آیت ۲۲-۱۹)

حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ظالم، سرکشوں اور متکبروں جیسے فرعون، ہامان وغیرہ پر اس طرح عذاب ہو گا کہ ان کو آگ کے صندوقوں میں ڈال کر مقفل کر دیا جائے گا۔ پھر ان صندوقوں کو جہنم کے سب سے زیریں حصہ میں رکھ

دیا جائے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ایسے ہر دوزخی کو ایک لمحہ میں ننانوے قسم کا عذاب دیا جائے گا اور دن میں ہزار دفعہ ان کی کھالیں تبدیل کی جائیں گی۔

کافر کے دوست و احباب

کند ہم جنس باہم جنس پرواز کے مصداق کافر کے سنگی ساتھی بھی اسی خصلت و فطرت کے ہوتے ہیں قرآن پاک کی روشنی میں اس کے تین طرح کے ساتھی ہیں۔

(۲۰۹) کافر آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ (سورۃ انفال آیت ۷۳)

اس میں ہندو' سکھ' عیسائی' یہودی' دہریئے' مجوسی الغرض تمام قسم کے کفار شامل ہیں۔ رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام کفار کو ایک ہی حیثیت میں رکھا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔ **الکفر ملتہ واحدۃ** (کفر سب ایک ملت ہے)

(۲۱۰) اور کافروں کے اولیاء شیاطین ہیں وہ انہیں روشنی سے نکال کر ظلمت کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہ لوگ جہنمی ہیں جو ہمیشہ اس میں پڑے رہیں گے۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۵۷)

شیاطین کا کام ہی یہ ہے کہ کافر کا رخ ظلمتوں کی طرف رکھیں اور اپنا بندہ بے دام بنائے رکھیں۔

(۲۱۱) منافقوں کو اس امر کی خبر پہنچا دیں کہ ان کے لئے دردناک عذاب یقینی ہے۔ جن کی یہ حالت ہے کہ مومنین کے مقابل کفار کو دوست بناتے پھرتے ہیں کیا ان کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہیں۔ پس عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی ہے۔ (سورۃ النساء آیت ۱۳۹۔۱۳۸)

منافقوں کی خلوت کفار کے ساتھ اور جلوت مومنین کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس لئے ان کے دین و دنیا دونوں برباد ہوتے ہیں۔ اور عذاب شدید بھی انہیں کے لئے ہے۔

اس کے باوجود کہ کافر شب و روز دین اسلام۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں خدائے رحیم و ودود کی رحمت نہیں چاہتی کہ اس کے بندے جہنم کا ایندھن بنیں اس لئے ارشاد فرماتا ہے۔

(۲۱۲) ان کفار سے فرما دیں کہ اگر یہ باز آجائیں گے تو ان کے سارے گناہ جو پہلے ہو چکے ہیں معاف کر دیئے جائیں گے' اور اگر اپنی وہی عادت رکھیں گے تو کفار سابقین کے حق میں قانون نافذ ہو چکا ہے۔ (سورۃ انفال آیت ۳۸)

انہیں کفر سے باز رہنے کے لئے ان اجڑی ہوئی بستیوں اور تباہ شدہ اقوام کا انجام یاد دلایا گیا ہے جس پر ان کے کفر کی وجہ سے غضب الٰہی نازل ہوا تھا۔ اور انہیں صفحہ ہستی سے آناً" فاناً" ناپید کر دیا گیا تھا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

(۲۱۳) ان سے پہلے جتنی بستیاں ہم نے اجاڑیں سب ایمان سے خالی تھیں۔ تو کیا اب یہ ایمان لائیں گے۔ (سورۃ انبیاء آیت ۶)

قوم عاد' قوم لوط' قوم شعیب اور قوم نوح کی تباہی و بربادی کے واقعات آج بھی تاریخ و سیر کی کتب کے صفحات پر مرتسم ہیں جو عبرتوں کے نشان ہیں۔ میرے شیخ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل منکرین حق کو مہلت ضرور دیتا ہے لیکن اگر وہ حد اصلاح سے گزر جائیں تو انہیں ان کے ظلم کی بدولت ہلاک کر دیتا ہے۔

کفار کی عادات و خصائل

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی عادات و خصائل اور احوال و انجام کے بارے میں کئی مقامات پر ذکر کیا ہے اس سے ان کی پوری شخصیت ابھر کر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

(۲۱۴) کافر محض غرور کی وجہ سے حق کا انکار کر رہے ہیں۔ (سورۃ ملک آیت ۲۰)

(۲۱۵) تمام جانداروں سے بدتر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہیں جو کفر کریں پھر وہ

ایمان نہ لائیں۔ (سورۂ انفال آیت ۵۵)

(۲۱۶) یقین کرلیں فریب خوردہ جماعت کافروں کی ہے۔ (سورۂ طور آیت ۴۲)

(۲۱۷) اللہ تعالیٰ کفار کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ (سورۂ توبہ آیت ۳۷)

(۲۱۸) کیا دیکھتے نہیں کافروں کو کبھی فلاح نہیں ملتی۔ (سورۂ القصص آیت ۸۲)

(۲۱۹) اور یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کفار کو رسوا کرنے والا ہے۔ (سورۂ توبہ آیت ۲)

(۲۲۰) بے شک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔ (سورۂ النساء آیت ۱۰۱)

(۲۲۱) پس کفار کو تو میں دنیا اور آخرت میں سخت تر عذاب کروں گا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ (سورۂ آل عمران آیت ۵۶)

(۲۲۲) اور کافروں کے لئے عذاب شدید ہے۔ (سورۂ البقرہ آیت ۹۰)

(۲۲۳) جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں۔ پس اس کا حساب تو اس کے رب کے اوپر ہی ہے۔ بے شک کافر فلاح سے محروم ہیں۔ (سورۂ مومنون آیت ۱۱۷)

(۲۲۴) اللہ تعالیٰ نے کفار پر لعنت کی ہے اور ان کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کوئی حامی و مددگار نہ پائیں گے۔ (سورۂ احزاب آیت ۶۵۔ ۶۴)

کفار کی حالت و کیفیت بیان فرمانے کے بعد عام لوگوں کو ان کے فریبوں' جالوں' چالوں اور مکروں سے بچنے کے لئے رہنمائی فرمائی گئی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

(۲۲۵) کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا فریب میں نہ ڈال دے۔ یہ تو بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے۔ اس کے بعد ان کا ٹھکانا تو جہنم ہے۔ اور وہ بہت بری جگہ ہے۔ (سورۂ آل عمران آیت ۱۹۷۔ ۱۹۶)

حضرت منذر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کچھ دہقان حضرت عبداللہ بن مسعود

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آئے۔ لوگوں نے ان کی گردنوں کے موٹاپے اور ان کی صحت سے بڑا تعجب کیا۔ راوی کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ "تم کافروں کو دیکھو گے کہ ان کی جسمانی تندرستی لوگوں سے اچھی ہے اور ان کے قلب لوگوں سے زیادہ مریض ہیں۔" حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "تم کافروں کے ساتھ مل جل کر کھاتے پیتے ہو۔ ان کے پاس اٹھتے بیٹھتے ہو اس لئے کہ تمہارے دلوں میں نہ ایمان ہے اور نہ حق تعالیٰ کے بارے میں غیرت ہے۔ توبہ استغفار اور اللہ سے شرم کرو۔" اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

(۲۲۶) کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مان اور جو ایذاء ان کی طرف سے پہنچے اس کا خیال بھی نہ کر اللہ تعالیٰ پر توکل کر اللہ تعالیٰ کام بنانے والا ہے۔ سورۂ احزاب آیت ۴۸)

اس آیت مبارک میں کفار کے ہم آہنگ منافقین کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ منافق ہی فاسق بھی ہوتے ہیں۔ یہ مار آستین ہیں ان کو گمراہ کر دیا جاتا ہے۔ اور ان پر ہدایت کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اس لئے کفار کے ساتھ ان کی باتوں پر بھی کان دھرنے اور انہیں تسلیم کرنے سے منع فرما دیا گیا ہے۔ لیکن اگر کسی وقت ان کی ریشہ دوانیاں اس قدر بڑھ جائیں کہ جان اور عزت محفوظ نہ رہے تو اس صورت میں اتنی اجازت ہے کہ ان کے شر اور شرارت سے بچنے کے لئے وقتی طور پر ان سے مصالحت کر لی جائے ارشاد خداوندی ہے۔

(۲۲۷) مومنوں کو چاہیے کہ مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں۔ اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی کسی حمایت میں نہیں ہے۔ مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح بچ جانا ہو اور اللہ تعالیٰ تمہیں خود اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے۔ (سورۂ آل عمران آیت ۲۸)

لیکن عام حالات میں جب کہ ایسا کوئی خدشہ موجود نہ ہو اور ایسی صورت پیش

آجائے جہاں لوگ کفر بک رہے ہوں تو اس وقت کیا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

(۲۲۸) اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے' مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں اس کے ساتھ نہ بیٹھو' جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں کرنے نہ لگیں۔ (ورنہ) تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔ (سورۃ النساء آیت ۱۴۰)

اللہ تعالیٰ اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کفر کرنے کی مختلف صورتیں

اللہ تبارک و تعالیٰ کی آیات۔ اللہ عزوجل کی ذات پاک اور محبوب حق صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کفر کرنے کی کئی صورتیں ہیں۔ ان پر نگاہ ہونی چاہیے۔ کفر کا آغاز قول سے ہوتا ہے اور عمل پر جا کر رکتا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے قول پر کڑی نظر رکھنی چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ اعمال غارت ہو جائیں۔ فقہاء و صلحاء نے مندرجہ ذیل کلمات کو کفریہ قرار دیا ہے۔

○ جس شخص کو اپنے ایمان میں شک ہو اور کہتا ہے مجھے اپنے مومن ہونے کا یقین نہیں یا کہتا ہے معلوم نہیں میں مومن ہوں یا کافر وہ کافر ہے۔ اگر اس کا مطلب یہ ہو کہ معلوم نہیں میرا خاتمہ ایمان پر ہو گا یا نہیں۔ تو کافر نہیں۔ جو شخص ایمان و کفر کو ایک سمجھے اور کہتا ہے سب ٹھیک ہے خدا کو سب پسند ہے' وہ کافر ہے۔ اسی طرح جو شخص ایمان پر راضی نہیں یا کفر پر راضی ہے وہ بھی کافر ہے۔

○ جو گناہ و معصیت کو اسلام کہتا ہے وہ کافر ہے۔ یونہی کسی نے دوسرے سے کہا میں مسلمان ہوں۔ اس نے جواب میں کہا تجھ پر بھی لعنت اور تیرے اسلام پر بھی لعنت۔ ایسا کہنے والا کافر ہے۔

○ جو کہتا ہے خدا مجھے اس کام کے لئے حکم دیتا جب بھی نہ کرتا تو وہ کافر ہے۔ اسی طرح ایک نے دوسرے سے کہا۔ "میں اور تم خدا کے حکم کے موافق کام کریں۔" دوسرے نے جواب دیا۔ "میں خدا کا حکم نہیں جانتا یا کہا یہاں کسی کا حکم نہیں چلتا۔" وہ کافر ہے۔

○ اگر کوئی شخص بیمار نہیں ہوتا یا بہت بوڑھا ہے فوت نہیں ہوتا اس کے لئے یہ کہنا کہ اسے اللہ میاں بھول گئے ہیں یہ کفر ہے۔

○ کسی زبان دراز شخص سے یہ کہنا کہ خدا تمہاری زبان کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتا۔ میں کس طرح کروں۔ یہ کفر ہے۔

○ ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے۔ "تو اپنی عورت کو قابو میں نہیں رکھتا" اس نے کہا۔ "عورتوں پر تو خدا کو بھی قدرت نہیں ہے۔ مجھ کو کہاں سے ہو گی" یہ کفر ہے۔

○ اللہ کے لئے مکان ثابت کرنا کفر ہے وہ مکان سے پاک ہے۔

○ یہ کہنا کہ اوپر اللہ ہے نیچے تم یہ کلمہ کفر ہے۔

○ کسی سے کہا گناہ نہ کرو ورنہ اللہ تجھے جہنم میں ڈالے گا۔ اس نے جواباً کہا۔ "میں جہنم سے نہیں ڈرتا۔ یا کہا۔ خدا کے عذاب کی کچھ پروا نہیں یہ کلمہ کفر ہے"

○ ایک دوسرے سے کہتا ہے تو خدا سے نہیں ڈرتا۔ اس نے غصہ میں کہا نہیں۔ یا کہا خدا کیا کر سکتا ہے؟ یا کہا اس کے سوا کیا کر سکتا ہے کہ دوزخ میں ڈال دے۔ یا کہا خدا کہاں ہے؟ یہ سب کفر کے کلمات ہیں۔

○ کسی مسکین نے اپنی محتاجی کو دیکھ کر یہ کہا۔ اے خدا فلاں بھی تیرا بندہ ہے اس کو تو نے کتنی نعمتیں دے رکھی ہیں۔ اور میں بھی تیرا بندہ ہوں مجھے کس قدر رنج و غم دیتا ہے آخر یہ کیا انصاف ہے۔ ایسا کہنا کفر ہے۔ حدیث پاک میں ایسے ہی شخص کے لئے فرمایا گیا ہے۔ **کاد الفقران یکون کفرا** (محتاجی کفر کے قریب ہے)

○ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی توہین کرنا۔ ان کے حضور میں گستاخی کرنا۔ ان کو فواحش و بے حیائی کی طرف منسوب کرنا کفر ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جھوٹ اور حضرت یوسف علیہ السلام کو زنا کی طرف نسبت کرنا وغیرہ۔

○ جو شخص محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انبیاء میں آخری نبی نہ جانے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی چیز کی توہین کرے یا عیب لگائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک کو تحقیر سے یاد کرے۔ لباس مبارک کو گندہ اور میلا بتائے اور ناخن مبارک کو بڑے بڑے کہے یہ سب کفر ہے۔

○ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کدو پسند تھا اگر کسی کو کدو اس لئے ناپسند ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند تھا تو وہ کافر ہے۔

○ محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانا تناول فرمانے کے بعد تین بار انگشت مبارک چاٹ لیا کرتے تھے۔ اس پر اگر کوئی کہے کہ یہ ادب کے خلاف ہے یا کسی سنت کی تحقیر کرے یہ کفر ہے۔

○ جو خود کو کہے میں پیغمبر ہوں اور اس کا مطلب یہ بتائے کہ میں پیغام پہنچاتا ہوں وہ کافر ہے۔ یہ تاویل مسموع نہیں کہ عرف میں یہ لفظ نبی کے معنی میں ہے۔

○ حضرت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان پاک میں سب و شتم کرنا۔ تبرا کہنا یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت یا امامت یا خلافت سے انکار کرنا کفر ہے۔

○ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان پاک میں قذف جیسی ناپاک تہمت لگانا کفر ہے۔

○ دشمن و مبغوض کو دیکھ کر یہ کہنا کہ ملک الموت آگئے یا کہنا کہ اسے ویسا ہی دشمن جانتا ہوں جیسا ملک الموت اور اس میں ملک الموت کو برا کہنا مقصود ہو تو کفر ہے۔

○ جو حضرت جبرئیل یا میکائیل علیہم السلام یا کسی فرشتہ کو عیب لگائے یا توہین کرے کافر ہے۔

○ کسی سے نماز پڑھنے کو کہا' اس نے جواب دیا نماز پڑھتا تو ہوں مگر اس کا کچھ نتیجہ نہیں یا کہا۔ تم نے نماز پڑھی کیا فائدہ ہوا ؟ یا کہا۔ نماز پڑھ کے کیا کروں۔ کس کے لئے پڑھیں ؟ ماں باپ تو مر گئے۔ یا کہا۔ بہت پڑھ لی' اب دل گھبرا گیا ہے۔ یا کہا پڑھنا نہ پڑنا دونوں برابر ہیں۔ ایسی باتیں جس سے نماز کی فرضیت کا انکار سمجھا جاتا ہو یا اس کی تحقیر ہوتی ہو سب کفر ہے۔

○ آذان کی آواز سن کر یہ کہنا کیا شور مچا رکھا ہے اور یہ قول بوجہ انکار ہو تو کفر ہے۔

○ اگر کوئی روزہ رمضان نہیں رکھتا اور کہتا ہے کہ روزہ وہ رکھے جسے کھانا نہ ملے یا کہتا ہے جب خدا نے کھانے کو دیا ہے تو بھوکے کیوں مریں ؟ یا اسی قسم کی اور باتیں جن سے روزہ کی ہتک و تحقیر ہو کہنا کفر ہے۔

○ علم دین اور علماء کی توہین محض اس وجہ سے کرنا کہ عالم علم دین رکھتا ہے۔ کفر ہے۔

○ عالم دین کی نقل کرنا مثلاً کسی کو اونچی جگہ پر بٹھا کر اس سے مسائل بطور استہزاء دریافت کرنا پھر اسے تکیہ وغیرہ سے مارنا اور مذاق اڑانا کفر ہے۔

○ شرع کی توہین کرنا اور کہنا میں شرع ورع نہیں جانتا یہ کفر ہے۔

○ شراب پیتے' زنا کرتے' جواء کھیلتے یا چوری کرتے وقت بسم اللہ کہنا کفر ہے۔

○ بیماری میں گھبرا کر کہنا۔ تجھے اختیار ہے چاہے کافر مار یا مسلمان مار یہ کفر ہے۔

○ مصائب میں یہ کہنا۔ تو نے میرا مال لیا۔ اولاد لی' یہ کیا' وہ کیا' اب کیا کرے گا اور کیا باقی ہے جو تو نے نہ کیا اس طرح بکنا کفر ہے۔

○ مسلمان کو کلمات کفر کی تعلیم و تلقین کرنا کفر ہے اگرچہ کھیل اور مذاق میں ایسا

کرے۔

○ کسی کی عورت کو کفر کی تعلیم کرنا اور کہنا کہ تو کافر ہو جا تاکہ شوہر سے پیچھا چھوٹے تو عورت کفر کرے یا نہ کرے کہنے والا کافر ہو گیا۔

○ کفار کے میلوں' تہواروں میں شریک ہو کر ان کے میلے اور جلوس مذہبی کی شان و شوکت بڑھانا کفر ہے۔

ان کی روشنی میں ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہئے۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ جہنمی کی نشانی یہ ہے کہ وہ حق کو جان کر اس کی تکذیب کرتا ہے۔ برائی سے بچو برائی کو جہنم میں جلایا جائے گا۔ اس لئے جس میں یہ پائی جائے گی وہ جہنم میں جائے گا۔

حاصل بیان

☆ حق کی تکذیب کرنے والا دین اسلام کے مخالف اصولوں سے جڑا ہوا ہوتا ہے اسے اپنا امتیاز نہ ماننے میں ہی نظر آتا ہے۔

☆ کفار سے جب کہا جاتا ہے کہ وہ ایک خدا کی پرستش کریں تو جواب دیتے ہیں کہ ہم نے اپنے بڑوں کو بت پوجتے دیکھا ہے۔ مسلمانوں کو بھی اپنے بڑوں کے ساتھ جڑ جانا چاہیے۔ ورنہ جھوٹا دعویٰ مسلمانی کرنے والے موجودہ لوگوں کا نشان تک باقی نہ رہے گا۔

☆ کفر کرنے والے کا صرف دین جاتا ہے دنیا مل جاتی ہے لیکن جو مان کر نہیں مانتا اس کا دین اور دنیا دونوں ضائع ہو جاتے ہیں۔

☆ جو کفر سے مخلص ہو صرف اسی کافر پر ہدایت کا مقام آتا ہے لیکن جو کفر میں بھی منافقانہ طرز زندگی اپناتا ہے اسے ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ ہدایت کے لئے کسی ایک طرز زندگی سے مخلص ہونا لازمی ہے۔

☆ کافر کے ہتھیار ظن اور گمان ہوتے ہیں جن میں الجھا کر وہ مسلمانوں کو گمراہ

کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے ان سے بچنا چاہیے۔

☆ کفار مسلمانوں کے جن لوگوں کو مجنون کہتے ہیں وہ اس قابل ہیں کہ انہیں اپنا محبوب بنا لیا جائے کیونکہ اس طرح کہہ کر وہ مسلمانوں کو ان سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔

☆ کافر ہمیشہ بداطمینانی کا شکار ہوتا ہے اور حقیقت میں مردہ۔ نتائج کو اپنی محنت کا ثمرہ تصور کرتا ہے۔ تفاخر علمی کا شکار ہوتا ہے اور انعام مخلوق سے طلب کرتا ہے۔

☆ ہر کافر و منافق دم واپسیں تائب ہوتا ہے لیکن اس وقت کی توبہ قابل قبول نہیں ہوتی۔

☆ تمام کفر ایک ملت کی حیثیت رکھتا ہے اور کفار کے دوست بھی انہیں کے قبیل کے ہوتے ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کفر کرنے کی مختلف صورتیں ہیں مسلمانوں کو ان سے دور رہنا چاہیے۔

کفار کو اپنا امتیاز حق بات کو نہ ماننے میں نظر آتا ہے ہمارا عمل کیا ہے؟ کفار کا صرف دین جاتا ہے اور منافق کا دین اور دنیا دونوں۔ ہمارے دامن میں کیا ہے؟ کافر ظن اور گمان کے غاروں میں رہتا ہے۔ ہمارا مقام کونسا ہے؟ کافر بداطمینانی، تفاخر علمی کا شکار اور نتائج کو اپنی عقل و محنت کا ثمر گردانتا ہے۔ ہماری کیفیت کیا ہے؟ آیئے ذرا سوچیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر ۱۱

یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ

اے انسان !

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم میں دو مقامات پر انسان کو براہ راست خطاب فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

(۲۲۹) اے انسان ! تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے بہکایا جس رب نے تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک کیا پھر درست اور برابر بنایا۔ جس صورت میں چاہا تیری ترکیب کی اور تجھے ڈھالا۔ (سورۃ انفطار آیت ۸۔۶)

(۲۳۰) اے انسان ! تو اپنے رب سے ملنے تک یہ کوشش اور تمام کام اور محنتیں کر کے اس سے ملاقات کرنے والا ہے۔ (سورۃ انشقاق آیت ۶)

خلاصہ آیات

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو متنبہ و خبردار کیا ہے کہ اسے کس چیز نے راہ راست سے بہکا دیا ہے حالانکہ اسے اپنی تخلیق پر نظر ڈال لینی چاہیئے کہ کس طرح احسن طریق سے کی گئی ہے۔ اسے یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ ایک دن اس نے اپنے رب کریم سے ملنا ہے۔ اب یہ اس پر ہے کہ وہ کون سا طرز عمل اختیار کرتا ہے۔

انسان کے تین مدعی

انسان کا نام انسان اس کے انس کی وجہ سے رکھا گیا ہے اور قلب کو قلب اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ منقلب ہوتا رہتا ہے قرآن حکیم میں لفظ انسان پینسٹھ بار آیا ہے لیکن ہر جگہ گھٹیا اور اسفل معنوں میں' اگر انسان کے پورے ہیولا کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے اور خدائی ارشادات کی روشنی میں اس پر نگاہ ڈالی جائے تو اس میں تین مدعی نظر آتے ہیں قلب' نفس اور شیطان۔ جب قلب کسی عمل خیر کا ارادہ کرتا ہے تو نفس امارہ مانع ہوتا ہے۔ تو ان دونوں میں جھگڑا ہونے لگتا ہے۔ اور شیطان کی طرف یہ مقدمہ فیصلہ کے لئے لے جاتے ہیں۔ شیطان ان کے محاکمہ میں امر بالسوء کرتا ہے۔ اس اعتبار سے نفس خصم ہوا اور شیطان حکم۔ اور اگر شیطان کسی عمل شر کی طرف آمادہ ہوتا ہے تو قلب مانع ہوتا ہے اور شیطان ضد کرتا ہے کہ وہ کام کیا جائے تو ایسی صورت میں فیصلہ کے لئے نفس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور نفس شیطان کے حق میں فیصلہ دیتا ہے۔ اس اعتبار سے قلب کا خصم شیطان اور قاضی نفس بنتا ہے۔ لہٰذا نفس اور شیطان دونوں کی بات ماننے سے گریزاں رہنا چاہیے۔

انسان چونکہ سفلی صفات کا حامل ہے لہٰذا وہ ہمہ وقت نفس و شیطان کے نرغے میں رہتا ہے جو اسے ہر لحظہ پابجولان رکھنے کی تگ و دو میں رہتے ہیں اور کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ نے اہل نفس کی یہ نشانی بیان فرمائی ہے کہ اس پر ہمیشہ بے اطمینانی اور پریشانی محیط رہتی ہے۔ اگر اس کو سارا جہان بھی دے دیا جائے تو پھر بھی اس کی حرص پوری نہیں ہوتی۔ نفس کا مقام دل کے قریب ہوتا ہے اس لئے وہ متعدد امراض حرص و ہوا' حسد' بغض' نفرت اور شہوت وغیرہ میں ملوث ہو جاتا ہے۔ میرے شیخ کا ارشاد ہے نفس کا ذاتی مقام حرص ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے حال پر اس سے مزید کی تمنا رکھنا حرص ہے۔ اشیاء کی طلب حرص ہے۔ معطیٔ مطلق کی طرف لگنا حرص سے پاک رہنے کا راز

ہے۔ جہاں حرص ہو وہاں ھویٰ کے جھونکے چلتے رہتے ہیں اور ھویٰ کی موجودگی میں صراط مستقیم سے بھکنا ضروری ہے۔ حرص ذاتی اور خلوت کا مقام رکھتی ہے۔ ھویٰ کی حیثیت صفاتی اور جلوت کی ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسا دل جو حرص و ھویٰ کا شکار ہو شیطان کا مسکن ہوتا ہے۔ حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

خشم و شہوت مرد را احول کند　　　ز استقامت روح را مبدل کند

ترجمہ : غصہ اور شہوت انسان کو بھینگا بنا دیتے ہیں اور روح کو راست روی سے پھیر دیتے ہیں۔ جب دل مریض ہو اور روح بے راہ ہو تو نفس ہر لحظہ اپنی چاہتوں کے حصول میں کوشاں رہتا ہے اور اس طرح انسان اسفل سافلین کی جماعت میں شامل ہو جاتا ہے۔ حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نفس پر دم از درو نم در کمین　　　از ہمہ مردم تبر در مکر و کین

ترجمہ : میرے اندر سے نفس ہر وقت گھات میں ہے۔ مکر اور کینہ میں سب انسانوں سے بدتر ہے۔ نفس کی یہ فطرت ہوتی ہے کہ وہ ظاہری علم پڑھنے اور ظاہری ریاضت کرنے سے بہت خوش اور موٹا ہوتا ہے چونکہ نفس وجود باطن میں ہوتا ہے اس لئے اسے باطنی ریاضت جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ اس لئے جب تک انسان اپنے نفس کے سانپ کا سر نہیں کچلتا اس وقت تک وہ شیطان کی دست برد سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا نفس کا گلا دبا دینا چاہئے' اسے بھوکا ہلاک کر دینا چاہئے' اسے کم خوابی سے نڈھال و مردہ بنا دینا چاہئے۔ بزرگان دین نے نفس کو کچل دینے سے یہ مراد لی ہے کہ وہ شرک' کفر' تکبر اور دیگر بری خصلتیں ترک کر دے۔ اس ضمن میں حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نے ایک حل بتایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

جہد میکن تا توانی اے کیا　　　در طریق انبیاء و اولیاء

ترجمہ : اے عقلمند ! جس قدر ہو سکے سعی و جہد کر' انبیاء اور اولیاء کے

طریقہ پر۔ حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے انسان تو کوشش کرنے والا ہے۔ لیکن اپنی کوشش میں کمزور ہے۔ جس سے یہ ہو سکے کہ اپنی تمام تر سعی نیکیوں کی کرے تو وہ کر لے۔ دراصل نیکی کی قدرت اور برائیوں سے بچنے کی طاقت بجز امداد خداوندی حاصل نہیں ہو سکتی۔ لیکن جو انسان آخرت پر نگاہ رکھتا ہے اور اپنے احوال کی اصلاح میں لگا رہتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ایک دن اس نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہونا ہے جہاں وہ اپنی سعی کو دیکھ لے گا تو وہ ایک نہ ایک دن اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نے ایسے ہی انسان کے بارے میں فرمایا ہے۔

از پئے ہر گریہ آخر خندہ ایست　　　مرد آخر بین مبارک بندہ ایست

ترجمہ : ہر رونے کے بعد آخر ہنسی ہے اور انجام پر نظر رکھنے والا مبارک بندہ ہے۔

ایسے شخص کی سعی جب بارگاہ خداوندی میں مقبول ہو جاتی ہے تو اس کا باطن نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے فروزاں ہو جاتا ہے۔ اور اسرار اسماء الٰہیہ و حقائق کونیہ کا عارف بن جاتا ہے۔ اس کا مقام فرشتوں سے بلند ہو جاتا ہے اس کے قدم زمین پر ہوتے ہیں لیکن آسمانوں کے بھید اس پر آشکار ہوتے ہیں۔ جب وہ اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے تو پھر وہ انسان نہیں رہتا بلکہ مقام بشریت پر فائز ہوتا ہے۔ یہی وہ ہستی ہے جو تمام موجودات کا خلاصہ ہے۔ باعتبار اپنی عقل و روح کے ام الکتاب ہے' باعتبار قلب کے لوح محفوظ ہے' اور باعتبار اپنے نفس کے محو و اثبات کی کتاب ہے۔ بشر ہی صحف مکرمہ ہے اور یہی وہ کتاب مطہر ہے جس سے کوئی چیز نہیں چھوٹی اور یہ مرتبہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی برکت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی و متابعت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی محبت سے ظلی طور پر حاصل ہوتا ہے۔

وہ انسان جو اپنی ذات سے سفلی صفات کو جدا کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اور اپنی

پرانی ڈگر، نفس و شیطان کی ڈگر پر رواں دواں رہتا ہے وہ بلحاظ شکل و صورت تو انسان ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وہ انسان نہیں ہوتا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

(۲۳۱) اور ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان جہنم کے لئے پیدا کیے ہیں جن کے دل ایسے ہیں جن سے نہیں سمجھتے، اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے نہیں دیکھتے، اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے۔ یہ لوگ چوپاؤں کی طرح ہیں۔ بلکہ یہ لوگ زیادہ بے راہ ہیں۔ یہ لوگ غافل ہیں۔ (سورۃ اعراف آیت ۱۷۹)

ان خصائل کا حامل انسان حیوانات سے بھی بدتر ہے۔ اور دوزخ کا ایندھن ہے اگرچہ بظاہر وہ آسودہ حال ہی نظر آتا ہے۔ یہ کثیف آنکھ کی مہلک غلطی اور نفس کا دھوکا ہوتا ہے کہ انسان کسی قوم یا فرد کی خوش عیشی، رفاہیت اور دنیوی جاہ و جلال دیکھ کر یہ سمجھ بیٹھے کہ وہ خدائے تعالیٰ کے سایہ میں ہے اور یہ کہ اس کی یہ خوش عیشی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کی خوشنودی اس کے ساتھ ہے۔ حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نے کیا خوبصورت اور مبنی بر حقیقت بات کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

جملہ حیوان را پئے انسان بکش   جملہ انسان را بکش از بہر ہش

ترجمہ : تمام حیوان جو اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت کے لئے پیدا کئے ہیں اس کے لئے مارے جاسکتے ہیں۔ لیکن بشر کے لئے عام انسان مارے جا سکتے ہیں۔

تین روپ دو چنگاریاں

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ۔ فرماتے ہیں قرآن پاک کی روشنی میں جب ہم انسان پر نگاہ ڈالتے ہیں تو اس کی شخصیت کے تین روپ بڑے نمایاں ہیں۔ اول تمام انسان اہلیت کے حساب سے برابر ہیں۔ یعنی راہ حق پر گامزن ہونے کے لئے سب کو یکساں مواقع حاصل ہیں۔ اور سب کو پاک پیدا کیا گیا ہے لیکن جب ان میں سے کوئی مجرم اور دوسرا نیک بنتا ہے تو پھر وہ برابر نہیں ہیں۔ دوئم انسان کو

بغیر ضرورت کے پیدا کیا ہے کھانا' پینا' سونا' جاگنا' ملنا جلنا' نیکوں کی صحبت اختیار کرنا اور بروں سے اجتناب کرنا حکم الٰہی ہے یہ ضرورت نہیں ہے اور سوئم ہر انسان اپنے کردار و اعمال کا خود ہی جواب دہ ہے۔ اس لئے باپ کی بزرگی بیٹے کی نافرمانی کا مداوا اور علاج نہیں بن سکتی۔ اس سے بڑی مثال اور کیا ہو گی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت و پیغمبری ان کے بیٹے کنعان کے کفر کی پاداش کے آڑے نہ آسکی۔ جس کے اعمال صالح نہ ہو وہ صالح کا اہل نہیں ہوتا۔

انسان کی سرشت میں نیکی اور بدی کی دونوں چنگاریاں موجود ہیں یہ اس کا طرز عمل ہے کہ وہ کس چنگاری کو ہوا دیتا ہے۔ اگر وہ نیکی کی چنگاری کو شعلہ زن کرتا ہے تو وہ انسانیت سے آدمیت اور آدمیت سے بشریت کی طرف پرواز کرتا ہے۔ یہی انسانی معراج ہے۔ اور اگر وہ بدی کی آگ بھڑکاتا ہے تو وہ انسانیت سے حیوانیت بلکہ اس سے بھی ابتر صورت اختیار کر لیتا ہے۔ بدی کی صفات سے پاک ہونے کے لئے بری صحبت سے جو کہ زہر ہلاہل سے بھی زیادہ قاتل ہے بچنا ناگزیر ہے کیونکہ اس کا ثمرہ و نتیجہ ہمیشہ ذلت و خسران اور تباہی ہے۔ اس لئے جس طرح انسان کے لئے نیکی ضروری شے ہے اس سے زیادہ صحبت نیکاں لازمی ہے۔ حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

صحبت صالح ترا صالح کند - صحبت طالع ترا طالع کند

ترجمہ : نیک کی صحبت تجھے نیک بنائے گی اور بدبخت کی صحبت تجھے بدبخت بنائے گی۔

اسفل و گھٹیا عادات

انسان کے اندر بہت سی اسفل اور گھٹیا صفات ہیں جن میں سے چند ایک کا ذکر بے جا نہ ہو گا۔

اولاً : انسان جلد باز واقع ہوا ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ اس کا اپنا کام بہت جلد ہو

لیکن دوسروں کے کام میں سستی اور ڈھیل کا مظاہرہ کرتا ہے حالانکہ حق یہ ہے کہ دوسروں کے کام کرنے میں جلدی کرے اور اپنے کام کے لئے جلد بازی کا اظہار نہ کرے۔

ثانیاً" : مال و دولت جمع کرنے کا دلدادہ و رسیا ہے۔ خود کو انسان بڑا مدبر و بینا متصور کرتا ہے لیکن پرندوں پر غور نہیں کرتا جو اپنے پاس کچھ جمع نہیں رکھتے اور کمزوری و بے بضاعتی کے باوجود ہر روز انہیں غذا مل جاتی ہے۔ اس لئے حضرت انسان کو عقل' دانائی اور قوت عطا کی گئی ہے وہ بھلا کیوں ناامید ہوتا ہے اور جمع کرنے کی فکر دامن گیر رکھتا ہے اور ہوس زر میں جائز و ناجائز' حلال و حرام اور ظلم و استیصال کی پرواہ کیے بغیر اندھا دھند پستیوں' اندھیروں اور عقوبت خانوں کی طرف بڑھتا رہتا ہے وہ اپنے رب ودود اور محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم سے روگرداں رہتا ہے۔ یہی اس کی کم عقلی اور جہالت کا بین ثبوت ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہے کہ انسانی جہالت نے اسے غافل بنا رکھا ہے اور جب انسان بستر مرگ پر دراز ہوتا ہے تو اسے اپنے سارے کرتوت یاد آتے ہیں پھر وہ دست حسرت ملتا ہے مگر اس وقت کچھ ہو نہیں سکتا اور جب دم حلق میں آجاتا ہے تو کہتا ہے اب میں صدقہ کرتا ہوں لیکن جب اس کے پاس مہلت ہوتی ہے تو اللہ تعالٰی کی راہ میں دینے سے رکا رہتا ہے اور اکتاہٹ محسوس کرتا ہے۔ جب وہ دنیا کے جال میں جکڑا ہوتا ہے تو اسے مرنا سب بھولا ہوا ہوتا ہے۔ اگر صحیح معنوں میں اسے یوم حشر پر ایمان ہوتا تو وہ اپنے رخ کو ہمیشہ غیر کے رخ سے دور رکھنے کی سعی کرتا۔

ایسا انسان جسے صرف اپنے ذات ہی نظر آتی ہو وہ ہمیشہ حزن و ملال کا شکار رہتا ہے۔ مایوسیاں اس پر محیط رہتی ہیں۔ حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تا تو تاریک و ملول و تیرہ   دان کہ با دیو لعین ہمشیرہ

ترجمہ : جب تو تاریک' ملول اور رنجیدہ ہے تو سمجھ لے کہ ملعون شیطان کا دودھ

شریک بھائی ہے۔ ان تکلیف دہ کیفیات سے چھٹکارا پانے کے لئے انسان کو اپنی پیدائش پر ایک نظر ڈالی لینی چاہیے۔ اس طرح وہ بہت سی قباحتوں' ذلتوں اور عذابوں سے بچ سکتا ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے بندر کی صورت بنا دے اگر چاہے سور کی۔ حضرت ابو صالح رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر چاہے کتے کی صورت بنا دے' اگر چاہے گدھے کی۔ حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ سب سچ ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے لیکن وہ مالک ہمیں بہترین' عمدہ اور خوش شکل اور دل لبھانے والی پاکیزہ شکلیں اور صورتیں عطا فرماتا ہے۔ جسم کے ایک چھوٹے سے حصے چہرے کو لے لیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان گنت مخلوق پیدا کی ہے لیکن سب کے چہرے ایک دوسرے سے مختلف ہیں کیا یہی اس کی عظمت کے گیت گانے اور اس کے سامنے فنا ہو جانے کے لئے کافی نہیں ہے ؟

انسان کو پرکھنے کا طریقہ

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر یہ جاننا ہو کہ فلاں انسان کیسا ہے تو یہ دیکھو کہ اس میں تضاد اور اختلاف ہے یا نہیں۔ علم کسب والوں میں یہ دونوں چیزیں موجود ہوتی ہیں۔ وہ ایک ضرورت کے بعد دوسری ضرورت سے چپک جاتے ہیں۔ ایسے لوگ نہ تو اپنی ذات کے ساتھ مخلص ہوتے ہیں کیونکہ وہ اندھیروں کے راہی ہوتے ہیں اور ان کا انجام عبرتناک ہوتا ہے اور نہ ہی کسی اور کے ساتھ مخلص ہوتے ہیں۔ یہ سب سے زیادہ تکلیف دہ اور مشکل انسان ہوتے ہیں ان کا یہ خاصا ہوتا ہے کہ وہ ان لوگوں سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتے جو اُن کی بات مانتے نہیں وہ صرف اپنی بات منوانا چاہتے ہیں اور یہی ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ہمیشہ انہیں کی بات کو شرف قبولیت بخشا جائے اور جس سے توقع ہوتی ہے کہ اس کی بات مانے اسے اس کی ذات اور بہبود سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایسے انسان سے نفرت و حقارت کی جائے بلکہ اس کی بری عادت سے بچنا چاہیے۔ اگر

برے انسان سے دور رہا جائے گا تو اس کی اصلاح نہ ہو سکے گی۔ اس امر کی بوچھ ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کے لئے بھیجا ہے توڑنے کے لئے نہیں۔ اگر انسان چاہتا ہے کہ وہ اپنے اسفل اور گھٹیا اعمال و صفات سے محفوظ و مامون رہے تو حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کے اس بیان پر ہمیشہ نگاہ رکھنی چاہئے۔

بے عنایات حق و خاصان حق　　　گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

ترجمہ : اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں کی عنایات کے بغیر اگر فرشتہ بھی ہے تو اس کا نامہ اعمال سیاہ ہے۔

حاصل بیان

☆ انسان ہونا سب سے گھٹیا درجہ ہے۔ یہ ہر وقت نفس و شیطان کے نرغے میں ہوتا ہے اور اس پر بے اطمینانی اور پریشانی محیط ہوتی ہے۔

☆ نفس ظاہری ریاضت سے موٹا و فربہ ہوتا ہے جبکہ باطنی ریاضت اسے جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔

☆ جو انسان اپنی سفلی صفات سے کنارہ کشی پر آمادہ نہیں ہوتا وہ چوپاؤں سے بھی بدتر ہے۔

☆ انسان کے اندر نیکی اور بدی کی دونوں چنگاریاں موجود ہیں اب یہ اس پر ہے کہ وہ کس چنگاری کو ہوا دیتا ہے۔

☆ یہ دیکھنا ہو کہ فلاں شخص کیسا ہے تو یہ دیکھو کہ اس میں تضاد و اختلاف ہے یا نہیں۔

اگر ہم بے اطمینانی' پریشانی اور ظاہرداری کے جالوں میں پھنسے ہوئے ہیں تو فوری اصلاح کرنی چاہئے کیونکہ جو انسان سفلی و گھٹیا صفات کے ساتھ جڑ کر رہ جاتا ہے وہ حیوان سے بھی کم تر ہے ایسا انسان تضاد و اختلاف سے کبھی پاک نہیں ہوتا۔ اور

یہی اس کے گھٹیا ہونے کا ثبوت ہے۔ ہماری کیا حالت ہے؟ غور کریں۔

☆☆☆☆☆☆☆

فہرست مراجع کتاب ہذا

۱ قرآن حکیم
۲ تفسیر ابن کثیر
۳ تفسیر فاضلی
۴ قصص القرآن
۵ صحیح بخاری شریف
۶ صحیح مسلم شریف
۷ ابوداؤد
۸ ابن ماجہ
۹ ترمذی شریف
۱۰ شمائل ترمذی
۱۱ بیہقی
۱۲ نسائی
۱۳ طبرانی
۱۴ دارمی
۱۵ الہیثمی
۱۶ ابن حبان
۱۷ حاکم
۱۸ ابن ابی حاتم
۱۹ دار قطنی
۲۰ ابن عساکر
۲۱ ابن جریر
۲۲ بزار
۲۳ ابن منذر
۲۴ ابن مردویہ
۲۵ شعب الایمان
۲۶ ابو نعیم فی الحلیہ
۲۷ معارج النبوت
۲۸ شواہد النبوت
۲۹ سنت خیرالانامؐ
۳۰ مسند احمد
۳۱ کنزالعمال
۳۲ سیرت رسول عربیؐ

۳۳ حیات صحابہؓ
۳۴ حیات ام المومنین حضرت عائشہؓ
۳۵ بہار شریعت
۳۶ عالمگیری
۳۷ الفقہ علی المذاہب الاربعہ
۳۸ درمختار
۳۹ خلاصتہ الفتاویٰ
۴۰ خانیہ
۴۱ غنیتہ الطالبین
۴۲ فیوض یزدانی
۴۳ الشیخان
۴۴ کشف المحجوب
۴۵ اخص الخواص
۴۶ مثنوی مولانا رومؒ
۴۷ حیات جاوداں
۴۸ منہاج العابدین
۴۹ ریاض المذکرین
۵۰ زہرۃ الریاض
۵۱ نوادر الاصول
۵۲ سوہنی مینوال
۵۳ قصیدہ بردہ
۵۴ قصیدہ غوثیہ
۵۵ تلبیس ابلیس
۵۶ سرّ دلبراں
۵۷ مقصود حقائق قرآن
۵۸ اسلام دین آسان
۵۹ ملفوظات فاضلی
۶۰ فرمودات حضرت فضل شاہ قطب عالمؒ
۶۱ تاریخ مدینہ منورہ
۶۲ ابیات باھو
۶۳ ماہنامہ احتساب
۶۴ شفاء القلوب

بزرگ

نواز رومانی

مکتبہ نبویہ ۰ لاہور